مختصر سیرت قرآنیہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

محمد اجمل خاں

پہلا اردو اڈیشن ، ۱۹۵۱ء (۱۳۷۰ھ)

" زیر نگرانی منشی رفیق احمد خورجوی یونین پریس اردو بازار جامع مسجد
دہلی میں چھپی "

اور

بیت الحکمت ، دہلی (ہند) کی طرف سے سیف الاسلام خان جامعی نے شائع کیا

سول ایجنسی در ہند :- سنگم کتاب گھر - اردو بازار ، دہلی (ہند)
سول ایجنسی در پاکستان :- مکتبہ بیت الحکمت - اردو بازار لاہور پاکستان

قیمت قسم اول ۵/۸ قسم دوم ۴/۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

براہ کرم مطالعہ سے پہلے غلطیوں کو درست کرلیں ورنہ سخت الجھن ہوگی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۱	محبت	×	۵۸	۴	اٹھاکر	اٹھاکر اپنے بھلے
۵	۹	سے	×	۶۵	۹	اگرسن	اگرحُسن
۳۵	۸	جگہ سے تھی	جگہ تھی	۶۶	۲	سے	میں
۴۰	۹	ورنہ	×	۶۶	۲۰	سی	ہی
۴۲	۱۳	حدا	خدا	۶۷	۸	قوتوں	قوتوں کے
۴۴	۸	اہرمن	اہرمن سے	۶۷	۲۰	(یا حد)	(حمد)
۴۷	۴	انھیں لبدخوف	انھیں خوف	۷۳	۱۱	سٹرک ہے	سٹرک اطاعت الٰہی یا اسلام ہے۔
۴۸	۸	صحف موسیٰ	صحف ابراہیم و موسیٰ				
۵۰	۲	منرول	منتروں	۷۴	۳	پر ڈالنا	راہ پر ڈالنا
۵۱	۱۸	نہیں	انھیں	۷۴	۱۲	یقینی ہے	یقینی ہے۔
۵۱	۱۹	تھا	×				(فاعبدوہ:
۵۷	۴	یہ ہیں گوتم	یہ ہیں کہ گوتم				آل عمران ع۵)
۵۷	۷	چلاتا رہا ہے	چلا رہا ہے	۷۸	۷	دخان	دودخان

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۶	بادشاہوں کے	بادشاہوں کی
۹۷	۴	دو رب	دور رب
۱۰۳	۳	دو رب	دور رب
۱۰۵	۴	۶۸: -	۶۸: ن والقلم
۱۰۵	۱۳	الذادویات	الذاریات
۱۱۲	۶		نوٹ: سورۃ الحاقہ سے اعجاز اعجاز کتب الٰہیہ کی بحث شروع ہوتی ہے نہ کہ اعجاز قرآنی کی
۱۱۴	۲	(۱) عبہ	(۱) عتبہ
۱۱۶	۱	توانھیں	کہ تو انھیں
،،	۱۱	دور	دو
۱۱۹			نوٹ: متشابہ یعنی قرآن کتب اولین سے مشابہ ہے
۱۳۹	۱۴	اُم یمن	ام ایمن
۱۵۱	۱۵	وہ	گروہ
۱۵۹	۱۶	توحید	وحدت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۱	۱۴	حوار	جوار
۱۷۶	۸	سبشہ	حبشہ
،،	۱۷	نسی	نسیٰ
۱۸۴	۲	خانگی	جنگی
۱۸۶	۱۰	تذر	نظر
۱۸۷	۹	وزن	و زن
۱۹۳	۱۲	اتحادی	اتحادکی
۱۹۶	۹	عبداللہ	عبدالالٰہ
۱۹۸	۷	مسلمانوں کو	مسلمانوں کے
۲۰۱	۱۹	ہل کتاب	اہل کتاب
۲۱۵	۱۳	خدانے حکومت	خدانے عدالت (حکومت)
۲۱۶	۶		نوٹ: حکومت = حکم قضارت = فیصلہ کرنا
۲۲۲	آخری سطر	مقوقس نے شاہ	مقوقس شاہ
۲۲۴	۱۱	کو اطاعت	کو اللہ کی اطاعت
۲۳۰	۱۲	مخلوط یعنی	مخلوط تھا یعنی
۲۶۱	۵	سبیل رکھ	سبیل اللہ رکھ

جنابِ والا

"ترتیب نزولِ قرآن" کی روشنی میں پہلی سیرت نبویؐ ہے، جو آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ فہم قرآن و سیرت میں تیرہ سو سال سے جو لسانی تاریخی اور فلسفیانہ دشواریاں پیدا ہوگئی تھیں وہ سیرت کے ساتھ ساتھ قرآن کو پڑھنے کے بعد قطعاً دور ہو جاتی ہیں۔ اسلام اور پیغمبرانِ اسلام کے پیام اور طریقۂ کار کو سمجھنے کا اس سے بہترین کوئی طریقہ نہیں، اِس لئے کہ یہ تاریخی طریقہ ہے۔

ہماری تجویز ہے کہ اس تاریخی مطالعے کو عالمی بنانے کے لئے قرآن کریم کے دس تاریخی ادوار کو اصل عربی میں شائع کر دیں اور ہر دور کے شروع میں سیرت نبوی کے علاوہ اِن اقوام کی بھی تاریخ درج کر دیں جن سے تخاطب ہے۔ اس طرح دنیا کے سامنے ادیان عالم کا نہ صرف تقابلی مطالعہ آجائے گا بلکہ بیک نظر معلوم ہوسکے گا کہ قیام دین کے لئے آج تک کیا ہوا، اور اس کا کیا نتیجہ نکلا قرآن کے ان مختلف

حصوں کے حاشیے پر یہ اہتمام ہوگا کہ ہر سورۃ یا آیت کی تاریخ نزو[ل]
درج ہوگی۔ مختلف لغات کے وجوہ و نظائر اور وہ معنی بھی
ہوں گے جو اس کے مخاطب سمجھتے تھے، اور یہ بھی اہتمام ہوگا کہ د[یگر]
کتب سماویہ میں جن اہم واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اُن کے [حوالے]
بھی دیئے جائیں۔

جن حضرات کو اس قسم کے مطالعہ سے دلچسپی ہو، یا جو حض[رات]
اس تجویز میں کسی طرح کی اصلاح و ترمیم ضروری سمجھتے ہوں ان س[ے]
استدعا ہے کہ اسی سیرت قرآنیہ کو پڑھنے کے بعد اپنے مشوروں [سے]
ہمیں فائدہ اُٹھانے کا موقع دیں، اور یہ بھی تحریر فرما دیں کہ اس [...]
پروگرام کو کامیاب بنانے میں وہ کس قسم کی مدد دے سکتے ہیں۔
ہمیں اُمید ہے کہ ہر ملک کے اہل علم اِدھر توجہ فرمائیں گے

اراکینِ بیت الحکمت

معرفت
سنگم کتاب گھر
اُردو بازار دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار سیرتیں، اور قرآن کریم کی ہزار ہا تفسیریں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن اب تک ایک سیرت کی جگہ خالی ہے جس میں سیرت کے ساتھ ساتھ تاریخی ترتیب سے قرآن کو بیان کیا گیا ہو۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے ہم نے یہ قرآنی سیرت نبوی مرتب کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں یہ پہلی کوشش ہے۔

بلاشبہ قرآن ہی اسلام کے مقصد اور طریق کار کی مستند ترین تاریخ ہے، اور یہی رسول اللہ کی حقیقی سیرت ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم نے مصحف عثمانی مرتبہ سنہ ۳۰ھ کو تاریخی ترتیب سے مرتب کیا، اور سنہ ۱۹۴۲ء میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے پیش لفظ کے ساتھ "ترتیب نزول قرآن کریم" کے نام سے شائع کر دیا۔ پھر اسلام کے حقیقی و بنیادی خط و خال کو نمایاں کرنے کے لئے انسان کی ذہنی، دینی، سماجی اور معاشی زندگی کا تاریخی جائزہ لیا، اور "پس منظر اسلام" کے نام سے ایک کتاب سنہ ۱۹۴۶ء میں شائع کی۔

ان دونوں کتابوں کی روشنی میں اسلام اور رسول عربیؐ کی قرآنی سیرت پوری آب و تاب سے سامنے آگئی۔ لہٰذا ہم نے سیرت نبوی کے ساتھ ساتھ پورے قرآن کو دس تاریخی ادوار میں مرتب کر لیا۔ چونکہ اس میں پورے قرآن

کے مضامین اور سیرت کے مفصل حالات جمع کئے گئے ہیں۔ اس لئے اس کا حجم بہت زیادہ ہوگیا ہے۔ یہ سیرت کبیر ہے۔

اس کے بعد ہم نے سیرت کبیر کا ایک خلاصہ تیار کیا جس میں "پس منظر اسلام" اور حالاتِ سیرت کے ساتھ ساتھ قرآن کا خلاصہ تاریخی ترتیب سے درج ہے۔ یہ کتاب بھی ہزار صفحوں سے آگے بڑھ گئی ہے اور سیرت بسیط کہی جا سکتی ہے

چونکہ عام پڑھنے والوں کے لئے سیرت کی ایک مختصر اور جامع کتاب کی ضرورت تھی، لہٰذا ہم نے سیرت بالا کا جامع خلاصہ تیار کر لیا ہے۔ یہ سیرت صغیر ہے، اور اس کا ترجمہ دنیا کی متعدد زبانوں میں کیا جا رہا ہے۔ کام اگرچہ نہایت دشوار تھا لیکن توفیق الٰہی نے وہ لگن پیدا کر دی کہ یہ اہم کام چند سال کی محنت میں پورا ہو گیا، بقول عاقل خاں :-

عشق چہ آساں نمود محنت آہ چہ دشوار بود

ہجر چہ دشوار بود، یار چہ آساں گرفت !

اب مسلمانوں پر واضح ہو جائے گا کہ خوش عقیدہ مؤرخوں اور تفسیر بالرائے کرنے والے مفسروں نے اسلام کے روشن چہرے پر پس منظر اسلام کی کج فہمی اور ترتیب نزول قرآن پر عدم توجہی کی وجہ سے کتنے پردے ڈال دئے تھے !

نامسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے گا اسلام صرف ایک اخلاق و کردار کی اصلاح کا پیغام نہیں ہے۔ بلکہ ایک ایسی انقلابی سوسائٹی کا قیام ہے جس میں سماج یا معاشرہ ذہنی اور مادّی ترقی پر مجبور ہے یعنی

اسلام ایک ایسا ذہنی انقلاب پیدا کرتا ہے جو دین و دنیا، روح و مادہ فکر و عمل کے تضاد کو مٹا دیتا ہے۔ علم و عمل کے دروازے ہر مرد و زن کے لئے یکساں طور پر کھول دیتا ہے۔ اور دینوی یا معاشی ترقی کے لئے ایسی کتابی آمریت قایم کر دیتا ہے کہ ساحر و کاہن کے فریب، عقل و فراست مومن کے سامنے گرد ہو جاتے ہیں۔ اب نہ تو پروہت ذہنی غلام بنا سکتا ہے نہ سود خور جسمانی اسیری میں مبتلا کر سکتا ہے۔ گویا علم و عقل کی عالمگیر سائنس و عمل کی صراط مستقیم پیدا کر کے فرد و جماعت کی کھینچا تانی کو ختم کر دیتی ہے۔ پھر ہر شخص سب کے بھلے کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے اور سوسائٹی سے اپنے بھلے کے لئے بھوک اور خوف، رنج و غم اور یاس و کم ہمتی کو مٹا دیتی ہے۔

جناب رسول عربیؐ نے کس طرح دنیا کو افراط و تفریط سے نکال کر اعتدال پر ڈالا، اور کس طرح مفلسی کو دور کر کے دولت مندوں کی لوٹ کھسوٹ سے بچایا، یعنی کس طرح سماجی و معاشی ناہمواریوں کو دور کر کے ایک صالح معاشرہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ سب باتیں آیندہ صفحوں میں قرآن و سیرت کی تاریخی ترتیب سے بیان کی گئی ہیں۔ فہرست عنوانات سے آپ کو آنحضرت کی زندگی اور خود قرآن کریم کے مختلف ادوار معلوم ہو جائیں گے، اور یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ انسانی اصلاح و ترقی کی تعمیر میں کونسی خشت اول ہو اور اسے کس قسم کی روحانی و مادی زمین میں رکھا جائے۔

ہمیں اُمید ہے کہ سیرت کا یہ تاریخی مطالعہ عام انسانیت کو ترقی دینے میں مدد دے گا، اور جو لوگ اسلام کی ذہنی و معاشی ترقی کی حقیقت تک پہنچنا چاہیں گے انھیں قرآن کی تاریخی ترتیب سے مکمل روشنی حاصل ہو جائے گی وَالذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ہ وباللہ التوفیق۔

نئی دہلی۔ یوم الجمعہ ۱۸ شعبان ۱۳۷۰ھ
۲۵ مئی ۱۹۵۱ء

محمد اجمل خاں

فہرست عنوانات سیرۃ قرآنیہ

(نوٹ :- ہر فصل کے شروع میں اس رسالے کا قرآن تاریخی ترتیب سے درج ہے)

رؤیائے صادقہ میں ارشادِ نبوی ؐ کے مطابق
قرآن و سیرت کے اس تاریخی مطالعے کو میں اُس

اِسلام

کے نام پر نذر کرتا ہوں جس نے بلال رضؓ حبشی کو مکہ میں،
ابوذر رضؓ غفاری کو قبائل میں اور شاہ نجاشی کو سمندر
پار، چند منٹوں میں وہ گُر سکھا دیا کہ وہ رنگ، نسل و قوم
سے بلند ہو کر رأس الکفر اُمیہ بن خلف، اولی النعمہ سردارِ قریش
اور مدرسین کلیسا کے بندھنوں سے چھوٹ کر جہادِ محبت و
انسانیت کے حرم میں داخل ہو گئے۔

ہر کہ شد محرمِ دل، در حرمِ یار بماند
وانکہ ایں کار نہ دانست در انکار بماند۔

محمد اجمل خاں

اِسلام اور اُس کے ماخذ

اسلام کے لغوی معنی انقیاد و اطاعت کے ہیں ، اس کا مادّہ سَلْمٌ اور سَلَمٌ یا سلام ہے ، امن ، صلح ، اطاعت ، سکینہ ، سلامہ ، سلیم و سالم (بمعنی صحیح و تندرست) اور مسلم وغیرہ سلم ہی سے بنتے ہیں۔ رسول عربیؐ نے دین اسلام اس دین فطرت ، یا دین قدیم (سناتن دھرم) کو بتایا ہے جو انسان کے ظہور کے بعد سے برابر اچھے لوگوں کا دین رہا ہے ، دوسرے لفظوں میں خدا پرستی دین اللہ ہے اور نفس پرستی دین الشیطان ہے ، آپؐ نے وحی الٰہی کے ذریعہ شروع سے آخر تک یہی تعلیم دی کہ اصلی اور سچا دین یہی ہے کہ کل نوع انسانی کا بھلا پیش نظر ہو اور مسلم کا ہر عمل اس کسوٹی پر جانچا جائے کہ وہ سب کا بھلا چاہتا ہے یا نہیں ! قرآنی اصطلاح میں اسی کو "معروف" کہا گیا ہے یعنی وہ کام جس میں سب کا بھلا ہو اور فطری طور پر سب اسے اچھا سمجھتے ہوں اس کے خلاف "منکر" کا لفظ ہے ، یعنی وہ کام جس سے سب کو گھن آتی ہو ۔ سادہ لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر وہ کام جو خدا کی عطا کی ہوئی فطرت سلیم کے مطابق ہو اور انسانی ضمیر اُسے اچھا سمجھتا ہو یہی اسلام ہے ، اس کے خلاف جو باتیں وسوسۂ شیطانی سے محض ذاتی نفع کے لئے کی جائیں ، وہ غیر فطری ہیں اور "قلب سلیم" انہیں گھناؤنی سمجھتا ہو وہ کفر ہے ۔ اسلام نور ہے ، کفر تاریکی یا ظلمت ہے ۔

رسول عربیؐ نے دنیا کو یہ بتایا کہ سچائی کسی ایک قوم یا ملک تک محدود نہیں ہے

نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں کوئی نیا رسول (بدعا من الرسل) ہوں، ہر قوم میں خدا پرستی اور سب کے بھلے کی زندگی کا راستہ بتانے والے آتے رہے ہیں (ولکل قوم ھاد) اور ان کی تعلیم بھی ہمیشہ یہی رہی ہے کہ خدا پرستی اور نیک عملی ہی صراط مستقیم ہے۔ اس تعلیم میں کسی رسول کو دوسرے پر فضیلت نہیں، کہ یہودی اپنے پیغمبر کو سب سے اچھا کہیں، ایرانی اپنے پیغمبر کو سب سے اونچا قرار دیں، ہندی غیر قوموں کے بزرگوں چنڈال سمجھیں اور حقانیت کو اپنی جماعت کی میراث سمجھیں، (لا نفرق بین احد من رسلہ) (ہم تعلیمات رسول میں فرق نہیں کرتے)

لہٰذا قرآن کریم کی پیروی میں ہر مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر قوم ان رہبروں اور رسولوں کو مانیں جو خدائی پیغام دیتے ہوں اور شیطانی راستوں سے بچاتے ہوں، اس اعتبار سے جن لوگوں کو فرصت ہو انہیں چاہیئے کہ قرآن و حدیث پڑھنے سے پہلے دنیا کی تمدنی تاریخ کا گہرا مطالعہ کریں اور یہ دیکھیں کہ عام انسانیت کو آگے بڑھانے والوں نے کیا کیا روحانی اور مادی سبق دئے اور ان پر عمل کرنے اور کرانے کے کیا ذریعے اختیار کئے۔ اگر فرصت نہ ہو تو بھی تعلیم کا یہ ایک جزو لاینفک ہے کہ مدارس میں تاریخ تمدن انسانی ہر طالب علم کو پڑھائی جائے تاکہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ ترقی کسے کہتے ہیں اور دنیا کے مختلف تاریخی ادوار میں کس طرح اللہ کے نیک بندوں نے انسانیت کو سیدھا رستہ دکھایا ہے۔ لہٰذا حقیقت اسلام تک پہونچنے کے لئے مطالعہ کا تاریخی اور فطری طریقہ یہ ہے کہ:-

تمدن انسانی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس میں سیاسی، دینی، علمی و ادبی پوری تاریخ کا مطالعہ داخل ہے۔ اس میں ہر دور کی ذہنی اور مادی ترقی کا بھی مطالعہ ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دنیوی اور مادی ترقی کے کیا اسباب تھے اس کا ذہنی ترقی پر کیا ردعمل ہوتا ہے اور وہ کون لوگ ہیں جو دینی اور

دنیوی ترقی کے ذریعے بتائے ہیں اور وہ کون سی جماعتیں یا افراد ہیں جو ان پہلوؤں میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں، اور کیوں ڈالتے ہیں،

قرآن جدید اسلام کی بنیادی کتاب ہے یہ بھی اسی طرح کی وحی الٰہی ہے جیسی کہ پہلے اللہ کا پیغام پہونچانے والوں پر نازل ہو چکی ہے۔ جو قرآن ہمارے پاس ہے وہ تاریخی ترتیب سے پڑھا جائے تو قرآنی تبلیغ کے مختلف دور بن جاتے ہیں۔ قدیم مفسروں کا یہی طریقہ تھا کہ ایک ایک آیت اور علیحدہ علیحدہ سورتوں کی جگہ ایک دور کے پورے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی لئے ہم نے آنحضرت کی سیرت میں جو تعلیمات قرآنی دی گئی ہیں ان کو الگ کرلیا ہے اور پورے قرآن کو ترتیب تنزیل کے مطابق مرتب کرکے ہر دور کی سیرت کے ساتھ ساتھ قرآنی تعلیم کو بیان کردیا ہے۔ اس طرح نہ صرف قرآن خود اپنی تفسیر بن جاتا ہے بلکہ قرآن وسیرت اور احیائے اسلام کے مختلف طریقوں کو سمجھنے میں پوری مدد ملتی ہے۔

ادیان عالم کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تا یہ دیکھا جائے کہ نئے دین نے پرانے دین میں کیا کیا اصلاحات کیں اور انسانی زندگی کو کن کن طریقوں سے بہتر بنایا۔ اور پرانے دین میں جو بدعتوں نے خرابیاں پیدا کردی تھیں انہیں دور کرنے کا کیا ذریعہ اختیار کیا۔

خلاصہ تاریخ تمدن

مذہب، فلسفہ اور سائنس انسانی تمدن کی تاریخ بتاتے ہیں، اور سب کی غرض وغایت ایک ہی ہے کہ انسان حیوانیت سے ترقی کرکے انسانیت کی طرف جائے، اور خود غرضی کو چھوڑ کر سب کا بھلا چاہے۔ یعنی شر کو چھوڑ کر خیر کی طرف، منکر کو چھوڑ کر معروف کی طرف، اور کفر وظلمت کو چھوڑ کر ایمان وروشنی کی طرف بڑھے اور توہمات کے جہنم سے نکل کر علم وعقل کی جنت میں داخل ہوجائے۔

یہ کرۂ ارض سورج سے نکلا تھا، یا سورج سے الگ پیدا ہوا تھا اس مسئلہ پر اہل سائنس میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ دوسرے اجرام فلکی کی طرح پہلے یہ گیس کی شکل میں تھا، اس کی حرارت لاکھوں درجہ کی تھی۔ لاکھوں برس میں ٹھنڈا ہوا۔ آگ اور برف کے طوفان آتے جاتے رہے اور پھر لاکھوں برس کے بعد اس قابل ہوا کہ اس پر نباتات وحیوانات زندہ رہ سکے۔ لاکھوں برس پہلے انسان کا ظہور ہوا۔ اور ان کی معلومات میں اضافہ شروع ہوا۔ معلوم نہیں کب اور کہاں انہیں آگ کا علم ہوا۔ لیکن جب آگ جلانے کا فن معلوم ہوگیا تو مذہب اور تمدن کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔ پہلے سورج کو سب سے بڑا دیوتا سمجھا جاتا تھا، اور چاند اس کی بیوی تارے ان کے بچے تھے۔ لیکن آگ کا علم ہوتے ہی لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اس دنیا میں صرف تاریکی کے بھوت اور اہرمن کے دیو ہی نہیں رہتے ، بلکہ آسمان کے علاوہ زمین پر بھی سورج کی بیٹی رہتی ہے۔ بھوت اور جنگلی جانور (جو اس زمانے میں اہرمنی ہستیاں مانے

جاتے تھے) اگنی دیوی کی روشنی میں دور بھاگتے تھے اور اس کے پجاریوں (اگنی ہوتری یا مگوں) کے ذریعے سے وہ دیوی سوختنی قربانی قبول کرلیتی تھی اور پوجا کرنے والوں کی منتیں پوری کرتی تھی۔

ہزار ہا برس بعد لوہے کا علم ہوا، اور پتھر کے ہتھیاروں کی جگہ لوہے کے ہتھیار اور آلات بننے لگے۔ جانوروں کو سدھا کر خوراک کے زندہ گودام بھی مہیا ہو گئے۔ اور دو چار رسمیں بھی متعین ہو گئیں، مثلاً اپنے قبیلے کے آدمی کو قتل کرنا درست نہیں، دوسرے قبیلوں کے مردوں کو قتل کر کے کھا جانا جائز ہے اور اگر وہ بولتے چالتے جانوروں کی طرح کام کر سکیں تو ان کو غلام بنا لینا بھی مفید ہے۔ عورتوں کے متعلق یہ رسم پڑ گئی کہ انہیں غلام بنا لیا جائے اور اپنے قبیلہ کے آدمی بڑھانے کے لئے کام میں لایا جائے۔ اس کے ہزار ہا سال بعد بعض بہادر قوموں میں (جیسے ہند میں راجپوت) یہ رسم پڑ گئی کہ شکست کی صورت میں عورتیں چتا پر بیٹھ کر خود جل مریں۔ اور بہت سی قوموں میں یہ رسم بھی ہو گئی کہ سردار یا بادشاہ کے بعد اس کی بیبیاں، لونڈی غلام، جانور سب قتل کر کے اس کے ساتھ دفن کر دیے جائیں، تاکہ آیندہ زندگی میں اس کے کام آسکیں ہند میں اونچی ذاتوں میں بیوہ کے لئے یہ رسم ہو گئی کہ وہ شوہر کی لاش کے ساتھ جل مرے۔

پھر مردوں نے یہ قانون بنایا کہ عورت زنا کرے تو وہ سزا پائے۔ مرد کو کوئی سزا نہ دی جائے۔ بابل میں یہ رسم مقرر ہوئی کہ شادی سے پہلے ہر عورت کسی اجنبی سے ضرور زنا کرائے، لیکن اس کے بعد پھر نہ کرے۔

انسانوں کی بھی دو جماعتیں بن گئیں وہ جو دیوتاؤں کو خوش کرنے، یا شریر دیوؤں کو دشمنوں پر بھیجنے کے طریقے جانتے ہوں۔ یا ان میں جسمانی طاقت ہو کہ دوسرے قبیلوں کو لوٹ سکیں اور اپنے قبیلوں کے پروہتوں کو مالا مال کر سکیں اور لوٹے غلاموں اور جانوروں کو اگنی دیوی پر بھینٹ چڑھا سکیں کہ ہر قوم ان سے ڈرنے لگے۔

یہ پروہت اور سپاہی اونچی ذات کے لوگ تھے۔ اور باقی یا تو غلام ہوتے تھے یا آزاد خدمت گار۔ بعض قوموں میں، جیسے مصر، بابل، پیرو، میکسیکو تبت وغیرہ میں پجاریوں کا سردار ہی بادشاہ بھی ہوتا تھا۔ اور بعض میں سپاہیوں کی جماعت کا سردار یا راجہ ہوتا تھا۔ مگر اُسے یہ حق نہ تھا کہ پجاری گروہ کے احکام سے سرمو تجاوز کرے۔ اس لئے کہ پجاریوں نے رفتہ رفتہ یہ تصور قائم کر دیا تھا کہ وہ خود دیوتا ہیں۔ بلکہ بعض پجاری تو اپنے آپ کو دیوتاؤں سے بھی اونچا بتاتے تھے، اس لئے کہ انہیں ایسے منتر معلوم ہوتے تھے، کہ دیوتاؤں کو مجبور کر کے جو کام کرانا چاہتے تھے کرا لیتے تھے۔

ہر ملک میں پجاریوں تک علم محدود تھا، اور کوئی غیر شخص نہ تو پجاری بن سکتا تھا۔ نہ یہ حق رکھتا تھا کہ پجاریوں کے علم تک رسائی حاصل کر سکے غرضیکہ جتنا علم تھا وہ سب پجاریوں، ساحروں جوتشیوں وغیرہ کی میراث تھا، باقی سب علم سے محروم تھے۔ اور یہ سمجھتے تھے یا سمجھنے پر مجبور تھے کہ پجاریوں کو نہ صرف دیوتاؤں کے ذریعہ یا خود اپنی روحانی طاقت سے غیب کا علم حاصل ہوتا رہتا ہے، بلکہ ان میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ قوانین قدرت کو پھاڑ ڈالیں۔ اور چاہیں تو پانی برسا دیں، دریاؤں کو خشک کر دیں یا بہا دیں، چھپے ہوئے خزانے معلوم کر لیں، بیمار کو اچھا کر دیں یا اچھے کو بیمار ڈال دیں۔ غرضیکہ پجاری، کاہن، ساحر اور نجومی سب مل کر ایک طاقتور جماعت بن گئے تھے، اور دنیا والوں کو جاہل رکھ کر انہیں علم و عقل سے محروم کئے ہوئے تھے۔

تمدن انسانی کی تاریخ اسلام کا ضروری ماخذ ہے

قرآن جس چیز کو اسلام کہتا ہے، وہ اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک ایک پروہتوں کی جماعت انسانی علم و عقل کو صرف اپنے فائدے کے لئے استعمال کرے اور دوسروں کو (خواہ وہ اپنی قوم کے لوگ ہوں)

لوٹ کر عقل و ترقی سے محروم رکھے۔ اس لوٹنے والی جماعت کو موجودہ اصطلاح میں قالویافتہ جماعت (Vested Interests) کہتے ہیں، پرانے زمانے میں بھی اس کے دہی ہتھکنڈے تھے جو آج کل ہیں یہ اپنے اپنے ملک کی حکومت پر قبضہ کرنا اور چند افراد کے بھلے کے لئے پروہت اسکول اخبار اور ریڈیو کے ذریعے محنت کرنے والوں کا خون چوسنا اس کا پیشہ ہے تاریخ کا کوئی دور اس خود غرض جماعت کے وجود سے خالی نہیں رہا، مزدک نے اس خود غرضی کے جذبے کا محرک زر، زمین اور زن قرار دیا تھا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ غیر ضروری ہوس جاہ و مال انسان کی تباہی کا ہمیشہ موجب رہی ہے اور پروہتوں کی جماعت اس وقت تک بنتی رہے گی، جب تک دنیا میں جہل موجود ہے۔

ہزاروں آدمی دین یا ملک کے نام پر قتل کرائے جاتے تھے، تاکہ کسی بت یا قومی خدا کا بول بالا ہو اور بادشاہ اور امرا کے توشے خانوں میں دولت اور جاگیروں میں ترقی ہو۔ بازاروں میں غیر ملکی غلام کثرت سے ملیں اور ایک ایک مرد کی طرف بیسیوں نہیں سینکڑوں عورتیں ایک روٹی کے ٹکڑے کے عوض لونڈی بننے کو تیار ہوں۔

پھر پجاریوں اور پروہتوں، ساحروں اور شاعروں کی باری آئے۔ اور غریب سپاہیوں کو اپنے خون کے عوض میں اجنبی ملکوں سے جو دولت ملی ہے اس کو یہ لوگ اپنے فریبوں سے لوٹیں کوئی قربانی کے لئے جانور اور غلام طلب کرے۔ کوئی دوشیزہ لڑکیوں کو بت خانے کے بت اور پجاریوں کی خدمت کے لئے وقف کرائے اور کوئی اپنے سحر و جوتش سے بیماری کو دور کرنے اور آئندہ فتح دلانے کے عوض میں روپیہ اور لونڈی غلام حاصل کرے۔

ایک ایسی جماعت بھی تھی جو نہ سپاہی تھی نہ پروہت وہ بادشاہوں اور امیروں کو جنگی قرضے دیتی تھی اور فتح کی صورت میں دگنی تگنی رقم وصول کرتی تھی۔ اس کے

علاوہ یہ جماعت غریب سپاہیوں کو سودی قرض دیتی تھی اور جب وہ ادا نہیں کر سکتے تھے تو ان کے بیوی بچوں کو اور اکثر خود اُن کو قرضے کے عوض میں غلام بنا لیتی تھی۔

بہر حال دنیا کی پوری تاریخ قتل و غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کا بھیانک نظارہ پیش کرتی ہے۔ جس میں ایک طرف قومی دیوتاؤں، پروہتوں اور ساحروں کی جماعت غلام و عورت کی پامالی، یتیموں کی بے کسی اور مظلوموں کی موت پر مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے اور دوسری طرف ان بے زبانوں کی لاشوں کے ساتھ وہ لوگ زندہ جلتے ہوئے نظر آتے ہیں، جنہیں کوئی مہابیر کہتا ہے کوئی مسیح، کوئی مانی کہتا ہے، کوئی مزدک کوئی میکسوینی کہتا ہے اور کوئی منصور، اگر کوئی پوچھے کہ ان محبت کے پتلوں کا قاتل کون ہے؟ تو ڈرتے ڈرتے شاید کوئی آپ کو بتا دے کہ پروہت! کیا یہ پروہت انسان کے دشمن ہیں؟ ہزاروں سر ہلیں گے کہ نہیں یہ تو ہمارے گناہوں کو بخشواتے ہیں، دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں، بیماریوں کی پھونک جھاڑ کرتے ہیں، خود دن رات علم حاصل کرنے میں گھلتے رہتے ہیں اور اسے اس لئے راز میں رکھتے ہیں کہ کہیں ہمارے دشمنوں کو وہ منتر نہ معلوم ہو جائیں! وہ ہمیں علم سے محروم نہیں رکھتے بلکہ اس کی حفاظت میں اپنی جان تک لڑاتے رہتے ہیں!!

از دشمناں بُرند شکایت بدوستاں
چوں دوست دشمن است شکایت کجا بریم

۲۸۰۲ء

قرآن

اسلام کا حقیقی ماخذ قرآن ہے

ہم نے جن ادیان کا اوپر ذکر کیا ہے ان کی مکمل تعلیمات ہمارے پاس لکھی ہوئی موجود نہیں، بات یہ ہے کہ بعض تعلیمیں مرورِ زمانہ سے ضائع ہو گئیں بعض میں دشمنوں نے تحریفیں کر دیں اور بعض ایسی ہیں جن کی اچھی صحیح تعلیم میں لوگوں نے اپنی رائے داخل کر دی، پھر وہ زمانہ ایسا تھا کہ لوگ کاغذ بنانا نہیں جانتے تھے۔ یہ تو مسلمانوں کا دنیا پر احسان ہے کہ انہوں نے کاغذ بنانے کے فن کو دنیا میں عام کیا اور اسی کے ساتھ پروہتوں نے جن علوم کو چھپا رکھا تھا ان کو بھی شائع کر دیا۔ اور آنحضرت نے یہ حکم دیا کہ علم کا حاصل کرنا مردوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی فرض ہے اس طرح دنیا میں علم عام ہو گیا اور لوگ پروہتوں اور پوپوں کی گرفت سے نکل گئے۔ صرف قرآن ہی ایسی مقدس کتاب ہے جو اپنے اصلی الفاظ میں باقی ہے۔

قرآن میں نہ صرف اسلام کی حقیقی تعلیم ہے بلکہ وہ طریقہ کار بھی ہے، جو اسلام کے آخری پیغمبر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے اسلام کو زندہ اور قائم کرنے کے لئے استعمال کیا تھا۔

احادیث اور دوسری مقدس کتابیں

جس طرح توراۃ و انجیل وغیرہ کو بنو اسرائیل اور نصاریٰ نے جمع کیا اور مختلف مجموعے بنائے، اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے رسول کی باتوں اور

ان کے کاموں کو جمع کیا ہے۔ انہیں حدیث، خبر یا اثر نبوی کہتے ہیں۔ دوسری مقدس کتابوں کی طرح ان میں بھی بہت سی بناوٹی باتیں موجود ہیں جو راوی کی کج فہمی یا کسی دشمن کی شرارت سے داخل ہو گئی ہیں۔ ان کے صحت کی جانچنے کے دو زبردست معیار ہیں:-

(۱) اگر وہ قرآن سے مختلف ہیں تو ان کو موضوع سمجھنا چاہیئے،

(۲) اگر عقل سلیم انہیں قبول نہ کرے تو انہیں نہ ماننا چاہیئے۔

منکرین حدیث بعض کمزور روایتوں کی وجہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت تمام حدیثوں کے ماننے سے انکار کرتی ہے۔ لیکن ان کا یہ رویہ محض ناواقفیت اور کم علمی کی وجہ سے ہے۔ اگر اسی طرح بغیر جانچ پڑتال کے کل تاریخ انسانی کا انکار کر دیا جائے تو سراسر نادانی ہے۔ عقل و کتاب اللہ کے معیار پر ہر مقدس کتاب اور ہر حدیث نبوی کو جانچنے کے بعد ہی ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کی حقیقی تعلیم کیا ہے۔ قرآن نے خود بتایا ہے کہ وہ کل دنیا کے لئے علم کو عام کرنے اور عقل کو روشن کرنے کے لئے آیا ہے اس لئے آپ ہرگز ان احادیث کو نہ مانئے جو کتاب اللہ اور عقل سلیم کے مطابق نہ ہوں۔

فہم قرآن میں رکاوٹیں لیکن خود فہم قرآن میں بعض دشواریاں ہیں جو دور کی جا سکتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن تو ہر جگہ یہ کہتا ہے کہ قرآنی تعلیم نہایت آسان اور سیدھی سادی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ تیرہ سو سال قرآن کو سمجھنے کے لئے برابر کوشش جاری ہے۔ اور اس چھوٹی سی کتاب کو سمجھنے میں اگر دشواری نہ ہوتی تو اس کی چھوٹی بڑی ہزارہا تفسیریں کیوں لکھی جاتیں؟ اور احادیث و رجال، مغازی و سیر، لغت و کلام جاہلیہ، صرف و نحو، معانی و بیان، فلسفہ و منطق، ریاضی و طبعیات، غرضیکہ جملہ علوم کے جاننے کے باوجود آج

تک کوئی شخص ایسا پیدا نہ ہوا جو مکمل قرآن کے فہم کا دعویٰ کر سکتا اور ایسی تفسیر لکھ دیتا کہ کل دنیا کے انسان اسلام اور قرآن کو سمجھ جاتے۔ اور سمجھ لینے کے بعد انہیں اختیار ہوتا کہ وہ اسلامی طریقے کو اختیار کریں، یا اس پر اعتراضات کر کے اس سے بہتر طریقہ بتائیں

غور تو کیجئے کہ اگر اسلام قرآن اور محمؐ اسلام پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو وہ انہی کمزور راویوں کی موضوعات پر اعتراض کرتا ہے یا اپنے دل سے گڑھ کے اعتراضات پیش کرتا ہے۔ اگر راویوں کی کمزور روایتوں کی بناء پر اعتراضات ہوتے ہیں تو اُن علماء کا فرض ہے جو اسلام کو دین الحق اور دین فطرت کہتے ہیں کہ اس کے متعلق قرآن و حدیث کی بناء پر ایک ایسی تفسیر لکھ دیں کہ پھر خود انہیں کسی نئی تفسیر کی ضرورت ہو نہ دنیا والے دھوکے میں پڑیں۔

حقیقت میں فہم قرآن و سیرت نبوی میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ قرآن کریم اگرچہ لفظاً و معناً بالکل وہی وحی ہے جسے آنحضرتؐ نے تلاوت کرنے کے بعد اپنی زندگی میں "جمع" کرا دیا تھا۔ لیکن آپؐ نے اس کی مختلف سورتوں کی ترتیب کو نہیں بتایا تھا، نہ اس کے بتانے کی ضرورت تھی۔ سینکڑوں صحابی موجود تھے، جو یہ جانتے تھے کون سا قرآن کس جگہ اور کب نازل ہوا۔ وہ مکی ہے یا مدنی۔ سفری ہے یا حضری، لیلی ہے یا نہاری۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ مرتب کیا گیا تو پہلے تو سورۃ الحمد کو رکھ دیا گیا اور اس کے بعد لمبی سورتوں کو پھر مئین یا سو آیتوں کی سورتوں کو درمیان میں، اور چھوٹی چھوٹی مفصل سورتوں کو آخر میں جگہ دی گئی۔ اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا، کہ ترتیب نزول کے مطابق پہلے مکی سورتیں اور اس کے بعد مدنی سورتیں رکھی جائیں۔ صحابہ کو اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ ہر آیت کی شان نزول سے واقف تھے۔ لیکن سو سال کے اندر ہی یہ حالت ہوگئی کہ خود مسلمان اور متقی مسلمان

الجھن میں پڑ گئے جب وہ خود مشکل میں تھے تو دوسروں کو کیا سمجھاتے! یہ حسن اتفاق تھا کہ اسلام کا کلمہ متعین موجود تھا اور یہ کلمہ وہ تھا جو رسول عربی صلعم نے پہلی ہی وحی میں ظاہر کردیا تھا، ورنہ معلوم نہیں مسلمانوں اور دنیا والوں کو قرآن اور اسلام کس رنگ میں نظر آتا۔

ہم نیچے لین پول کی کتاب "خطبات وگفتگوئے محمدؐ" کے دیباچے سے ایک اقتباس دیتے ہیں جو اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے کہ ترتیب نزول کی کیا اہمیت ہے۔ وہ لکھتا ہے "سیل کے ترجمۂ قرآن کے متعلق یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ وہ نہایت غیر دلچسپ ہے، چونکہ قرآن ترتیب نزول کے مطابق مرتب نہیں اس لئے اس کی الجھی ہوئی عبارت کا دل پر اثر پڑتا ہے ..... اس کا ابہام زیادہ تر اس کی موجودہ ترتیب کی وجہ سے ہے، جو دوسری مقدس کتابوں کی ترتیب سے کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ مسلمان اس ترتیب پر مطمئن معلوم ہوتے ہیں..... لیکن اگر اسے تاریخی ترتیب سے پڑھا جائے تو قرآن کی بے ترتیبی اور الجھن کا اثر دماغ سے جاتا رہتا ہے۔ اور ہمیں ایک عظیم الشان دماغ کی تسلی بخش ترقی نظر آتی ہے ..... اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کا کوئی مقصد نہیں ہے یا اس میں نظم و ترتیب نہیں ہے۔ آپ کے ارادہ اور خیال کا مقصد اتنا ہی واضح اور صاف ہوجاتا ہے جتنا کہ روز روشن"

پرانی ترتیب نے چند مسائل پیدا کردئے ہیں جن پر سینکڑوں سال سے بحثیں جاری ہیں، اور کسی طرح تصفیہ نہیں ہوتا۔ متضاد خیالات کے لوگ ان مسئلوں پر ایک دوسرے کی تکفیر تک کردیتے ہیں حالانکہ ترتیب نزول سے اگر قرآن کو پڑھا جائے اور تاریخ تمدن انسانی پر نظر ہو تو سب مشکلیں قرآن ہی سے حل ہوجاتی ہیں مثلاً :-

(۱) لسانی دشواریاں:- اس سلسلہ میں ہم نے سورۃ الحمد کی سات آیتوں کے چودہ

لفظوں سے آیندہ بحث کی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ترتیب نزول قرآن سے الگ ہونے کا کیا نتیجہ ہے۔ وہ سورت جسے مسلمان بار بار روزانہ نمازوں میں پڑھتا رہتا ہے اور جس کی تفسیر پر ہر مفسر نے اپنا زور قلم ختم کر دیا ہے، کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ اسی طرح بیسیوں الفاظ ہیں جو پس منظر قرآن سے الگ ہو کر اپنا مدلول و مفہوم بدل چکے ہیں مثلاً:۔

(۱) کتاب کے معنی مصحف نہیں بلکہ قانون یا علم کے ہیں،

(۲) قرآن :۔ اُس پڑھنت یا کلام کو کہا گیا ہے جو سحر و کہانت کے مقابلے میں نازل ہوا ہے۔ یعنی سحر کلام الشیطان ہے اور قرآن سحر کا ضد یا رد اللہ کی طرف سے آیا ہوا کلام ہے۔ یہ مبین ہے یعنی سحر کی طرح بے معنی یا شیطانی استعانت نہیں چاہتا، صاف نصیحت ہے، ذکری ہے تذکرہ ہے،

(۳) عربی : سمجھ میں آنے والی سلیس زبان، نہ کہ عربوں کی بولی۔ یہ بھی کہانت یا سحر کے مقابلے میں کہا گیا ہے۔

(ب) **فلسفیانہ دشواریاں** | ترتیب تنزیل کو چھوڑ کر لایعنی بحثیں چھیڑی گئیں، مثلاً

(۱) **وحی** | وحی ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرک کہتے تھے کہ ان کے کاہنوں، ساحروں اور شاعروں کا کلام شیطان یا تابع من الجن کی طرف سے القا ہوتا ہے قرآن نے اس تعلیم کے خلاف بتایا کہ قرآن شیطان یا جن کا قول نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے جو منبع خیر ہے۔ یہ شیطانی کلام نہیں رحمانی کلام ہے، اور یہ اسی طرح کا خدائی کلام ہے جیسا پہلے خدا کے رسول لا چکے ہیں۔ اس میں شیطنت کی باتیں نہیں ہیں، نہ یہ دعویٰ ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے کسی شیطان یا کاہن کو ہو سکتا ہے۔ یہ قرآن کہانت اور ساحری اور جیوتش کے فریب کو ختم کرنے آیا ہے۔ اور تمہاری عقلوں کو اللہ کے علم سے منور کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک فطری تصور ہے جیسا کہ شہد کی مکھی کو خدا دیتا ہے۔ یہ قلب رسول پر نازل ہوتا

ہوتا ہے، الفاظ خود رسول کے ہوتے ہیں (دیکھئے التفہیمات الالٰہیہ: شاہ ولی اللہ دہلوی: ص ۱۸۵)

(۲) آیات :۔ کے معنی معجزے کے بھی ہیں، خصوصاً آیات بینات وہ معجزے ہوتے ہیں جو بیّن ہوں، اللہ کریم نے تیسرے دور رسالت میں خاص طور سے اس کا انکار کیا ہے کہ ان کے پاس کوئی آیت (نشان یا معجزہ) ایسا نہیں ہے جس کو دیکھ کر تم یہ مان لو کہ میں خدا کا ایلچی ہوں بلکہ جس طرح ہر ملک میں نذیر و بشیر و مصلح آتے رہے ہیں ویسا ہی میں بھی ایک بشر ہوں معجزے میرے پاس نہیں۔

تبدیل آیات :۔ آیت کے مختلف موقعوں پر مختلف معنی ہیں مکہ والوں نے جب شعب سے نکلنے کے بعد یہ اعتراض کیا کہ آپ آیتوں کو بدلتے رہتے ہیں بلکہ قرآن خود کہتا ہے (اِذَا بَدَّلْنَا اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ النحل) یا (نُصَرِّفُ الاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ) تو یہاں آیہ کے معنی دلیل کے ہیں، یعنی حسب موقع دلائل بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ میں اپنے دل سے خود بناتا (افترا کرتا) ہوں۔ بلکہ یہ دلائل بھی خدا ہی کے دل میں ڈالتا ہے، شیطان کو اس میں دخل نہیں ہے۔

معجزات نبوی: قرآن میں آنحضرت کے کسی معجزہ کا ذکر نہیں۔ سورۃ قمر بہت ابتدائی سورۃ ہے اس وقت تک کفار نے معجزہ ہی طلب نہیں کیا تھا۔ جب بعد میں مانگا تو آپ نے بذریعہ وحی بتایا کہ "چاہے زمین میں سرنگ لگاؤں یا آسمان پر چڑھ جاؤں، سوائے دلائل قرآنیہ کے دوسرا کوئی معجزہ نہیں لا سکتا" قرآن میں دوسرے ....

رسولوں کے جن نشانات یا معجزات کا ذکر ہے وہ بھی خارق العادہ نہیں بلکہ مسبب بہ اسباب ہیں (دیکھئے قرآن اور التفہیمات الٰہیہ امام ولی اللہ دہلوی ص ۵۳)

معجزات انبیائے سابق

جن معجزات کا قرآن نے ذکر کیا ہے وہ بطور دلیل الزامی کے ہیں کہ جب تم خود تسلیم کرتے ہو کہ خدا نے ایسے نشان دیئے تھے تو پھر اس سے کیوں انکار کرتے ہو کہ خدا ہی میں سب طاقت ہے شیطان میں نہیں ہے،

اعجاز قرآن

قرآن میں اعجاز قرآن کا ذکر نہیں، اس میں اعجاز کتاب کا ذکر ہے یعنی کل اللہ کی کتابیں ایسی ہیں کہ ان کی ایک سورۃ کے مانند بھی تم لوگ جو شیطان پرست ہو نہیں لا سکتے، اور اگر لائے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ وحی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور ذکر و نصیحت شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا،

نسخ دنسیان آیات

قرآن میں کوئی آیت دوسری آیت کو منسوخ نہیں کرتی یہ خیال آیت کے غلط معنی سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

آیت کے معنی دلیل و برہان کے ہیں، اس لئے قرآن اور دوسری کتابوں کی آیتیں خدا کی توحید اور اس کی قدرت کو ثابت کرنے کی دلیلیں ہیں۔ اگر آنحضرت کسی آیت کو بھول جاتے تھے یا کوئی ایسی دلیل پیش کرنا چاہتے تھے جو القائے شیطان سے ہوتی تھی تو خدا اس کو بھلا دیتا تھا یا اُسے منسوخ کر دیتا تھا، اور اس سے بہتر یا اسی کی مانند دلیل آپ پر نازل کر دیتا تھا جو خدا کی طرف سے ہوتی تھی،

آیت کے معنی حکم یا قانون کے بھی ہیں، اس کا تعلق مشرکین مکہ سے نہیں بلکہ یہود مدینہ اور نصاریٰ نے سے، وہ کہتے تھے کہ آپ ایسے قوانین نافذ کر رہے ہیں جو توراۃ میں نہیں ہیں، آپ نے فرمایا کہ توراۃ تو بعد کی چیز ہے اور تم نے اس میں تحریفیں بھی کر دی ہیں۔ اصل دین تو ابراہیمی ہے جس کے بہت سے قوانین (آیات) کو لوگ بھول گئے ہیں یا خدا نے انہیں منسوخ کر دیا ہے، لہذا اب ان سے بہتر قانون

دینا یا ان بھولے ہوئے قوانین کو دوبارہ یاد دلانا خدا کا کام ہے۔ مثلاً حلال حرام کی

(۳) محکم متشابہ | نصاریٰ سے کہا گیا تھا کہ ولادت مسیح کے متعلق قرآن میں محکم اور متشابہ دونوں قسم کی آیتیں ہیں، لیکن تم لوگ محکم کو چھوڑ کر فرعی یا تمثیلی آیتوں کے پیچھے پڑ جاتے ہو۔ حالانکہ سچے مسلمان دونوں کو اللہ کا کلام مانتے ہیں، یعنی مسیح کلمۃ اللہ تھے ابن اللہ نہیں تھے۔ تم کہتے ہو کہ جب قرآن اُن کے باپ کا ذکر نہیں کرتا تو خدا اُن کا باپ تھا۔ یہ بات غلط ہے، خدا میں قدرت ہے کہ عاقرہ کو ایک بڈھے آدمی سے بیٹا دے دے یا کسی عورت کو بلا شوہر کے اولاد دے دے۔ اصل زور خدا کی قدرت پر ہے اور اس بات پہ ہے کہ مسیح بن مریم تھے نہ کہ ابن اللہ۔

(۴) راسخون فی العلم | پکے علم والے مومن، یعنی جو اللہ کو مانتے ہوں اور اُس کے جملہ احکام پر عمل کرتے ہوں، خواہ وہ یہود ہوں یا دوسرے اہل کتاب ہوں (سورہ نساء ۲۲)

محکم و متشابہ کی بحث میں اس آیت کو ضرور سامنے رکھنا چاہیئے مطلب یہ ہے کہ پکے علم والے مومنوں کے لئے، خواہ کسی دین کے ہوں لیکن شیطانی ادیان کو نہ مانتے ہوں، وہ محکم اور متشابہ دونوں کی تاویلات کو جانتے ہونگے کہ کیوں یہ احکام یا دلائل یا معجزات دیئے گئے تھے،

(ج) تاریخی دشواریاں | قرآن کو تاریخی ترتیب سے نہ پڑھنے کی وجہ سے بہت سی غیر تاریخی چیزیں تفسیروں اور سیرتوں میں داخل ہو گئی ہیں، مثلاً

(۱) الرحمان | کے معنی بہت رحم کرنے والا لکھتے ہیں۔ حالانکہ قریش اس لفظ سے واقف نہ تھے اور اگر واقف تھے تو وہ یہ جانتے

تھے کہ نصاریٰ خدا کو "رحمانان" کہتے ہیں یمن کے کتبوں سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے
قریش کو اس تصور سے اتنی چڑ تھی کہ جب آنحضرت کا روئے سخن نصاریٰ کی طرف
ہوا، اور ہجرت حبشہ کے لئے خدا نے ہدایت کی، اور قرآن میں مسلسل رحمان اور مسیح
بن مریم کا ذکر آنے لگا، تو کفار کہنے لگے کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے (وقالوا ما الرحمان) کا
یہ نتیجہ ہوا کہ آنحضرت نے ہر مسلمان کو ہدایت کی کہ اگر اس کا نام کسی بت کی عبدیت
کی نسبت رکھتا ہے تو وہ اپنا نام بدل دے۔ اسمائے رجال میں بہت سے صحابہ
کا نام اسی لئے عبدالرحمان ہے خدا کے کسی اور نام سے نسبت نہیں ہے بدر میں
مہاجروں کا شعار یا بنی عبدالرحمان تھا صلح حدیبیہ اسی نام کی بدولت ٹوٹ
جاتی، اگر آنحضرت اُسے نہ مٹا دیتے۔ یہ جھگڑا فتح مکہ تک جاری رہا اس وقت
بھی مہاجروں کو بنو عبدالرحمان کر دیا گیا تھا۔ غرضکہ یہ اسم علم ہے اور اللہ کا مترادف
ہے اس کے معنی ضرور رحم سے مشتق ہیں، عبرانی زبان میں بھی رحم ہی اس کا مادہ ہے
لیکن قرآن نے بطور اسم ذات استعمال کیا ہے (قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن)۔

(۲) عزیر | ایک اسرائیلی نبی ضرور تھے۔ ان کے متعلق روایات ہے کہ انہوں نے گمشدہ توراۃ کو اپنی یادداشت سے پھر لکھوا دیا تھا اور بنو اسرائیل کی
قدیم تاریخ کو بھی مرتب کر دیا تھا۔ لیکن قرآن میں عزیر پرستی کا جو ذکر ہے وہ درحقیقت
اس زمانے کی بات ہے جب مصری غلامی سے چھوٹ کر اسرائیلیوں کو عبادت کا صرف
وہی طریقہ معلوم تھا جو مصر میں رائج تھا، وہاں بچھڑے کی پرستش ہوتی تھی اور اُسے عزیر
یعنی (OSIRIS) دیوتا کا مظہر سمجھتے تھے،

(۳) فتح مبین | صلح حدیبیہ جو ۶ھ میں ہوئی وہ فتح مبین نہیں ہے بلکہ بیعت رضوان، فتح مبین ہے جس سے ڈر کر مکہ والوں نے ہتھیار ڈال دیئے
اور صلح کے لئے اپنے شہر کے دروازے پر مجبور ہو گئے۔ اور پہلی دفعہ مسلمانوں کی ایسی

جماعت تیار ہوئی جو منافقین سے پاک تھی۔

(۴) مَلِک نہ کہ مالک | تاریخ سے ثابت ہے کہ دنیا میں خدا کا یہ تصور تھا کہ وہ آسمان کا بادشاہ ہے قرآن نے بتایا کہ وہ کل کائنات کا بادشاہ ہے، یعنی مَلِک ہے۔ یہی قرأت امام مالک کی بھی ہے۔

(۵) الہنا والٰہکم الٰہ واحد | یہودیوں سے کہا گیا کہ جو تمہارا خدا (یعنی یہوا) ہے وہی ہمارا اللہ ہے، یہودیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا وہ یہوا کو اپنا قومی خدا سمجھتے تھے یہاں یہ ترجمہ کہ خدا واحد ہے درست نہیں۔

اسی طرح کی بہت سی دشواریاں ہیں جو ترتیب تنزل کی روشنی میں خود بخود حل ہو جاتی ہیں اور ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن ایسی تعلیم ہے جو نہایت مبین ہے۔

کتاب قرآن انسانی ہدایت کیلئے کافی ہے

احد کی لڑائی ۳ھ میں ہوئی تھی، اس میں مسلمانوں کو سخت شکست کا سامنا ہوا تھا۔ کفار نے ستر مسلمانوں کو شہید کر کے مثلہ کر دیا تھا، خود آنحضرتؐ زخمی ہوگئے تھے، اور بمشکل انہیں اٹھا کر حفاظت کی جگہ پہ بچایا گیا تھا۔ اس سلسلے میں آپؐ نے زبانِ وحی سے فرمایا:۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم؛ ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا و سیجزی الله الشاکرین۔ (آل عمران ۱۴۴)

محمدؐ بھی ویسے ہی رسول ہیں جیسے رسول پہلے گذر چکے ہیں اگر وہ مرجاتے یا قتل ہوجاتے تو کیا تم دین اللہ سے پھر جاتے؟ بہرحال اگر کوئی پھر جاتا تو اللہ کا کوئی نقصان نہ ہوتا اور جو شکرگزار (مومن باللہ) ہیں انہیں اللہ جزا دے گا،

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) کیا اسلام کی تعلیم احد سے پہلے ختم ہوچکی تھی؟ اور (۲) کیا یہ تعلیم وہی تھی جو پہلے رسول دے چکے تھے؛ لیکن یہ بھی سوال کیا جاسکتا ہے کہ دشمنانِ رسولؐ نے آپؐ کو ہجرت سے پہلے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی تو کیا اسلام ہجرت سے پہلے آچکا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک آچکا تھا ہجرت سے پہلے ہی نہیں، بلکہ شعب ابی طالب میں سنہ نبوی سے پہلے، بلکہ یہ یوں کہنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ کے ذریعے جو

اسلام دنیا میں آیا وہ غارِ حرا کی پہلی وحی میں آ چکا تھا، اور آنحضرت نے بعد کے زمانے میں مختلف قوموں سے اُس کی تشریحیں کیں، ورنہ پیغام یہی تھا کہ اللہ کو مانو اور غیر اللہ کے آگے نہ جھکو، وہی خالق ہے وہی آقا ہے، وہی علیم ہے شیطان یا شیطان کے بندوں کو نہ تو کسی طرح کا خدائی علم ہے نہ وہ خدا کی طرح خالق ہے۔ پورا قرآن اسی پیغام کی تشریح ہے،

پھر "الیوم اکملت لکم دینکم" سے کیا مراد ہے؟ ظاہر ہے کہ "لکم" سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین قدیم یعنی اسلام کے نئے ماننے والے بنے، ورنہ دوسری قوموں میں رسول آ چکے ہیں، ان کے لئے وہی تعلیم کافی تھی، اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم ہے، کہ پرانے نبیوں کی تعلیمات پر قرآن کی روشنی میں تحریفوں سے پاک کرکے عمل کرو، تو یا پہلی وحی کے بعد آنحضرتؐ کی وفات ہو جاتی تو ہم دینی معاملات میں پرانی اللہ کی کتابوں سے ہدایت لیتے، یہی حکم یہود کو دیا گیا کہ توراۃ کے مطابق حکم کرو (یا اہل الکتاب لستم علیٰ شیئٍ حتیٰ تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل علیکم من ربکم۔

اسی طرح ہر کتابی کو حکم ہے کہ اللہ کو مان کر اپنی کتاب پر عمل کرے اور خود آنحضرت کو یہی حکم دیا گیا کہ خدا پرستی کے دین قدیم پر عمل کریں، ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین ٥ (النحل ۱۶)

یعنی اصل تعلیم قرآن خدا پرستی ہے اور اسی لئے اہل کتاب کو توحید کلمہ کی دعوت دی گئی (قل یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواءٍ بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ (اٰل عمران ۶) ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الفاسقون)

سب دین سچے ہیں لیکن کسی دین کے پروہت سے پوچھو یہی کہے گا کہ ہمارا دین بھلائی کا رستہ بتاتا ہے، لیکن جب

ان سے قرآن کی زبان میں یہ کہو کہ آؤ ہم سب مل کر اس رستے پر چلیں جس میں ہم سب متفق ہیں، (تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ) تو حقیقت کھل جاتی ہے اور وہ جماعتیں جو عوام کے جسم و دماغ پر قابو پا چکی ہیں اور انہیں اپنی جاگیر بنا چکی ہیں وہ آڑے آجائیں گی اور فلاح انسانیت کے متفقہ اور متحدہ پروگرام سے لوگوں کو روکنے لگیں گی، اس وقت آپ قرآن کا صحیح مطلب سمجھیں گے کہ وہ کیوں کہتا ہے کہ اگرچہ سب دین سچے تھے لیکن اس دین کے پروہتوں اور پوپوں نے اس میں تحریف کر دی ہے، یعنی جو اس کی صحیح جگہ سے تھی، وہاں سے اسے ہٹا دیا ہے اور اپنی غرض کے لئے اس کی تفسیریں لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ ہے (یکتبون الکتاب بایدیھم) مثلاً پروہتوں اور ساحروں یا پوپوں اور دستوروں کا فائدہ اس میں تھا کہ لوگ صرف ان کے ذریعے سے دیوتاؤں کو خوش کریں بلکہ خود ان ہی کو دیوتا یا ابنا اللہ سمجھنے لگیں تو انہوں نے قربانی اور ساحری، طب اور پوجا کرنے کے طریقے صرف اپنی جماعت کا راز بنا لئے۔ اب جو شخص قربانی کرے یا نذر نیاز دے وہ انہیں دے یا دیوتاؤں سے سفارش کرائے تو ان کے ذریعے سے کرائے یا غیب کی بات پوچھے تو وہ بتائیں۔ سفر کا دن، بچے کا نام، مکان بنانے کا دن، کسی نئے کام کی ابتدا، جنگ کے لئے روانگی، دربار کا وقت، غرضکہ زندگی سے موت تک کے اعمال اور مرنے کے بعد روح کو آرام یا نجات دینے کے اعمال اور صدقے، بیوہ کی زندگی کے طریقے، مردے کی جائداد کے دیوتاؤں کے نام پر چڑھے سب پروہتوں اور جوتشیوں کی خودساختہ ترکیبوں اور فریبوں پر منحصر تھے۔ اگر ان پروہتوں کی ملتوں کو مٹا دیا جائے تو دین حقیقی کی نکھری ہوئی صورت سامنے آجائے۔

آب شمشیر شہادت شست گرد اختلاف ✣ گبر و ترسا و مسلمان کشتر یک خنجر زند (ملک قمی)

قرآن مہیمن ہے

قرآن یہ نہیں کہتا ہے کہ حقیقتاً یہ دین جھوٹے تھے وہ کہتا ہے کہ پروہتوں نے سچائی (کتاب اللہ) پر پردے ڈال دئے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ ہر دین سچا ہے، بشرطیکہ ان میں سے پروہتوں کی تحریفوں کو نکال دیا جائے، وہ تحریفیں کیا ہیں؟ قرآن نے مختلف اقوام کی طرف روئے سخن کر کے ان سب کو ایک ایک کر کے بتا دیا ہے اور اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ جس طرح او خدا پرستی سکھانے والی کتابیں (تعلیمیں) ہیں اسی طرح قرآن بھی ایک تعلیم (کتاب) ہے یہ اُن تعلیمات میں جو تحریفیں کی گئی ہیں ان کو بتایا ہے یعنی یہ اُن کتابوں پر مہیمن (نگہبان و حامی) ہے اور جن باتوں میں اہل کتاب (پروہتوں اور جبروں) نے اختلاف پیدا کر دیا ہے ان کو ظاہر کر دیتا ہے، ہم اختصار کے ساتھ ان اختلافات کو درج ذیل کر دیتے ہیں لیکن قرآنی نظریہ دو بارہ واضح کر دیتے ہیں کہ جن دینوں میں کل انسانیت کی فلاح پیش نظر نہ ہو وہ محرف ہیں اور ان تحریفوں کے علاوہ جتنی بھی جزئیات ہیں اُن میں ہر قوم کو اختیار ہے کہ اپنے لئے جو قوانین یا اصول حیثیت چاہے اختیار کرے۔

مشرکین مکہ اور اہل کتاب

قرآن نے کتاب یعنی قانون علم یا تہذیب استعمال کیا ہے (کتب علیکم الصیام وغیرہ) اور اکثر مقامات پر آسے اُمّی کے مقابلے میں استعمال کیا ہے یعنی وہ قوم جس کے پاس کوئی خدائی دستور العمل نہ ہو بلکہ وہ اپنے فطری ماحول میں ایک لا قانونی اور غیر مہذب زندگی بسر کرتی ہو۔ اسی واسطے زمانہ جاہلیہ اُس زمانے کو کہتے ہیں جس میں جہل بمقابلہ حلم یعنی اکھڑپن بمقابلہ سلامت روی کے عام تھا۔

وبعض الحلم عند الجهل للذلة اذعان) (حماسہ)

گویا جہل و امیت دونوں حلم و تہذیب کے اضداد ہیں اسی لئے قریش مکہ کو جب قرآن نے مخاطب کیا تو یہی کہا کہ تم میں علم و شائستگی سکھانے والا آج تک کوئی نہیں آیا، حتیٰ کہ محمد عربی بھی اسی قوم میں ایک اُمی کی حیثیت سے پیدا ہوئے اور وہ تم کو علم و حکمت سکھاتے ہیں (یعلمھم الکتاب والحکمۃ)۔ ان سرکش اور اکھڑ لوگوں کے مقابلہ میں دنیا بھر میں حلیم و متمدن قومیں موجود تھیں، اور ان کے پاس قوانین معاشرت موجود تھے۔ اسی لئے انہیں اہل کتاب کہا گیا۔ لیکن ہر ملک کے قانون یافتہ مذہبی یا سیاسی گروہ نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے مساوات انسانی کے نقشے میں ایسے رنگ بھر دئے تھے جن سے اصل دین تاریکی میں پڑ گیا تھا۔ لہٰذا مختلف اقوام سے قرآن نے ان کی تحریفوں اور اختلافات عن دین اللہ کو اسی طرح بیان کیا:۔

مشرکین سے خطاب: اللہ کو مانو اور ثمرۂ عمل کو پیش نظر رکھو

تم خود جانتے ہو کہ یہ دیوی دیوتا تم نے گڑھ لئے ہیں۔ جب تم سمندر میں ہوتے ہو اور یہ بت خانے وہاں نہیں ہوتے تو تم خود اللہ کو پکارتے ہو، لہٰذا اُسی اللہ کو مانو۔ یہ بات سن کر بہت سے غریب اور غلام مسلمان ہو گئے، لیکن مالداروں اور سیدمتوں، ساحروں اور جوتشیوں نے بالاتفاق (الا ماشاء اللہ) اس دین کی مخالفت کی۔ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ ظلم و سرکشی کا نتیجہ اچھا نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس زندگی میں بچ گئے تو مرنے کے بعد پیدا کئے جاؤ گے اور اپنے کئے کی سزا پاؤ گے۔ مشرکین کہنا سے بھی نہ مانا، اور بعث بعد الموت اور خدا کے آخری فیصلے کے تصور کا مذاق اڑانے لگے بہرحال ان کے پاس چونکہ کوئی پرانی تعلیم (کتاب) نہ تھی لہٰذا آنحضرتؐ نے اس بات کو ظاہر کر کے خاموشی اختیار کر لی کہ اگر تم نے اس تصور کو قبول نہ کیا کہ

خدا تمہیں دوبارہ پیدا کر کے سزا دے گا۔ تو تم تاریخ پر نظر ڈالو اور دیکھو ہر وہ قوم جو ظالم اور بدعمل ہوتی ہے تباہ کردی جاتی ہے،

یہود سے اختلافات کا ذکر

اے بنو اسرائیل تم اسحٰق بن ابراہیم کی اولاد ہو۔ عرب میں تمہارے بھائی اسمٰعیل بن ابراہیم کی نسل کے لوگ بستے ہیں۔ ابراہیمؑ نے خالدیہ کے بعل (سورج) پرستوں اور نجومیوں کے دین کو چھوڑ کر سب کے خالق اللہ کی بندگی کو اپنی زندگی پر ترجیح دی۔ اسرائیل کی اولاد میں جتنے رسول اور بادشاہ پیدا ہوئے وہ سب اللہ کو کل قوموں کا اللہ مانتے تھے۔ آؤ ہم تم مل کر اسی کی بندگی کا اعلان کریں یہود نے کہا کیا خوب! ہم اسحٰق کی نسل سے ہیں۔ خدا نے ہماری قوم سے کئی معاہدے کئے ہیں کہ ہم کو دنیا بھر میں سربلند کرے گا۔ ہم اس کے چہیتے بیٹے ہیں۔ بھلا تم اور ہم اس کی نظر میں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ جو تمہارا اللہ ہے وہی ہمارا یہوا ہے۔ یہ غلط ہے (الھنا والھکم الہ واحد)۔ ہمارا یہوا ہمارے بارہ قبیلوں کا ہی خدا ہے وہ تمہارے اللہ سے زیادہ طاقتور اور مضبوط ہے۔ ہم تم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم کتاب اللہ (توراۃ) میں تحریف کرتے ہو۔ اس میں لکھا ہے کہ آدم مٹی سے بنے تھے، اس لحاظ سے کل انسان برابر ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ خدا کو وہی پیارا ہے جو نیکوکار (متقی) ہو لیکن تم لوگوں کو قرض دے کر ان کا مال باطل طریقوں (سود) سے کھاتے ہو پھر قرضے میں ان کو غلام بنا کر انسانی مساوات کو ختم کردیتے ہو۔ یہ بات بھی توراۃ میں نہیں ہے۔ تم دیکھ لو کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ بنو اسماعیل سے وہ مسیح (فارقلیط) پیدا ہوگا جو دنیا میں اہل کتاب کی حکومت قائم کرے گا۔ لیکن تم مجھے وہ آنے والا بادشاہ بھی تسلیم نہیں کرتے یہ تمہارا قصور نہیں تمہارے حبروں اور نام نہاد ربانیوں کا

کام ہے کہ وہ تمہیں حقیقی اسلام سے روکتے ہیں یہ وہ اسلام جو ابراہیمؑ نے بتایا تھا کہ اللہ کو سب کا اللہ مانو، کسی خاص قوم یا قبیلہ کا خدا نہ مانو۔

مسئلہ شفاعت اور یہود | پھر تم نے پروہتوں کی ایک ذات بنالی ہے، جو ہوا سے سفارش (شفاعت) کرتی ہے، بھلا اس سے کوئی کیا سفارش کرے گا! اصل میں تم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہو کہ خدا کو قربانی کا خون اور گوشت پہونچتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تم رقمیں وصول کرکے قوانین الہیہ کو دولت مندوں کے مفاد کے لئے استعمال کرتے ہو اور اس دنیا میں مزے اڑاتے ہو یاد رکھو کہ مرنے کے بعد اس کے بدلے جہنم میں جاؤ گے۔ اس کے جواب میں فریسی (جو یہودیوں کی غریبوں کی جماعت تھی) تو چپ رہے۔ لیکن صدوقی جو یونانی فلسفہ پڑھ کے توراۃ کو بھول چکے تھے کہنے لگے کہ توراۃ میں بعث بعد الموت کا ذکر ہی نہیں اور بالفرض فریسیوں کے قول کے مطابق دوبارہ زندگی بھی ہوئی تو ہم تو خدا کے بیٹے ہیں ہم چند دن سے زیادہ جہنم میں نہ رہیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کو چھوڑنے ہی کا نتیجہ ہے کہ بار بار غلامی کی ذلت اور مسکنت میں مبتلا ہوتے ہو۔ خبردار ہو جاؤ اور سچائی کو جہاں بھی پاؤ لے لو۔ یاد رکھو کہ پروہتی اور سودخوری کی وجہ سے پہلے بھی بہت سی قومیں تباہ ہو چکی ہیں۔

نصاریٰ سے خطاب، کفارہ اور شرک | اے نصرانیو تم انصار اللہ ہو، انصار الشیطان نہ ہو۔ تم میں سینکڑوں فرقے بن گئے ہیں ان اختلافات کو مٹاؤ۔ میں بھی انصار اللہ ہوں آؤ سب مل کر اللہ کا بول بالا کریں۔ تم میں سے بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے جوڑ بیٹے ہیں یہ درست نہیں ہے اس کا کوئی کفو یا ہمسر نہیں ہو سکتا۔ تم عیسیٰ بن مریم کو ایک عورت کا بچہ بھی کہتے ہو پھر خدا بھی مانتے ہو۔ دیکھو وہ ہی دقیوم ہے لیکن تم کہتے ہو کہ خدا مسیح کو چند

یہودیوں نے صلیب دلوادی۔ اور یہ صلیب خدا کی مرضی سے دی گئی تاکہ وہ اپنے بیٹے کے خون کو دیکھ کر خوش ہو اور تمہارے گناہ معاف ہوں۔ وہ گناہ جو تمہارے مورث اعلیٰ آدم نے کیا تھا کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا تھا۔ ذرا سوچو تو دوسرے شخص کو قتل کرنے سے تمہارا گناہ کیسے ہلکا ہو سکتا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے اعمال کا ذمہ دار نہیں (ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ) (من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیھا وما ربک بظلام للعبید ٭ حم سجدہ (۶)

مسیح بن مریم نیکوکار انسان تھے، لیکن وہ انسان تھے خدا نہ تھے، انسان کی حیثیت میں انھیں استعارۃً بھی ابن اللہ نہ کہو، ورنہ لوگ اس کے لغوی معنی سمجھنے لگیں گے ورنہ ہر زبان میں ایسے محاورے ہیں کہ اچھے کو اللہ والا اور برے کو شیطان یا شیطان کا بچہ کہتے ہیں، اور مقصد صرف نسبت ہوتی ہے، حقیقت نہیں ہوتی، مثلاً عربی میں ابن الوقت (زمانہ ساز) ابن الشرق (یورپ کا باشندہ) بنت شفہ (ہونٹوں کی بیٹی: بات) بنت عنب (دختر رز، شراب) ابولہب (آگ کا باپ، شعلہ رو) ابوجہل (نہایت احمق) ابونظارہ (عینک والا) ___ امّ الشئ (کسی شے کی اصل) امّ القریٰ (مکّہ) امّ عامر (بجّو) وغیرہ کا استعمال لغوی معنوں میں نہیں ہوتا۔ لغت عرب اس طرح کے محاورات سے بھری پڑی ہے اور دوسری زبانوں میں بھی ابن و امّ وغیرہ کی نسبتوں سے محاورے بن گئے ہیں، لہٰذا یہ سمجھنا کہ مریم اللہ کی جورو تھیں اور اللہ شوہر تھا نعوذ باللہ الوہیت کی توہین اور محاورۂ زبان کے نہ سمجھنے کی دلیل ہے۔ اللہ لاشریک ہے۔ کفارہ دوسرا نہیں دے سکتا، لہٰذا کسی دوسرے کی قربانی سے تمہارے گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ تم نے رہبانیت کی بدعت شروع کر دی ہے، اور جو عورتیں راہبہ بن جاتی ہیں انہیں اللہ کی جورو ملنتے ہو۔ اور چونکہ مسیح کو اپنی دنیوی

زندگی میں نکاح کرنے کا موقع نہیں ملا اس لئے تم بھی راہب بن کر ترک دنیا کو شعار بنانے لگے۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ اعتدال سے ہٹی ہوئی باتیں ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ خدا نے جو قوی دے ہیں ان کا صحیح استعمال نہ کیا جائے۔ اور دنیا میں رہ کر بحیثیت ایک محنتی اور دنیادار انسان کے زندگی بسر نہ کی جائے دین کا مقصد ہی یہی ہے کہ دنیوی زندگی کی اصلاح کرو، امن قائم رکھو اور خدا پرستی کے ذریعہ دنیا کو ترقی دو۔ بات یہ ہے کہ دین کا غلط تصور ہی تم کو تاریکی میں ڈالے ہوئے ہے اگر تم اللہ کو اللہ مانو، اُس کا کسی کو شریک نہ بناؤ، تو یہ راز تم پر کھل جائے گا کہ انسان انسان سب برابر ہیں۔ ان میں کسی راہب یا پوپ، یا کلیسا کو یہ حق نہیں ہے کہ لوگوں کی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے انجیل کو اور مسیحی تعلیم کو اپنی جاگیر بنالیں، اور دنیا کو سچائی تک پہونچنے کا موقع نہ دیں۔

(نوٹ:۔ بہرحال ہوا یہ کہ جب مسلمانوں نے کاغذ ایجاد کیا اور یورپ پہونچ کر علم کو عام کیا اور فلسفہ وحکمت کے دروازے اُسی کی زبان میں اور کہ لاطینی و یونانی میں، ہر شخص کے لئے کھل گئے تو نصرانی یورپ میں انقلاب کا دروازہ کھل گیا اور جو پروٹسٹنٹ فرقہ آنحضرتؐ پیدا کرنا چاہتے تھے وہ علم کے عام ہونے سے خود بخود پیدا ہو گیا)

مسیحی خدا اور شفاعت بابل کے قید کے زمانے میں یہودیوں نے اپنی تاریخ مرتب کی تھی، اور اپنی قوم کو زندہ کرنے کے مقصد سے انھوں نے بابل کے سینکڑوں بعلوں (خداؤں) کے مقابلے میں اپنا ایک مخصوص خدا بنالیا تھا، جو دوسری قوموں کے خداؤں کے مقابلے میں زیادہ طاقتور تھا اور دنیا کی سب قوموں سے زیادہ اس یہوا کو یہودی قوم

پسند تھی ،

جب حضرت مسیح کے بعد رومی شہنشاہیت سے پسے ہوئے لوگوں اور یونانی شہر اسکندریہ کے یہودی فلسفیوں نے مسیح کے تصور کو ابھارا تو ان کا بھی یہی خیال تھا کہ مسیح (یعنی یہودی قوم کی سلطنت کو دوبارہ قائم کرنے والا بادشاہ) درحقیقت انسان نہیں بلکہ دیوتا یا خدا ہوگا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس دنیا میں (بقول مجوس کے) اہرمن کی بادشاہت ہے اور یزدان (یعنی یہوا) آسمان پر حکومت کرتا ہے۔ اس لئے جب مسیحیوں نے اپنی دعائیں تصنیف کیں تو ان میں یہی تصور باقی رہا کہ اے خدا جو آسمان پر ہے ، کاش تیری حکومت اس شیطان آلود زمین پر بھی جلد قایم ہوجائے اور مسیح یہاں آکر تیری بادشاہت قایم کردے۔

قرآن نے یہ بتایا کہ یہ تصور بھی ، شفاعت کے تصور کی طرح غلط ہے۔ ہر شخص جس طرح پیغمبر، پروہتوں اور کلیسا کی مدد کے خدا سے اپنے گناہوں کو معاف کرا کر نیک عملی کی زندگی اختیار کرسکتا ہے اور کفارے اور سفارش کے تصور کو چھوڑ سکتا ہے ، اسی طرح اُسے معلوم ہونا چاہیئے ، کہ خدا صرف آسمان پر نہیں ہے وہ ہر جگہ ہے اور براہ راست تم اُس سے مدد مانگ سکتے ہو اس کی حکومت آسمانوں پر بھی ہے اور زمین پر بھی وہ ہر جگہ کا بادشاہ ہے ،

وسع کرسیہ السماوات والارض ۔ واللہ من ورائھم محیط ، ھو الاول۔ ھو الاخر ھو الظاھر ھو الباطن ، وھو علی کل شئ قدیر)

مجوس سے خطاب "دو خدا نہ مانو" قرآن میں مجوس سے وہ قوم مراد ہے جو آنحضرت کے زمانے میں آتش پرست کہلاتی تھی ، اور مشہور تھا کہ وہ دو خداؤں (یزدان و اہرمن) کی پرستش

کرتی ہے، لیکن اصل میں مجوس وہ قدیم پروہتوں کی جماعت تھی جو میدیہ (آذربائیجان) میں کئی ہزار برس پہلے، بحر اخضر کے کنارے آباد تھی اور قدیم آرین زبان بولتی تھی۔ یہ زبان اوِستہ بھی کہلاتی ہے اس لئے کہ اس میں اوستہ (علم ودیا یا قانون زندگی) ہے، ویدا اور اوِستہ (آ۔ ودا) دونوں ایک قدیم زبان سے نکلے ہیں اور دونوں کے معنی علم یا قانون (زندگی و پرستش) کے ہیں اوِستہ کو زرداشتر (جنھیں مسلمان حضرت ابراہیم زدشت کہتے ہیں) تصنیف کیا تھا اوران کا زمانہ مسیح سے تقریباً پندرہ سو سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔

قرآن میں مجوس کا لفظ ایک ہی مرتبہ آیا ہے، جہاں ان سے کہا گیا کہ مومنوں کا ایک خدا پر ایمان لانے کے مسئلہ پر تمہارا فیصلہ قیامت کے دن خدا ہی کرے گا۔ تم کو چاہیئے کہ دیکھو زمین آسمان پر کوئی ایسی چیز نہیں، حتیٰ کہ شمس جس کی تم پرستش کرتے ہو وہ بھی خدائی قانون کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے (ان الذین آمنو والذین ھادو.... الحج - ۲) یہ بات آنحضرت نے بعد ہجرت کہی ہے، اس سے پہلے دو خداؤں کی اطاعت سے روکا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ یزدان و اہرمن دونوں کی پرستش نہ کرو۔ تم اہرمن سے ڈرتے ہو اس لیے اُسے بھی خوش کرنا چاہتے ہو، یہ بات درست نہیں۔ صرف یزدان سے ڈرو اور دیکھو کہ ہر مخلوق خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان، خدائی قانون پر چلتی ہے۔ اُسی کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے شیطان پرستی یعنی خدا کے قانون کی مخالفت نہیں کرتی۔ (وقال اللہ لا تتخذوا الھین اثنین۔ انما ھو الہ واحد فایای فارھبون - النحل)

(نوٹ!) یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ قرآن میں صرف ایک جگہ الٰہین یعنی دو خداؤں کا ذکر آیا ہے لیکن وہاں صاف کہہ دیا ہے کہ عیسٰی اور ان کی ماں

مریم کو جو لوگ خدا مانتے ہیں وہ غلط روی کر رہے ہیں اس لئے یہ آیت مجوس سے متعلق نہیں۔ (یا عیسیٰ بن مریم ا انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ ؟ المائدہ ۱۶)

مجوس اور شفاعت جس طرح مشرکین مکہ اپنی دیویوں کو اللہ کی بیٹیاں کہہ کران کی پرستش کرتے تھے، اسی طرح مسیحی حضرت عیسیٰ بن مریم اور خود حضرت مریم کو خدا مان کران سے دعائیں کرتے اور خدا باپ سے سفارش کراتے تھے۔ بالکل اسی طرح ایران کے مذاہب میں فرشتوں اور دیووں (اچھی روحوں اور بری روحوں) کو یزدان واہرمن سے سفارش کرنے والا سمجھتے تھے۔ دوسری قوموں میں جبرادیہ مت بھی خدا کو اور شیطان کو خوش کرنے اوران سے مختلف کام لینے کے طریقے جانتے تھے۔ اور خود سفارشی یا شفیع یا ابن اللہ کہلاتے تھے۔ مجوس سے بھی قرآن نے یہی کہا ہے کہ صرف اللہ کو مانو جو خیر وشر دونوں کا خالق ہے نہ شیطان کچھ کرسکتا ہے نہ اس کے دیوا س سے سفارش کرکے اس کی بدی کو کم کرا سکتے ہیں اور فرشتوں اور پروہتوں کو بھی یہ حق نہیں کہ خدا سے سفارش کرکے کچھ کرا سکیں یا ایک شخص کے عمل سے دوسرے کا بوجھ ہلکا ہوسکے۔ غرضکہ ہر قوم سے شرک کو ترک کردینے کے لئے اس لئے کہا جاتا تھا کہ لوگ ان شرکار اوران کے پروہتوں کو خدا اور شیطان کے یہاں سفارشی سمجھتے تھے۔ قرآن نے جہاں شرک کو ختم کیا وہاں شفاعت یا سفارش کے مسئلے کا بھی خاتمہ کردیا۔ اب عقل انسانی آزاد تھی۔ اور صرف خدا یعنی منبع خیر وخوبی، نور ومحبت کی طرف رجوع کرسکتی تھی۔

آنحضرتؐ نے سوائے اس تعلیم کے مجوس کو اور کوئی تعلیم نہیں دی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر صرف اہورمزدا (اچھے خدا کی) پرستش شروع ہوجائے تو وہ حضرت

زردُشتر کی سچی اور قدیم تعلیم کو اپنا اصل الاصول قرار دے لیں گے۔ اور جب خورشید پرستی (اور آتش پرستی) ختم ہو جائے گی تو دنیا میں پروہتوں کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ جب خدا ہی کو خالق خیر و شر مان لیا جائے گا تو اس کی ضرورت بھی نہ رہے گی کہ شیطان کو خوش کرنے والے ساحر اور پروہت دنیا میں خودغرضی اور عدم مساوات پھیلائیں۔ اور انسانوں میں اونچ نیچ پیدا کریں۔

حیرت ہوتی ہے کہ زردُشتر کی تعلیم بھی بالکل یہی تھی کہ خدا واحد ہے۔ اسی نے خیر و شر کو پیدا کیا ہے۔ مرنے کے بعد زندگی ہوگی۔ خدا پرستوں کو جنت اور اہرمن پرستوں کو دوزخ ملے گی۔ زردُشتر نے یہی فرمایا کہ انسانی فلاح و بہبود کا دروازہ افکار نیک، گفتار نیک اور کردار نیک سے کھلتا ہے۔ ان کی بھی مخالفت تینیبی پروہتوں ساحروں اور شاعروں نے اسی طرح کی تھی جس طرح دو ہزار سال بعد مکہ کے دولت مند بجاریوں، کاہنوں اور شاعروں نے اپنا وقار جاتے دیکھ کر آنحضرت کی کی تھی۔ گاتھا میں بار بار کویوں (شاعروں) اور کرپانوں (پروہت ساحروں) پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہی لوگ شیطان پرستی کراتے ہیں۔ خود زردُشتر نے تین شادیاں کیں اور ہمیشہ مضبوط قوم بنانے کے لیے کثیر العیالی کی تعلیم دیتے رہے۔ انھوں نے نہ صرف رہبانیت اور سنیاس کی برائی کی، بلکہ یہ بتایا کہ روزے رکھ کر جسم کو کمزور نہ کرنا چاہیئے۔ جسمانی تندرستی اور جسمانی پاکیزگی سے خیالات میں صحت اور پاکیزگی پیدا کرنا چاہیئے۔ پھر بالکل آنحضرت کی طرح یہ فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ میں ہی پہلا شخص ہوں جس پر یزداں نے وحی کی ہے، مجھ سے پہلے بھی مزدا پرستی (اسلام) کی تعلیم دینے والے آ چکے ہیں۔ مثلاً قدیم ترین زمانے میں جمشید تھے (ویدوں میں انھیں یم کہا ہے اور بتایا ہے کہ یہ پہلے انسان تھے۔ جب یہ دنیا جنت تھی، سب جوان

تھے، لیکن آخر میں جمشید تکبر کرنے لگے اور نبوت چھن گئی، (دیکھئے قصہ آدم در توراۃ) ان کے بیٹے فریدوں پر سچے مذہب یعنی اسلام کی وحی ہوئی، انہوں نے ایران کو ضحاک کے مظالم سے نجات دلائی، گویا سلطنت بھی خداپرستی کا ایک راستہ ہے (دیکھئے حالات حضرت موسیٰ و فرعون در توراۃ) فریدوں کے بعد پھر بیا پر سچا دین ظاہر ہوا یہ رستم کے بزرگوں میں سے تھے اور آخر کار زرد اشت پر وحی الہٰی نازل ہوئی کہ افکار گفتار اور کردار کو درست کرلینا ہی خداپرستی کا راستہ ہے،

مرور زمانہ سے اوستا کا بہت کچھ حصہ ضائع ہوگیا، سکندر کی فتوحات کے زمانے میں اوستا سونے کے حرفوں میں بارہ ہزار بیل کے چمڑوں پر لکھی ہوئی موجود تھی، اب اس کے چند حصے قدیم آرین زبان میں، ان کی تفسیر ژند میں اور بعض ترجمے پہلوی میں موجود ہیں۔ آنجی تیل، تیبیگل، ڈارمسٹیٹر اور دوسرے یورپین محققوں نے ویدک سنسکرت کی مدد سے ترجمہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے، وندیداد (ویدیوداتا) میں شیطانوں کو بھگانے کے منتر اور چند قوانین ہیں، وسپراد اور یسنا (جشن) مثل یا فی یا جشن (یجشن، یگیہ) کرنے کی دعائیں اور منتر ہیں یہ گویا برہمنوں کی یجر وید ہے۔ یسنا کے آخر میں پانچ گاتھا (گیت) ہیں جو اوستا سے بھی پرانی زبان میں خدا کی حمد پر مشتمل ہیں،

افسوس ہے کہ مزدیسنائی دین ایک تبلیغی دین نہیں رہا۔ اور اس کے پروہت بھی حقیقی علم سے ناآشنا ہوگئے ہیں، وہ دعائیں تو پڑھتے ہیں، لیکن مطلب نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ لفظوں میں اتنی تحریف ہوگئی ہے کہ خورشید کو کرسیٹ، نوروز کو نورو وغیرہ کہنے لگے ہیں۔

صابیوں سے خطاب:- اللہ، الیوم الآخر، عمل صالح:- یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ تین جگہ

قرآن نے صابیوں کا ذکر کیا ہے۔ ترتیب نزول قرآن کے اعتبار سے پہلے سورہ بقرہ (۸) میں صابیوں کا ذکر ہے اور کہا ہے کہ مسلمان، یہودی، نصاری صابی اور دوسرے لوگ جو مومن ہوں اور یوم آخر کو مان کر نیک عمل کریں انہیں اللہ اجر دے گا اور انہیں اللہ خوف وحزن نہ ہوگا۔ دوسری سورہ حج کے دوسرے رکوع میں مجوس اور مشرکین کا بھی ذکر ہے اور کہا گیا ہے کہ ان سب کے درمیان قیامت کے دن اللہ فیصلہ کرے گا اس میں اجر ملنے اور خوف وحزن سے بچاؤ کا ذکر نہیں بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر وعید ہے کہ یوم آخر اور نیک عمل کو چھوڑنے کی سزا ملے گی۔ پھر تیسری سورہ المائدہ کے نویں رکوع میں بالکل وہی آیت ہے جو سورۃ بقرہ میں ہے لیکن یہ جملہ (فلھم اجرھم عند ربھم) ان کو اللہ اجر دے گا) محذوف ہے اور مجوس ومشرکین کا ذکر نہیں ہے۔

یہ صابی کون تھے؟ ان کے متعلق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کے ماننے والے تھے، زبور پڑھتے تھے، الکعبہ کو قبلہ مانتے تھے غرضکہ موحد تھے۔ مسلمانوں کی حکومت میں حرّان کے ایک گروہ نے، جو اپنا اصلی مذہب ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے اپنی جان بچانے اور اہل کتاب کی سی مراعات حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو صابی مشہور کر دیا تھا۔ یہ لوگ بابلی نجوم اور سحر سے بھی واقف تھے، لیکن درحقیقت وہ موحد صابی نہ تھے جنھیں قرآن موحد گردانتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ ہوں جو ہند سے یمن، یمن سے طائف اور وہاں سے مکہ آتے تھے، اور مسیح سے سینکڑوں سال پہلے سے تجارت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اپنے آپ کو برہما کی پوجا کرنے والے (برہمن) بتاتے ہوں اور عرب میں یہ مشہور ہو گیا ہو کہ یہ لوگ جو صابی کہلاتے ہیں ابراہیم کی امت سے ہیں یہ تو تاریخ سے ثابت ہے کہ کعبہ میں ابراہیم واسماعیل وغیرہم

ومریم کی تصویریں بھی تھیں۔ اس اعتبار سے عرب میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو بت پرستی پر ابراہیمی مذہب حنیف کو ترجیح دیتے ہوں اور سچے موحد اور خدا پرست ہوں۔ بہرحال ہم ان خدا پرست ادیان کا مختصر ذکر درج ذیل کر دیتے ہیں تاکہ جو لوگ تحقیق کرنا چاہیں وہ کر سکیں۔

(۱) دین ابراہیم حنیف

قرآن بار بار حضرت ابراہیم کو موحد اور خدا پرست کہتا ہے اور ابتدائی مکی قرآن میں توراۃ کے ساتھ صحف ابراہیم کا بھی ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو تعلیم توحید وغیرہ قرآن میں ہے وہی صحف موسیٰ میں بھی تھی۔ یہ صحیفے اگرچہ موجود نہیں ہیں، لیکن ایک یونانی کتاب جو دسویں یا نویں صدی عیسوی میں غالباً عبرانی سے ترجمہ ہوئی ہے موجود ہے، اسے یہودی "عہد نامہ ابراہیم" کہتے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں لندن کی ایک سائٹی نے جو کرسچین علم کو ترقی دینا چاہتی ہے، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کر دیا ہے

TESTAMENT OF ABRAHAM.

TRANSLATED BY MR. G. H. BOX. LONDON: THE SOCIETY FOR THE PROMOTION OF CHRISTIAN KNOWLEDGE (1927.)

(۲) آریہ قوم اور وید

ہندوستان کے اصلی باشندے دراوڑ تھے۔ ان کا موجودہ تمدن یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی زمانے میں بہت ہی اونچے تمدن اور مذہب کے پیرو تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ سی دین (SCYTHIAN) یا بابلی، یا تورانی نسل سے ہیں۔ اور ان ہی کو آریوں نے آسر (کالے دیو) کہا ہے اور اپنے آپ کو دیوتا (روشن اور سفید رنگ) مانا ہے۔ ان اقوام کی جو لڑائیوں کی کہانیاں موجود ہیں جنہیں دیو آسر سنگرام

(خداؤں اور شیطانوں کی لڑائیاں) کہتے ہیں۔ان میں بھوتوں کی پرستش، جادو منتر، جانوروں کی قربانی حتیٰ کہ انسانی قربانی کا بھی رواج تھا۔ ان لوگوں کے تجارتی تعلقات نوبتی، یونانی یہودی، شامی عیسائی اور عرب قوموں سے تھے۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ سمندری راستے سے یہ لوگ بھی ملا بار وغیرہ سے یمن اور یمن سے مکہ جاتے تھے۔

مسیحؑ سے کئی ہزار سال پہلے ہند میں وسط ایشیا سے آریہ قوم آنے لگی۔ان کا رنگ سفید تھا اور یہ قدیم اوستا سے ملتی جلتی زبان ویدک بولتے تھے۔یہی زبان منجھتے منجھتے سنسکرت (مہذب یا منجھی ہوئی زبان) کہلانے لگی۔ویدوں میں مسیح سے دو تین ہزار سال پہلے کی تصنیفات موجود ہیں۔ غالباً پہلے بہت سی ویدیں تھیں، لیکن اب صرف چار باقی ہیں۔ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مجوس کی طرح ان میں بھی سورج (خوریہ) پرستی، اگنی (آتش) پرستی اور عناصر پرستی رائج تھی۔وہ آتش و آب و باد و خاک سب کو دیوتا مانتے تھے۔ان میں ایک پرجاپتی یا برہما کا بھی تصور موجود تھا جسے وہ خالقِ کل کہتے تھے۔اور ان میں بعد کے زمانے کی طرح ذاتیں نہ تھیں۔ قبیلہ کا سردار ہی پروہت یا برہمن ہوتا تھا اور جنگ کے وقت سپاہی (چھتری) اور امن کی حالت میں ویش (تاجر و مزدور) ہوتا تھا۔لیکن ہند کے سیاہ فام اصلی باشندوں سے لڑتے لڑتے ان میں یہ تصور پیدا ہو گیا کہ رنگ کی بناء پر ہم دو قومیں ہیں، کالی قوم داس، (غلام) اور ملچھ یا کافر ہے، سفید قوم آقا اور سرداری کے لئے بنی ہے۔رفتہ رفتہ یہودیوں کی طرح نسلی اختلافات بڑھتے گئے اور آریہ قوم میں مختلف ذاتیں پیدائش پر منحصر ہو گئیں یعنی پجاری کی اولاد برہمن اور سپاہی کی اولاد چھتری پیدا ہونے لگی برہمن ذات

نے ایک خفیہ رسم خط برہمی ایجاد کرلیا اور ِدہ علم (ودّیا) کو صرف اپنا ورثہ سمجھنے لگے، اور قربانی کے کو جمع کر کے صرف برہمنوں کے ذریعے دیوتاؤں کو خوش کرنے لگے۔ اس وقت سے ہندی آریوں میں کمزوری بڑھنے لگی اور سیدلیوں، یونانیوں عربوں اور تاتاریوں نے اس منتشر قوم کو کئی بار فتح کرنے کی کوشش کی۔

لیکن جیسے دلیوں نے برہمنوں کی تعلیمات اور ان کے خود ساختہ تفوّق سے بار بار اختلاف کیا۔ اور بہت سے مصلح اور ہادی پیدا ہوتے رہے۔ ان میں سے بعض ویدوں کو مقدس مانتے تھے، بعض نہیں مانتے تھے اور بعض ان کے مخالف تھے۔ برہمن فلسفہ نے ان سب کو ملانے کی کوشش کی اور وحدت وجود کا تصوّر پیدا کیا۔ دنیا کی دماغی کاوشوں میں اس فلسفہ سے زیادہ بلند تصور ملنا مشکل ہے اسے ویدانت کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بام مارگیوں کا فلسفہ بھی قابل اعتنا ہے اور وہ انسانی کمزوریوں کا علاج بالمثل تجویز کرتا ہے بہرحال جہاں تک برہمن فلسفہ کا تعلق ہے اور جسے جین اور بدھ بھی مانتے ہیں وہ بعث بعد الموت اور جزائے اعمال (کرما) کی بنیاد پر قائم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو کوئی اچھا یا بُرا عمل کرے گا اُسے اس کا ثمرہ ضرور ملے گا۔ وہ دوبارہ پیدا کیا جائے گا (تناسخ یا آواگون) اور اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے گا۔ اسی تصوّر کو سامنے رکھ کر مختلف بزرگوں نے ہندوؤں کی اصلاح شروع کی مثلاً:۔

رام رام نے (جو چھتری تھے) یہ تعلیم دی کہ نجات کا طریقہ یہ ہے کہ جو عہد کیا جائے وہ ہر حال میں پورا کیا جائے۔ جان جاتی رہے مگر وفائے عہد کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اسی میں انسانیت کی نجات ہے

انکی کہانی رامائن میں ہے۔

کرشن | کرشن نے بتایا کہ ظلم کا مقابلہ کرنا ہی انسان کا فرض یا دھرم ہے اگر باپ بھائی استاد بھی ظالم کے ساتھی ہوں تو نہیں قتل کرو۔ان کی تعلیمات کو ایک شاعر نے نظم کرکے بھگوت گیتا (نغمۂ خداوندی) میں جمع کردیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "جو صرف میری پرستش مجھے لاشریک مان کر کرتے ہیں ان متوازن اشخاص کو میں مکمل سلامتی بخشتا ہوں" (مکالمہ ۹ شعر ۲۲)۔ پھر ذات پات کو مٹانے کے لئے اور برہمنیت یا یہودیت کے تفاخر نسلی کو ختم کرنے کے لیے لکھا ہے کہ "جملہ مخلوقات میری نظر میں یکساں ہے، میرے لئے نہ کوئی محبوب ہے نہ قابل نفرت، حقیقت تو یہ ہے کہ جو اپنا نہ میری بھگتی (بندگی) کرتے ہیں وہ مجھ میں ہیں اور میں ان میں" (مکالمہ نمبر ۹ شعر ۲۹)

(۳) جین مذہب (مہابیر المتوفی ۵۲۷ ق م | مہابیر بھی چھیتری تھے اور جین (زیاں کے فاتح پر فتح پانے کے) دھرم کے بانی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خدا کے منکر تھے۔ لیکن وہ روح کو مانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ تضاد ہے۔ اصل میں وہ فنافی الکائنات ہو کر تناسخ سے نجات حاصل کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ یعنی اتنی نفس کشی کرو کہ تمہاری روح کائنات کی روح میں فنا ہو جائے اور پھر اسے ایسی بقا حاصل ہو کہ ماضی و مستقبل، حیات و ممات سب بے معنی ہو جائیں۔ جانوروں کی قربانی کے ذریعہ دیوتاؤں کو خوش کرنے والوں سے انہیں اتنی کھن تھی کہ انھوں نے دیوتاؤں کا انکار کردیا تھا، اور عقل انسانی کو سوچنے اور خود اپنا راستہ تلاش کرنے کی دعوت دی۔ وہ سچائی اور محبت کو بنیاد نجات

ملتے تھے۔ خواہشات کو مٹا دینے اور ہر جاندار پر رحم کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کی تعلیم پر چلنے والا ایک گروہ ایسا ہے جو ترک علائق کے معاملہ میں انتہائی مبالغہ کرتا ہے۔ یعنی جسم کا تعلق کپڑے سے بھی نہیں رکھنا چاہتا۔ شادی نہیں کرتا اور اولاد پیدا کرنے کو بھی گناہ سمجھتا ہے اس لئے کہ مفت میں کسی جاندار کو اس دنیا کی زندگی کے دبال میں کیوں پھنسائے۔ وہ فاقے سے خود کشی کر کے جان دینے میں انتہائی مسرت محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے وہ نر گنتھ یا غیر پابند (آزاد) کہلاتے ہیں یعنی علائق سے آزاد ہو کر وہ تناسخ پر فتح (جن) حاصل کر لیتے ہیں۔

لہذا یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتابی مذہب نہیں ہے۔ لیکن جس طرح نصرانی رہبانیت کو قرآن نے بدعت کہا ہے اسی طرح جینی سنیاس بھی بدعت ہے۔ اگر چند انسان ترک علائق کریں اور ان کا مقصد تعلیم یا خدمت خلق ہو تو یہ چیز قابل صد ستائش ہے۔ جینی سنیاسی یا زاہد خدمت خلق ہی کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ لہذا وہ بھی ان صوفیوں کے ضمن میں آتے ہیں جو خلق اللہ کے بھلے کے لئے نفس کشی کرتے ہیں۔

مہابیر کا قول ہے کہ یہ مذہب رحم و صداقت ابتدائے عالم سے قائم ہے۔ اور وہ کسی نئے دین کو لے کر نہیں آئے۔ بلکہ ان سے پہلے ۲۳ تیر تھنکر (ولی) اس دین کو زندہ کرنے والے آتے رہے ہیں، اور تناسخ یعنی جزائے اعمال کے چکر پر فتح پانے کا طریقہ بتاتے رہے ہیں۔

ان کے ایک فرقے کا یہ قول ہے کہ عورت کو نروان (نجات) نصیب نہیں ہو سکتی۔ شاید اس کا مقصد یہ ہو گا کہ وہ اچھے اعمال کے عوض میں آئندہ بطور مرد کے پیدا ہو گی اور پھر نروان ملے گی۔

(۴) بُدھ دھرم | گوتم، المتوفی ۵۴۳ ق م نے مذہب عقلی کی بنیاد ڈالی کو اس طرح استوار کیا کہ انہوں نے ویدوں سے اپنا تعلق مہابیر کی طرح منقطع کر لیا۔ اور ان کے زمانے تک برہمنوں کے فلسفے کے جو چھے مدارس پیدا ہو گئے تھے ان کو بھی یہی بتایا کہ ویدوں کی تعلیم ہی کو بنیاد فکر و نظر نہ بنائیں، بلکہ خود سوچیں کہ تناسخ سے نجات پانے کا کیا راستہ ہے۔ کیا رسومات میں پھنس کر قربانیوں کے ذریعے اخلاقی بلندی اور فراغت کاملہ مل سکتی ہے، یا ذات پات مٹا کر انسانی مساوات، عدل و رحم کے ذریعے سے نروان (نجات من التناسخ) کا درجہ مل سکتا ہے؟ گوتم نے سنیاسی بن کر ریاضتیں بھی کیں اور اس سے پہلے وہ راجہ کی حیثیت سے عیش و عشرت بھی دیکھ چکے تھے۔ ان ریاضتوں کے بعد یہ راز کھلا کہ سنیاس محض فریب ہے اور عیش میں پڑ جانا بھی ایک دھوکہ ہے۔ اصل راستہ اعتدال کا راستہ ہے۔ نہ بہت کھاؤ کہ بدہضمہ ہو جائے، نہ کم کھاؤ کہ جان پر بن جائے۔ یہ روشنی حاصل ہوئی تو وہ بدھا (صاحب عرفان دلنور) کہلانے لگے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں پہلا بدھا نہیں ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی جب دھرم کے بانیوں نے خود غرضیوں کی وجہ سے دنیا کو تاریک بنایا ہے تو بدھا پیدا ہوتے رہے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں جو کہتا ہوں اُسے بے چون و چرا مان لو۔ خود سوچو کہ صحیح راستہ کیا ہے۔ بہرحال میری رائے میں رحم و محبت اور فکر و قول و عمل کی درستی سے نجات مل سکتی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ گوتم بدھ نے خدا کے متعلق خاموشی اختیار کی۔ نہ یہ کہا کہ وہ ہے، نہ یہ بتایا کہ وہ نہیں ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ اس زمانے میں خدا کے متعلق لاکھوں طرح کی بحثیں جاری تھیں، اور مقصد سب کا تناسخ سے نجات حاصل کرنا تھا۔ آپ نے خدا کے متعلق نئی بحث چھیڑنے کی جگہ نجات کے ذریعوں

کو نمایاں کیا۔ چھوت چھات، ذات پات مٹادی۔ غلامی کا خاتمہ کر دیا۔ عورتوں کا درجہ بلند کر دیا یعنی انھیں بھی مذہبی معلمہ (بھکشنی) بننے کی اجازت دیدی۔ عقل کو آزادی دی، علم کو عام کیا اور ہر بھکشو کا یہ فرض قرار پایا کہ ایک وقت کھائے اور لوگوں کے اخلاق کو دھرم کی تعلیم دیتا پھرے۔ یاد رکھیئے کہ بدھ کے بھکشو، نہ سنیاسی ہیں کہ ترک دنیا کر کے اپنے جسم کو تکلیفیں پہونچائیں، نہ مشنری ہیں کہ کسی ایک نقطہ نظر کی تبلیغ کر کے اپنی جماعت کو بڑھائیں تاکہ دوسرے مغلوب ہوں۔ ان کا مقصد رضا کارانہ معلمی ہے۔ وہ جو کچھ جانتے ہیں بلا اجرت دوسروں کو بتاتے ہیں۔ اور پرانے زمانے کے کاہنوں یا ساحروں کی طرح اپنے علم کو دوسروں سے نہیں چھپاتے۔ نہ اُن سے نذریں اور قربانیاں وصول کرنے کا آلہ اپنے علم کو بناتے ہیں۔ ان کی جماعت میں جو چاہے داخل ہو سکتا ہے۔

تناسخ اور اللہ

غرضکہ قرآن نے جن لوگوں کو صابی کہا ہے وہ یوم آخر کو تناسخ کی شکل میں ملتے ہیں اور اپنے قدیم آرین آباؤ اجداد کے تصورات عذاب و ثواب، جنت و دوزخ کو کبھی تو ان ہی الفاظ میں ادا کرتے ہیں جیساکہ دیدوں میں اور مہابھارت میں بھی کیا گیا ہے، اور کبھی فلسفیوں کی زبان میں اسے تناسخ کہتے ہیں اور اس سے نجات پانیکو جنت سمجھتے ہیں،

تناسخ کا تعلق روح سے ہے، یہ روح مختلف قالب بدلتی ہے ظاہر ہے جو شخص روح کو مانتا ہے، اس کے لئے روح اعظم (پرماتما) کا ماننا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جن مذاہب کو ناستک یا ملحد بتایا جاتا ہے وہ ان کے دشمنوں کا قول ہے۔ ورنہ خود گوتم بدھ نے کہا ہے کہ

"کل کائنات منظم طریقے پر دھرم (عدل و شعور و قدرت) کی وجہ سے چل رہی ہے جو اس "دھرم" اور "شعور" سے واقف ہو جاتا ہے اُسے "نروان" یا "معرفت دین" حاصل ہو جاتی ہے اور وہ "برہم بھوت" یا "برہما سے واصل" ہو کر خود برہما ہو جاتا ہے"۔ اس کے معنی یہ ہیں گوتم بدھ اپنی "پالی زبان" میں جسے "دھما" کہتا ہے وہی سنسکرت میں دھرم یا عدل و شعور یا برہما یا لوگاس (کلمہ) ہے، یہی اللہ ہے، جیسا کہ چوتھی انجیل کے فلسفی مصنف نے کہا ہے کہ "کلمہ ہی خدا ہے"۔ یعنی وہ قانون جو اس کائنات کو عدل و شعور و قدرت سے چلا رہا ہے اُس کو الفاظ و تصورات دونوں ادا کرنے سے قاصر ہیں بقول سلیم طرشی ؎

"تا چند دیر و کعبہ، مخوان این فسانہ را
ہمچون کمان حلقہ یکے کن دو خانہ را

اور پھر مقصد کو متعین کر کے صراط مستقیم پر بڑھ جانا چاہیئے، منزل پر پہونچکر کوئی نہ کوئی دروازہ کھلا ہوا مل جائے گا جس سے سکون و فراغت کی دنیا میں داخلہ ہو سکے۔ بقول سحابی ؎

با ذات بہر صفت گرآیند خوش ست ✢ نغمہ بہر آہنگ سرایند خوش ست
از بہر خدا ہیچ عمل ضائع نیست ✢ در خلد زہر در کہ درآیند خوش ست

اصحاب الیمین واصحاب الشمال

سندھ میں آنحضرتؐ سے بہت پہلے یہ اصطلاح جاری تھی۔ اور موجودہ دنیا میں اخلاق وسیاست کی یہ عام اصطلاح بن گئی ہے۔ سنسکرت میں اصحاب الیمین کو دکھن آچاری یا دکھن مارگی (اصحاب المیمنہ یا رائٹسٹ) کہتے ہیں، اور اصحاب الشمال کو بام آچاری یا بام مارگی (اصحاب المشئمۃ یا لفٹسٹ) کہتے ہیں۔ یہی تصور مصر و بابل سے یونان گیا، اور وہاں کے فلسفیوں نے اعتدال سے ہٹ جانے والوں کو ظالم اور بدکار کے لقب سے پکارا۔ مذہبی زبان میں اچھوں کو خدائی رستے پر چلنے والے، اور بروں کو شیطانی گروہ والے بتایا گیا۔ مقصد سب کا ایک ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ راہوں سے واقف ہیں نہ منزل متعین کر سکے ہیں، لیکن نفس پرستی اور خودغرضی کو شیوہ بنا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پر ہیں اور جان بوجھ کر اپنے نفع کے لئے نہ صرف غیروں کو بلکہ اپنی جماعت کے لوگوں کو بھی گڑھے میں گرا رہے ہیں۔ ایسے لوگ یقیناً بام مارگی یا بدراہ ہیں اس معیار پر ہم کل دنیا کی تعلیمات کو جانچیں تو بہت آسانی سے یہ گتھی سلجھ جاتی ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کسے کہتے ہیں۔ کون نورِ ایمان کا رستہ بتاتا ہے، اور کون تاریکی وکفر میں مبتلا کرتا ہے۔ کون خودغرضی اور تنگ نظری میں مبتلا ہے اور کون ایثار و اخوتِ انسانی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے چند مبادیات سامنے ہوں تو آسانی ہوگی:۔

۱۔ ہر وہ عقیدہ یا اصول جو کسی ایک فرد یا جماعت کے بھلے کو پیش نظر رکھے برا ہے (ہم بام مارگی، شیطانی، کافرانہ، منکر و شر کی جگہ صرف "برا" کہیں گے، اور دکھن مارگی، رحمانی، مومنانہ، معروف وخیر کی جگہ صرف

"اچھا" لکھیں گے،

یعنی ہر وہ اصول جو انسان انسان میں تفریق پیدا کرے، اور ایک کو معزز اور دوسرے کو ذلیل بنائے رکھے وہ برا ہے۔ آقا و غلام، سفارشی و سفارش کرنے والا، مرد و زن، حاکم و محکوم، عالم و جاہل اپنا و بیگانہ (PAGAN) (یعنی مومن و کافر، مہذب و وحشی وغیرہ پر غور کیجئے اور معلوم کیجئے کہ ان کا مقصد کیا ہے)

(۲) ہر وہ عقیدہ جو مساوات انسانی قایم کرنے کی کوشش کرے اور اپنے گروہ کو بتائے کہ سب کے بھلے میں اپنا بھلا ہے وہ اچھا ہے۔ یعنی جو عقیدہ بھی انسانی امتیازات کو مٹا کر سب کو معزز سب کو عالم، سب کو اپنا اور سب کو مہذب بنانے کو اپنا مقصد بنائے وہی "اچھا" ہے۔

وحی اور وحی کی ضرورت

وحی یا الہام کی قرآن نے دو قسمیں کی ہیں انسان یا حیوان کے دل میں کسی کام کے کرنے کے لئے جو کھٹک پیدا ہوتی ہے وہ وحی یا الہام ہے حیوان جو کچھ کرتا ہے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔ گویا خدا نے اس کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ جو عمل کرے خدا کی دی ہوئی فطرت اور رجحانات (انسٹنکٹ) کے مطابق کرے۔ انسان کو حیوانات سے ممتاز کرنے والی عقل بھی دی گئی ہے، جو فطری رجحانات کے موافق اور مخالف کاموں میں تمیز کر سکتی ہے اسی لئے انسان کو اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو صحیح راستہ پر چلائے یا نہ چلائے۔ جو محرکات انسان کو صحیح راستے پر لے جاتے ہیں وہ قرآن کے مطابق اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور جو وسوسے اُسے بری راہ پر ڈالتے ہیں وہ شیطانی ہوتے ہیں۔

انسان کے لئے وحی الہٰی کی کیوں ضرورت ہوئی، کیا خدا ان کی فطری ساخت ہی ایسی نہیں بنا سکتا تھا کہ وہ جانوروں کی طرح اپنی فطرت ہی پر

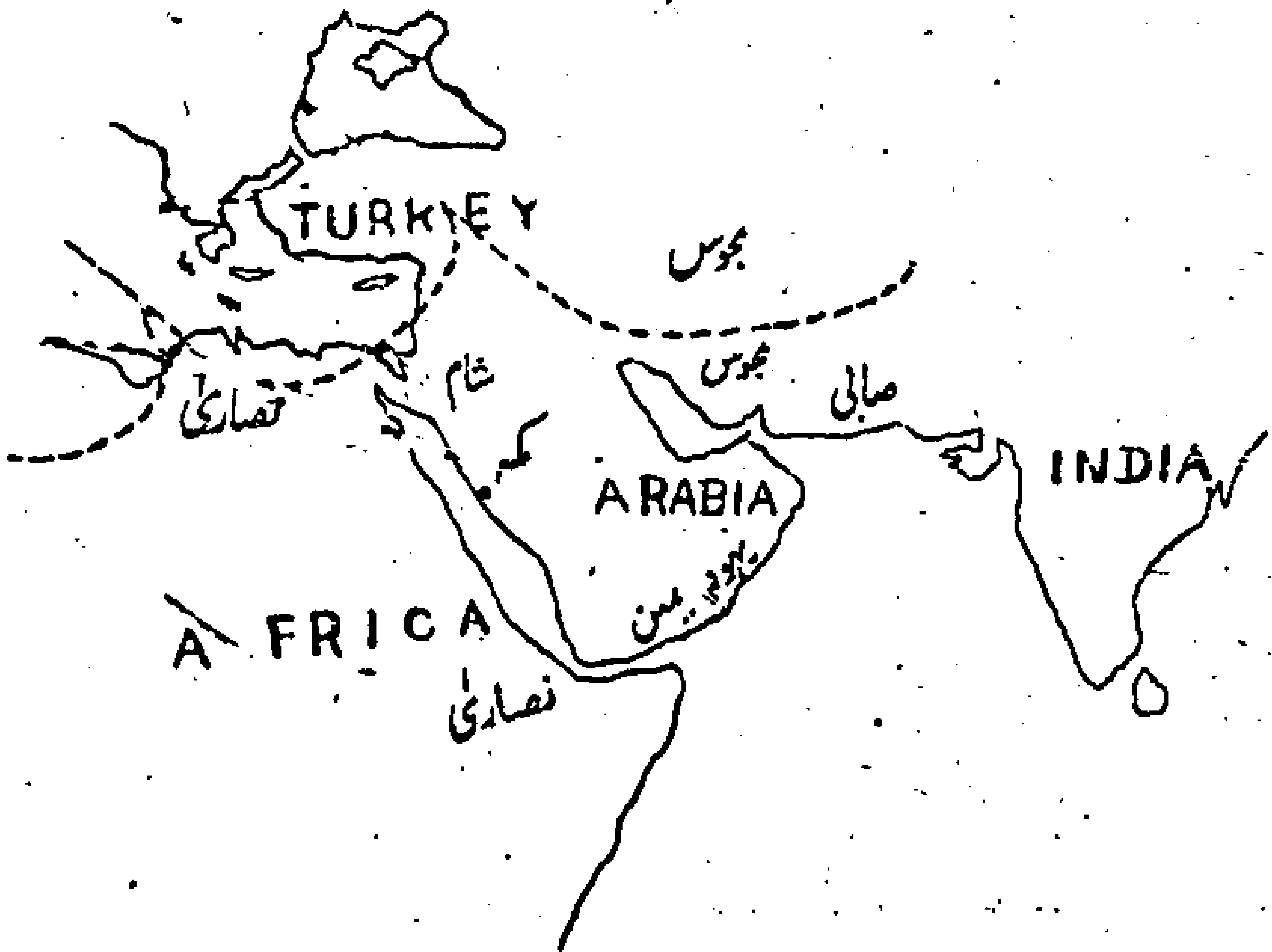
چلتے اور اپنے اعمال کے جواب دہ نہ ہوتے ؟ بے شک خدا نے انسان میں پوری حیوانی صفات دی ہیں۔ وہ بغیر کسی مصلح کی ہدایت کے، یا بغیر کسی وحی الٰہی کے فطری اور صالح زندگی بسر کرسکتا تھا۔ لیکن اُسے عقل و شعور بھی عطا ہوا۔ تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر ؟ کے لئے سیدھا اور آسان راستہ تلاش کرسکے، بہ الفاظ دیگر وہ عملی ترقی کر کے اپنے ماحول کو اپنی فطرت کے مطابق ڈھال سکے۔ اس کے لئے صرف انگٹ کافی نہیں ہے، عقل و شعور اور اس پر عمل کرنے نہ کرنے کے اختیار کی بھی ضرورت ہے۔

لیکن عقل شعور کی ولادت کے چند ہزار سال بعد ہی ایسے انسان پیدا ہونے لگے جو علم و عقل پر قبضہ کر کے پروہت و ساحر بن گئے۔ علم کو راز میں رکھنے لگے اور نہ صرف جانوروں کو بلکہ انسانوں کو، عورتوں کو، بچوں کو اپنے نفع کے لئے استعمال کرنے لگے۔ قرآن اس ذہنی و عقلی اجارہ داری کو شیطانی قرار دیتا ہے۔ یہ جماعت خواہ پروہتوں کی ہو، فوجی سرداروں کی ہو یا مالدار مہاجنوں کی، ہمیشہ انسانی عقل کو اپنا پابند رکھتی ہے اور انسان کو غلام بنائے رکھنا اپنا مقصد سمجھتی ہے۔

ہر زمانے میں اس شیطانی گروہ کی ہدایت کے لئے ایک خدائی گروہ پیدا ہوتا رہا ہے اور خدائی آواز ان کے دلوں کو گرماتی رہی ہے۔ یہ مصلح یا ہادی کسی ایک قوم یا ملک یا زمانے تک محدود نہیں رہے۔ ان کے پیروؤں کو قرآن اللہ والا (مسلم، مومن، موقن، مصدق، صالح وغیرہ) کہتا ہے۔ ان کا فرض ہوتا ہے کہ دنیا میں علم و عقل کو آزاد کرائیں۔ اپنی جانوں کو شیطانی گروہ کی ہدایت کے لئے خطرے میں ڈالیں اور دنیا کو امن و سلامتی

آزادی و مساوات کا راستہ دکھا کر مادی اور روحانی ترقی کے دروازے کھول دیں ہم آیندہ دیکھیں گے کہ مختلف ملکوں کے رہبروں اور مومنوں نے اس مقصد کے لیے کیا کیا۔

ادیان اطراف مکہ



ترتیب نزول کی روشنی میں قرآن کا ایک صفحہ

اگر ہم قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق پڑھیں تو پھر کسی تفسیر کی ضرورت نہیں رہتی، قرآن خود اپنی تفسیر بن جاتا ہے۔ البتہ ایک تنزل سے دوسری تک جو واقعات رونما ہوئے ہیں وہ اُس دور میں مغازی وسیر اور احادیث وتاریخ سے اخذ کئے جا سکتے ہیں،

قرآن نے سب سے پہلے آسان زبان اور عام فہم اصطلاحات کے ساتھ وہ مطالب ادا کئے ہیں جن کو وہ اپنے مخاطب کے ذہن نشین کرنا چاہتا تھا۔ آسان اور عام فہم سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ عربی زبان میں خصوصیت سے ان لوگوں میں جو قرآن کے مخاطب تھے، جو محاورات واصطلاحات رائج تھے اُن ہی سے کام لیا گیا ہے اسی واسطے ایک صحیح حدیث میں ارشاد نبوی ہے کہ کلم الناس علی قدر عقولہم، یعنی جس سے بات کرو اس کی سمجھ کا لحاظ رکھ کے بات کرو۔ اگر مشرک ہے تو اُسی کی اصطلاحات میں بولو اور موحد ہے تو اس کی زبان میں بولو اگر نصرانی یا یہودی ہے تو ان ہی کے قصص واقوال سے استدلال کرو۔ لہذا قرآن کی کسی آیت یا سورت کا مفہوم صرف اس وقت واضح ہوسکتا ہے، جب یہ معلوم ہو کہ مخاطب کون ہے، اس کے معتقدات کیا ہیں اور خود متکلم کن حالات میں ان سے

گفتگو کررہا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ گویا تاریخ تمدن انسانی کا جاننا ہر مفسر کے لئے شرط اولین ہوجاتا ہے۔ اسی ضمن میں ادیان عالم اور معاشرت عالم بھی داخل ہے اور وہ علوم بھی داخل ہیں جو آنحضرت کے زمانے تک پیدا ہوچکے تھے۔

ابتدائی دور نبوت میں رسول اللہ پر جو وحیاں نازل ہوئیں وہ ایسی ہیں جیسے کہ کوئی شخص خود اپنے آپ سے گفتگو کرتا ہے۔ یہ دعوت سرّ تھی۔ اس کے بعد علانیہ اظہار دعوت کا زمانہ آتا ہے اور صرف قریش کو دعوت دی جاتی ہے۔ ان سے مایوسی ہوتی ہے تو روئے سخن نصاریٰ کی طرف ہوجاتا ہے اور اسی زمانے میں ہجرت حبشہ ہوتی ہے۔

پھر تین سال کا وہ زمانہ آتا ہے جس میں مشرکین مکہ کے علاوہ جو لوگ عرب میں دوسرے مقامات پر تھے ان کی طرف روئے سخن کرنے کی تیاری ہوتی ہے۔ یہ زمانہ شعب ابی طالب کا ہے۔ شعب سے نکل کر قبائل میں تبلیغ شروع کی جاتی ہے اور روئے سخن بنو اسرائیل اور دوسرے اہل کتاب کی طرف ہوتا ہے اور ان کو کلمۂ متحدہ کی دعوت دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ہجرت کرکے مکہ کی جگہ مدینہ مرکز عمل بن جاتا ہے۔

غرضکہ ہر دور کے مخاطب اور متکلم کے احوال کو سامنے رکھے بغیر قرآن کی الگ الگ سورتوں یا آیتوں کو سمجھنا تقریباً سعی لاحاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء ہمیشہ اس طرح کی تفاسیر کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ ہیں مگر تفسیر نہیں ہیں۔ کوئی لغت ہے کوئی فلسفہ ہے کوئی مجموعہ روایات۔ لیکن تفسیر و تشریح کی جگہ الجھن میں ڈال دیتی ہیں۔

بہر حال ہم نے یہ اہتمام کیا ہے کہ سیرت نبوی کو قرآن کی

تنزیلی ترتیب سے مطابقت دے کر دونوں کو ان کے اصلی رنگ میں نمایاں کردیں۔ اس سلسلے میں ہم نے جو بحثیں کی ہیں وہ تو اصل کتاب میں ہیں اس خلاصہ میں ہم صرف دو سورتوں کا ترجمہ دے دیتے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوسکے گا کہ ترتیب تنزیلی نے معارف قرآن کو کتنا نکھار دیا ہے اور خود رسول کریم کی تعلیم کا تاریخی وتدریجی ارتقا کس نقطہ نظر سے شروع ہوکر کن کن تاریخی مدارج سے گذرا ہے۔ اس طرح قرآن پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ بعض الفاظ اور تصورات ایک دور میں ایک مفہوم سے دوسرے مفہوم تک کس طرح پہونچے۔ یعنی اگر ہم (مثال کے طور پر) صلات کے ابتدائی معنی (ادب صدّق وبہ صلّی) میں کسی مشرک کے متعلق یہ کہیں کہ "اس نے نہ رسول اللہ کی تصدیق کی نہ نماز پڑھی" تو اس میں "صلّی" کا ترجمہ غلط ہوجائے گا اس لئے کہ اول تو اس وقت صلاۃ کے معنی ہی دوسرے ہی تھے، دوم یہ کہ اصطلاحی نماز کی کسی مشرک سے کیسے امید ہوسکتی تھی، لہذا اس دور میں صلّی کے معنی وہی ابتدائی معنی سلام کرنے یا حلم وانکسار وتہذیب سے گفتگو کرنے کے ہوں گے۔ نہ کہ نماز پڑھنے کے۔

ان دونوں سورتوں میں ترتیب نزول کے اعتبار سے سب متفق ہیں کہ سورہ ۹۶ العلق کی پہلی ۵ آیتیں پہلی وحی ہیں، قرآن میں جو سورہ ۱ "فاتحۃ الکتاب" کے طور پر لکھی جاتی ہے وہ "سورۃ الحمد" ہے ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کی نصف آیتیں مکہ کے مختلف زمانوں میں نازل ہوچکی تھیں۔ اس لئے نصف اول مکی ہے۔ اور نصف آخر مدنی ہے لہذا ہم پہلے سورۃ العلق کا ترجمہ مع اس کے حقیقی مفہوم کے درج کرتے ہیں اس کے بعد سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ اور اصلی مفہوم درج کریں گے جس سے آپ

پر واضح ہو جائے گا کہ ترتیب تنزیلی سے قرآن پڑھنا کتنا مفید ہے

۹۶ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتیں | یہ سب سے پہلی وحی متلو ہے جو آنحضرت پر نازل ہوئی یہی

آیتیں ام القرآن ہیں۔ یعنی اگر سلسلہ وحی بند ہو جاتا تو انسانیت کی ہدایت کے لئے جو حل ان میں پیش کیا گیا ہے وہ کافی تھا (افامات او قتل انقلبتم علی اعقابکم اس پر شاہد عدل ہے)

ان پانچ آیتوں میں زمانہ جاہلیہ کا پورا ذہنی پس منظر موجود ہے اس لئے کہ جب سے انسانی سوچ بچار کی ابتدا ہوئی یہی دو مسئلے تھے اور اب بھی ہیں جن کا آخری فیصلہ ہر فلسفی اور مفکر کا مقصد عظیم ہے، البتہ جو لوگ خیام کی طرح کوئی حل نہیں پاتے وہ کہنے لگتے ہیں کہ ؎

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من + وین حرف معمانہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو + چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

یا جن پر اللہ کا نام ولہ یا حیرت طاری کر دیتا ہے، وہ ایسے بے خود او محو ہو جاتے ہیں کہ آئینہ کی طرح منہ تکتے رہ جاتے ہیں بقول ؎

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا + منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا

یعنی

کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

بہر حال فلسفہ و حکمت کا ایک بنیادی مسئلہ اس وقت بھی ہستی یا وجود کی ماہیت سے متعلق تھا اور اس سوال کے حل کرنے کی کوشش جاری تھی کہ یہ کائنات ہے کیا؟ اور دوسرا سوال انسانی علم کے متعلق تھا کہ یہ ہے کیا اور کیونکر حاصل ہوتا ہے۔

پہلے سوال کے متعلق بہت سے نظریات ہیں۔ یہ عالم مادہ ہے یا روح ہے یا دونوں سے مل کر بنا ہے۔ اگر صرف مادہ یا صرف روح ہے تو اس کا وجود کیوں کر ہوا۔ اور بعض کو یہ بھی شک ہوا کہ جو کچھ "ہے" وہ واقعی "ہے" یا محض فریب نظر ہے اور "نہیں ہے" اسی لئے غالب نے کہا کہ ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اور اگر روح اور مادہ دونوں موجود ہیں تو ان میں سے پہلے کس کا وجود ہوا کسی نے کہا روح بھی مادہ کی ایک قسم ہے کسی نے کہا روح سے مادہ پیدا ہوتا ہے جو دوئی کے قائل نہ تھے وہ وحدت کے متعلق اس طرح کہنے لگے کہ ؎

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں۔ ہم کہاں ہوتے؟ اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

وجود کے نظریات ہی سے مختلف مسائل جبر و قدر، خیر و شر، الحاد و اقرار وغیرہ وجود میں آئے۔ اور ہر فلسفہ کی کتاب میں مل سکتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ نظریہ وجود سے زیادہ گہرا ہے۔ یعنی خود علم کیا ہے اور کیونکر حاصل ہوتا ہے۔ افلاطون (۴۲۷ - ۳۴۷ ق م) نے کہا کہ اس عالم کے علاوہ ایک اور عالم مثال ہے جہاں سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن ارسطو نے اس دھوکے سے انسان کو بچا لیا۔ اگرچہ رسول عربی کے وقت تک ہر کاہن و ساحر حتیٰ کہ ہر شاعر بھی کہتا رہا کہ غیب سے اس کے ذہن میں مضامین آتے ہیں۔

ارسطو (۳۸۴ - ۳۲۲ ق م) نے بتایا کہ علم کا ذریعہ ہمارا ادراک ہے جو تجربہ و مشاہدہ اشیائے دنیا سے علم حاصل کرتا ہے۔ عالم شہود ہی حقیقت ہے اور کوئی ایسا عالم مثال نہیں جو نقص سے پاک ہو اور کامل ہو۔ گویا ارسطو نے یہ کہا کہ ہماری عقل ہی ذریعہ علم ہے اور علم مشہود و محسوس اشیاء کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ان دونوں مسلکوں کا قرآن نے ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا۔ یا یوں کہئے کہ اس فلسفیانہ بحث کو یقین و ایمان کی روشنی سے تشکیک و تذبذب کی تاریکی سے ہمیشہ کے لئے نکال لیا۔

قرآن نے کہا کہ ایک بڑی عظیم قوت ہے جو سب پر حکمران ہے یعنی سب کی آقا ہے اس نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔ یعنی خالق کے ارادہ سے مخلوق کا وجود ہوا ہے۔ وہ خالق ایسا آقا ہے جس نے انسان کو انس و محبت کا پتلا ہی نہیں بنایا بلکہ بلکہ محبت ہی سے اس کا خمیر بنایا۔ وہ دوسرے آقاؤں (ربوں) کی طرح ظالم نہیں جو اپنی غرض کے لئے اپنے مملوکوں کی پرورش کرتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کو فروخت کر ڈالتا ہے یا ذبح کر کے کھا جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ وہ خالق آقا بھی عام آقاؤں کی طرح ظالم ہے نہیں وہ نہایت ہی کریم ہے۔

اس تصور کا ایک سلبی پہلو یہ ہے کہ اللہ کی عبودیت کے علاوہ دوسرے آقاؤں کی بندگی نہ کرو۔ وہ سب شیطانی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے خلاف علانیہ بغاوت کر دو۔ آگے چل کر یہ بھی بتایا ہے کہ خواہشات نفسانی کی بندگی بھی ترک کر دو (من اتخذ نفسہ الٰہ)

اس اکرم آقا کا ایک سب سے بڑا اکرم یہ ہے کہ انسان کو اس نے عقل و تمیز عطا کیا۔ اس عقل و تمیز کے ذریعے اس نے تجربہ حاصل کرنا شروع کیا۔ یہ عقل اللہ آلہ علم یعنی قلم) ایسا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ یہاں جاہلیہ کے اس تصور کے خلاف اعلان جہاد ہے کہ پروہت و ساحر و کاہن بھی شیطان سے حاصل کر کے علم دے سکتے ہیں۔

اس پہلی ہی وحی میں علم غیب کا دینے والا صرف خدا کو بتایا ہے۔ شیاطین اور ان کی ذریات کا خاتمہ کر دیا ہے۔

دو حقیقتیں (۱) حقیقت وجود یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے خواہ وہ روح ہو یا مادہ یا دونوں' ان سب کا خالق ایک ہے۔ اور اس کے مقابلے میں اہرمن یا شیطان خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے۔

(۲) حواس و شعور انسانی کو بھی خدا ہی نے پیدا کیا ہے' اور ان ہی کے ذریعہ سے انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔ سچا علم وہی ہے جو تجربے اور مشاہدہ کائنات پر مبنی ہو' وہ علم جو کاہن و ساحر شیطانی وسوسوں کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ جھوٹا علم ہے' فریب ہے' اور تباہی میں ڈالتا ہے۔ نفس امارہ اور شیطان کو خدائی علم تک دسترس نہیں ہے لہٰذا اہرمنی قوتوں سے پوجنے والوں اور کاہنوں اور ساحروں کی فریب کاریوں سے بچو اور عقل سے کام لو۔

گویا اس پہلے ہی اعلان میں صرف اللہ کی بندگی اور اہرمن سے نفرت کا اظہار ہے یعنی اللہ نے عقل عطا کی ہے اور اہرمن کے گروہ والے اس فطری عقل پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس شیطانی گروہ کو اللہ والوں پر کبھی دسترس نہیں ہو سکتی لہٰذا اسلام کی تعلیم کا خلاصہ ہی یہ ہے کہ شیطان پر لعنت بھیجو اور اللہ والے بن جاؤ یعنی اللہ کی عطا کی ہوئی عقل سے کام لو' شیطانی وسوسوں کو ختم کر دو۔

سورہ العلق کے دو ترجمے ہم ذیل میں سورہ العلق کے دو ترجمے درج کرتے ہیں تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ عام ترجمہ حقیقی مفہوم اور اولین دعوت اسلام سے کس قدر مختلف ہے۔

عام ترجمہ (۹۶) العلق	تاریخی ترجمہ (۱) العلق
۱۔ اپنے رب کے نام سے پڑھ جو سب کا بنانے والا ہے۔	۱۔ اپنے اس آقا کے نام سے وعظ و نصیحت (یا بندا) شروع کر جس نے

عام ترجمہ ۹۶ سورۃ العلق	تاریخی ترجمہ ۱ العلق
	خلق کیا ہے۔ (یعنی وہ رب خالق ہے اور مقدرت والا ہے۔ دوسرے آقاؤں کی طرح مجبور و مخلوق نہیں ہے)
۲۔ اس نے آدمی کو جمے ہوئے لہو سے بنایا۔	۲۔ اس نے (ماحصل کائنات) انسان کو اس (علق) (محبت کا پتلا بنایا ہے۔
۳۔ پڑھ۔ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔	۳۔ اے محمد! تو یہ اعلان کر دے کہ تیرا آقا نہایت ہی کریم ہے (دوسرے آقاؤں کی طرح ظالم نہیں ہے)
۴۔ جس نے قلم سے علم سکھلایا	۴۔ اس آقا کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے انسان کو علم حاصل کرنے کا آلہ قلم (یعنی عقل) عطا فرمایا۔ اور اس کے ذریعہ سے علم دیا (یعنی کوئی کاہن وغیرہ شیطان اور جنوں کے ذریعے علم نہیں پا سکتا' علم و عقل و شعور خالق نے عطا کیا ہے۔ اور جانوروں سے انسان کو ممتاز کر کے مختار بنایا ہے)
۵۔ اس نے آدمی کو وہ سکھلایا جو وہ نہ جانتا تھا۔	۵۔ اس رب ہی نے انسان کو ایسی باتیں سکھائی ہیں جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا

کسی شیطان یا غیر اللہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ انسان کے قولئے دل و دماغ کو پیدا کر سکے یا ان کو راہ پر لگا سکے۔ یا ان کا رستہ متعین کر کے ذہنی و عقلی ترقی دے یہ حیوان مطلق کو حیوان ناطق بنانے کی قدرت صرف خالق کو ہے۔ دوسرے مخلوق کو نہیں ۔ یہ خالق کا سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے حیوان کو انسان بنایا اور عقل و شعور عطا فرمایا)

سورۃ الحمد کے دو ترجمے

یہ امر مسلم ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلی وحی ہیں اور قرآن کریم اسی سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن موجودہ مصحف میں سورۃ الحمد کو پہلا نمبر دیا گیا ہے۔ اسی لئے اکثر مفسروں نے اس سورۃ کی سات آیتوں پر اپنا زور قلم خرچ کر دیا ہے اس میں شک نہیں کہ اس سورہ میں بڑی حد تک کی تعلیم اسلام کا عطر ہے۔ اس لئے اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ لیکن اقوام عالم کو راہ پر ڈالنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ہم سورۃ العلق کی تعلیم سے ابتدا کریں ۔ اور مقصد اسلام متعین کرنے کے بعد ذرائع مقصد یا طریق کار کو اس کے بعد بتائیں اسی لئے ہم ذیل میں اس سورۃ کا متداول ترجمہ درج کرتے ہیں اور اس کا مقابلہ اس مفہوم سے کرتے ہیں جو قرآن کی تاریخی ترتیب سے پیدا ہوتا ہے:۔

(۱) سورۃ الحمد

اسماء عام تفاسیر سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ سورہ الحمد کے ننانوے نام ہیں، کافیہ، شافیہ، سبع مثانی۔ کنز، ام القرآن وغیرہ وغیرہ۔ کہا جاتا ہے کہ اس سورہ میں قرآن کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ ہمارا فیصلہ تاریخی فیصلہ ہے۔ علاوہ یہ ہے کہ پہلی سورہ العلق ہے اور اس میں اسلام کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ اور اسی کے مضامین کو بار بار مختلف پیراؤں میں قرآن میں ادا کیا گیا ہے۔

خود محدثین کہتے ہیں کہ اس سورہ کے نصف مضامین مکہ میں اور نصف مدینہ میں نازل ہوئے۔ بہرحال اسے الفاتحہ اس لئے نہیں کہتے کہ یہ سب سے پہلے نازل ہوئی بلکہ اسے قرآن کے شروع میں رکھ دیا ہے اسلئے چاروناچار یہ الفاتحہ ہے۔

اُم القرآن "ام القرآن" اس لئے نہیں ہے کہ یہ جملہ ہی قرآنی نہیں۔ قرآن میں ام الکتاب کا جملہ سورہ الرعد کے چھٹے رکوع میں استعمال ہوا ہے (عندہ ام الکتاب) اور اس "ام الکتاب" یا سرچشمہ علم و قانون سے دنیا والوں کو بقدر استعداد مختلف زمانوں میں علم "کتاب" دیا جاتا ہے (لکل اجل کتاب یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت۔ الرعد) وہ "ام الکتاب" خدا کے پاس ہے۔ (یا وہ قرآن کی محکم آیات ہیں (آل عمران ۱)

سبع مثانی یہ جملہ سورہ الحجر (۱۰ رکوع ۶) میں استعمال ہوا ہے۔ ولقد آتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم) ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سورہ پندرہویں سورہ ہے اور سورہ الحمد کا نمبر بیاسی ہے اس طرح سبعا من المثانی سے سورۃ الحمد مراد

لینا درست نہیں۔ اصل میں سبعًا کے معنی سات نہیں بلکہ کئی کے ہیں اور المثانی ان آیات کو کہتے ہیں جن پر قرآن نے بار بار توجہ دلائی۔ مقصد صرف یہ ہے کہ خدا نے متعدد احکام بار بار بیان کئے ہیں۔ اسی لئے قرآن کے متعلق سورہ الزمر (رکوع ۲) میں کہا گیا کہ یہ بہترین کلام ایسی تعلیم پر مشتمل جو ایک دوسرے سے مشابہ ہے اور پہلے بھی بار بار نازل ہو چکا ہے (اللہ نزل احسن الحدیث کتابًا متشابھًا مثانی۔ الزمر ع۲)

کتب

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی الگ الگ آیتوں اور سورتوں کا فہم صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب پوری سورہ بلکہ ایک ایک دور کی جملہ سورتوں کا ماحصل سامنے رکھا جائے۔ الگ الگ آیتوں اور سورتوں کو ترتیب تنزیل سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ اسی طرح قرآن پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ کتب، صحف، آیات، کلم، نور، ہدایت، تنزیل غرضکہ اس طرح کے جتنے لفظ الفرقان (قرآن) میں آئے ہیں ان کا منشا یہ نہیں ہے کہ مقصود صرف قرآن کی آیات (کلم) ہوں۔ بلکہ جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے کہ جتنی اللہ کی کتابیں ہیں ان سب پر ایمان لانا ہر مسلم کا فرض ہے (ما انزل من قبلک۔ بقرہ) یعنی یہ قرآنی تعلیم "مثانی" (بار بار بیان ہونے والی) تعلیم ہے۔ اور گزشتہ نبیوں کی کتابوں میں بار بار بیان ہو چکی ہے وہ کتابیں "سبع" یعنی متعدد ہیں مثلاً صحیفہ ابراہیمی، صحیفہ موسیٰ، زبور داؤد، امثال سلیمان، حکیم لقمان، انجیل یحییٰ و عیسیٰ، وید اور زند اوستا، ویدانت، جند، چار مقالہ بودھا اور دوسری کتابیں جو خدا کی بندگی اور نیک عملی سکھلاتی ہیں اور جیسا کہ ہم نے کہیں بیان کیا کہ اصل بحث اعجاز کتاب کی ہے نہ کہ اعجاز قرآن کی۔ یہی بات یہاں بھی ہے کہ کتاب اور قرآن کو ایک سمجھ لیا گیا ہے اور اس پر پوری عمارت تعمیر کر دی گئی ہے۔

ترتیب نزول کی روشنی میں مختصر تحقیق الفاظ۔

ترتیب نزول اور پس منظر اسلام سے دور ہو کر تفسیریں لکھنے کا نتیجہ ہے کہ لوگوں نے اپنی رائے سے لغت عرب ہی کو بدل ڈالا۔ اور حقیقی بات جب سمجھ میں نہ آئی تو یہ کہنے لگے کہ قرآن کے ہر لفظ کے سات باطنی اور سات ظاہری معنی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہر زبان میں الفاظ کے وجوہ (مختلف معنی) اور نظائر (ہم معنی یا مترادفات) ہوتے ہیں اور لغوی معنی کا مفہوم و مطلب بھی ظہر و بطن رکھتا ہے، لیکن اس سے انکار کرنا قرآن کو ایک معمہ بنا دیتا ہے کہ قرآن اور سحر و کہانت میں منعد ہے۔ قرآن صاف اور صریح بیان کو کہتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کو بیان، قول فصل اور قول من عند اللہ کہا گیا ہے۔ نہ کہ یہ بھی کاہنوں کی سجع اور شاعروں کا مبالغہ ہے کہ بولیں کچھ اور مقصد ہو کچھ۔ قرآن کے معنی ہی ہیں وہ "پڑھنت" جو سحر کی طرح معلق نہ ہو وہ بیان جو سامع کے کان میں پڑتے ہی دل میں اتر جائے۔ اس اعتبار سے نہ ایک ایک لفظ کے لئے چودہ چودہ معنی ہوں گے نہ ایک سے زیادہ مفہوم مطلب۔

ہم بعض لفظوں کی تشریح پہلے کر چکے ہیں۔ اب صرف سورہ الحمد کے چند لفظوں کو ترتیب نزول کی روشنی میں بیان کرتے ہیں کہ جس ماحول میں اسلام کی تعلیم دی گئی تھی اس میں سامع ان سے کیا سمجھتا تھا۔ اس کے بعد سیرت کے سلسلے میں جو قرآن آتا رہے گا۔ ان کے صرف وہ معنی بیان کئے جائیں گے۔ جو اس وقت مخاطب سمجھتا تھا۔

۱۔ الحمد۔ کسی دیوتا کی جے پکارنا۔ یا اس کی تعریفیں کرنا جیسے کہ احد میں ابو سفیان نے کہا تھا اعل ہبل (ہبل کی جے ہو) آنحضرتؐ نے جواب دلوایا تھا اللہ عز و جل (اللہ ہی طاقت و جلال والا ہے نہ کہ ہبل) اسی طرح وہ لوگ للت

ومنات وعزیٰ کو غرانیق العلیٰ (اونچی اور عزت والی دیویاں) بھی کہتے تھے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ کے نام کی جے پکارو۔ اس کے نام کو بلند کرو۔ اس کے نام پہ نصیحت کرو کہ غیر اللہ کو اپنا رب یا آقا نہ مانو۔ صرف اللہ کو مانو

۲۔ اللہ — ال الٰہ کا مخفف ہے یعنی وہ معبود جو سب کا خالق ہے نہ کہ دوسرے الٰہ یا دیوتا جن کی لوگ بندگی کرتے ہیں۔ وہ ال اللہ خالق وعلیم ہے دوسرے الٰہ مخلوق اور شیطانی جماعت کے بنائے ہوئے ہیں۔ خود مجبور رہیں۔

۳۔ رب — آقا۔ مالک (جو ہر زمانے میں خود غرض اور ظالم ہوتے رہے ہیں)

۴۔ العالمین — انسان۔ قومیں (نہ کہ کائنات) مثلاً صدور العالمین، ذکران من العالمین وغیرہ۔

۵۔ الرحمان — اسم علم جو نصاریٰ خصوصیت سے اللہ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور قریش اس لفظ کو نہ جانتے تھے نصاریٰ کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے۔ حالانکہ رحیم کو رحم سے مشتق ہونا تسلیم کرتے تھے۔ قرآن میں رحمان اللہ کا مترادف ہے (قل ادعو اللہ او ادعو الرحمان)

۶۔ ملک — فیصلہ کرنے والا بادشاہ یا قاضی (احکم الحاکمین، خیر الفاصلین)

۷۔ یوم الدین — یوم الفصل۔ یوم الحساب۔ جس دن ملک الناس لوگوں کے اعمال کی جزا سزا دے گا۔

۸۔ ایاک — صرف خدا کی۔ یہاں اس تعبد واستعانت سے انکار ہے جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں سے کرتے ہیں۔

۹۔ نعبد۔ لہٰذا یہ اعلان ہے کہ ہم دوسروں کے عبد نہیں صرف تیرے عبد بنتے۔ رب کے یا آقا کے ہوتے ہیں اور سب مل کر جماعتی طور پر بندہ ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

(مقصد عبودیت کا اظہار ہے نہ کہ عبادت و پوجا و قربانی) اس کے علاوہ جمع کا صیغہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بندگی جماعتی ہو انفرادی نہ ہو۔

۱۰- اھدنا - ہدایت۔ پر ڈالنا ضلال سے نکالنا سب کو (جمع کا صیغہ ہے)

۱۱- صراط المستقیم یہ رومی لفظ صطراطا (STRATA) ہے جو راہ راست روما کو جاتے تھے۔ یہ سڑک پختہ اور بلند ہوتی تھی اس کے محافظ و نگراں سرکاری ہوتے تھے۔ رستہ میں سرائیں اور بازار ہوتے تھے اور مسافر کو کوئی خطرہ نہ ہوتا تھا۔ یعنی وہ شاہ راہ جو سب سے چھوٹی ہو پر پیچ اور تکلیف دہ نہ ہو۔ ایسی شاہ راہ جس پر پڑتے ہی بے لاہ روی یعنی موت سے مسافر بچ جائے۔ اور منزل پر پہنچے یا نہ پہنچے یعنی اپنی زندگی میں مقصد تک رسائی ہو یا نہ ہو مگر گمرہی سے بچ جائے اور ادھر ادھر بھٹکنے کی جگہ اسے یقین ہو جائے کہ اس شاہ راہ پر پڑنا ہی نجات ہے۔ اب نہ رستے میں پیاس سے موت ہوگی نہ ڈاکو لوٹیں گے۔ یہ محفوظ ترین شاہی سڑک ہے اور بحفاظت سفر طے ہونا یقینی ہے۔

۱۲- الذین انعمت علیہم دنیوی انعامات والی قومیں جو اہل کتاب (یعنی مہذب) اور قانونی زندگی بسر کرتی ہیں۔ دنیا میں فساد کی جگہ ترقی اور امن کی علمبردار ہیں۔ اللہ کے اس قانون کی پابند ہیں کہ سب انسان برابر ہیں اور بھائی بھائی ہیں لہٰذا نہ ایک دوسرے کو لوٹتی ہیں نہ خود غرضی سے کسی کی زندگی تلخ کرتی ہیں۔

۱۳- مغضوب علیہم مغضوب وہ جو اہل کتاب اور مہذب ہونے کے باوجود سود خور اور غلام ساز بن کر خود غلام بن گئے مثلاً یہود اور آزادی کی دولت کھو بیٹھے، اس لئے کہ انھیں تورات میں بار بار خدا پرستی سکھائی گئی لیکن وہ بعل و اشتر ملوخ اور دولت کے دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

سودخوری نے اتنی دناءت پیدا کردی کہ کتاب اللہ (توراۃ) ہی کو چھوڑ بیٹھے اور غلام بن گئے۔ یہ غلامی ان کے مغضوب ہونے کی دلیل ہے۔

۱۴۔ **ضالین** ضال وہ ہیں جو توراۃ و انجیل وغیرہ دیئے جانے کے باوجود یہ نہیں سمجھتے کہ شرک کرنا اور عیسیٰ بن مریم کو خدا ماننا خود خدائی کی توہین ہے۔ بھلا جس شخص کو موت آسکتی تھی کیا اسے حی وقیوم کہہ سکتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت کے بعد گمراہ ہو گئے ہیں مگر ابھی مغضوب نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ ان میں ابھی اہل دل اور سچے راہب موجود ہیں۔

یہ آیت تحویل قبلہ ۲ھ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے یہود کو اتنی سختی سے مخاطب نہیں کیا گیا۔ تحویل قبلہ کے بعد ان کی شرارتوں کو صاف الفاظ میں قرآن نے بتفصیل بیان کیا ہے۔

اب سورہ فاتحہ کے تنزیلی ترجمہ کا مروجہ ترجمے یا مفہوم سے مقابلہ کیجئے اور اندازہ کیجئے کہ خود رسول عربی صلعم کے زمانے کے لوگ اس دعوت کا کیا مفہوم لیتے تھے:۔

سورۃ الحمد کے دو ترجمے

عام ترجمہ (۱)	حقیقی ترجمہ اور مفہوم بزمانۂ نزول ۸۲
۱۔ اصل تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے	۱۔ کوئی شکر گذاری سوائے ال الٰہ کے اور کسی (دیوتا یا الٰہ وغیرہ) کے لئے مناسب نہیں اس لئے کہ وہی سب انسانوں (یا قوموں) کا آقا (خداوند) ہے۔
۲۔ وہ نہایت ہی مہربان بہت ہی رحم والا ہے	۲۔ (اس کا دوسری قوموں) میں ایک نام)

	الرحمان ہے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے (یعنی دوسرے آقاؤں اہون یا دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں)
۳۔ وہ انصاف کے دن کا مالک ہے	۳۔ وہی روز جزا کا قاضی (بادشاہ) ہوگا (لیکن اس کے عدل میں رحمت شامل ہوگی چونکہ وہ ظالم یا خودغرض آقا نہیں ہے۔)
۴۔ ہم تیری ہی پوجا کرتے ہیں۔ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔	۴۔ ہم سب مانتے ہیں کہ سوائے تیرے ہمارا کوئی آقا نہیں اس لئے ہم تیری ہی بندگی کا اعلان کرتے ہیں؛ اور ہم سب صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں (کسی دوسرے دیوتا وغیرہ سے مدد نہیں مانگتے اس لئے کہ وہ خود مخلوق و لاچار ہیں)
۵۔ ہم کو سیدھا رستہ بتا (یا سیدھے رستے پر چلا)	۵۔ ہم سب کو سیدھی (مختصر ترین) شاہ راہ پر ڈال دے اس لئے کہ اس خدائی شاہ راہ یا اسلام پر پڑ جانا ہی منزل مقصود تک پہنچنے کا مترادف ہے
۶۔ ان کا رستہ جن پر تونے اپنا فضل کیا۔	۶۔ ان قوموں کی شاہ راہ پر (ڈال دے) جن پر تونے اپنا فضل وکرم کیا ہے (یعنی وہ خدا پرست مسلم کتابی اور نیک عمل قومیں جو پہلے گزر چکی ہیں
۷۔ نہ (ان کا رستہ) جن پر تیرا غصہ ہوا۔ نہ (ان کا) جو رستے سے بھٹک گئے۔	۷۔ ان لوگوں کی راہ پر نہ ڈال) جن سے تو ناخوش ہوا۔ نہ ان لوگوں کی راہ پر ڈال جو شاہ راہ سے بھٹک رہے ہیں (یعنی وہ قومیں جو کتابی ہونے کے بعد امی بن گئیں یا کتاب کو چھوڑ کر ظلم و تعدّی کی گمراہی میں پڑ گئیں ان کے رستے پر نہ چلا)

سیرت الامین

جناب محمد عربی کی زندگی مبعوث ہونے سے پہلے

[ربیع الاول سلہ محمدی تا رمضان سلکہ محمدی
جون سنہ مسیحی تا دسمبر سنہ ء]

"دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ جس انسان نے نسل انسانی پر اثر ڈالا وہ محمدؐ تھے۔" (ڈریپر۔ یورپ کی ذہنی ترقی ج ا ص ۳۲۹)

"اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمدؐ اپنی زندگی کی ابتداء سے ایسے عملی انسان تھے جو بدھ اور یسوعؑ ہرگز نہ تھے۔" (تاریخ ادبیات عرب۔ آرتھر ناٹ ص ۱۱۹)

"لوگوں کو چاہیے کہ اس گہرے دل والے انسان کے کلام کو سنیں۔ یہ کلام اس شخص کے دل کی گہرائیوں سے نکلا تھا جو صحرا کی پیداوار تھا۔" (کارلائل ہیرو بحیثیت نبی کے)

"تاریخ میں یہ ایک تنہا مثال ہے کہ محمدؐ تین چیزوں کے بانی تھے، یعنی ملت، مذہب اور سلطنت۔ اُن کے متعلق سب سے حیرت میں ڈالنے والی چیز یہ ہے کہ انھوں نے کبھی معجزہ دکھانے کی طاقت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ اِس سے زیادہ ان کے خلوص کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی لقب کا دعویٰ کیا جسے بلند ترین فلسفہ اور سچی عیسائیت ایک دن ضرور تسلیم کرے گی کہ وہ رسول تھے۔ یقیناً وہ اللہ کے خاص رسول تھے۔" (باسورتھ سمتھ۔ محمدؐ اور محمدیت ص ۲۴۰)

"رسالت سے پہلے ہی آپ کا نام دور دور مشہور ہو گیا تھا۔ آپ حلم و مروت امانت و دیانت کا نمونہ تھے۔ اسی لئے آپ کو "الامین" کا لقب دیا گیا تھا......" (الحدیث)

عربستان، چھٹی صدی مسیحی میں

این کہنہ رباط را کہ عالم نام ست - آرام گہ ابلق صبح و شام ست
بزمیست کہ واماندۂ صد جمشید ست گوریست کہ تکیہ گاہ صد بہرام ست (خیام)

لاکھوں، کروڑوں، اربوں نہیں بلکہ ان گنت ستاروں کے اندر صرف چند نودس سے ایک ذرہ بے مقدار بھی گردش کر رہا ہے، جس کا نام ارض ہے۔ ہزار برسوں کے اندر نہ اس کی شعلہ فشانیاں باقی رہیں نہ رنج بشگیاں۔ نہ وہ طوفان برق و دخان رہ گئے نہ زلزلے اور تلاطم۔ عناصر اربعہ میں اعتدال پیدا ہو گیا۔ نباتات و حیوانات نے بحر و بر میں اپنا جلوہ دکھایا۔ اور شہد کی مکھیوں اور دیمکوں نے ایک منظم سوسائٹی قائم کر لی۔

اسی دور میں اس ذرہ پر ایک ایسا حیوان ظاہر ہوا جو ناطق تھا۔ لیکن اس کا نطق و شعور ایک جن (سانپ شیطان) کے وسوسوں سے تاریکی (کفر) میں پڑ جاتا تھا۔ وہ اتنا خود غرض تھا کہ اپنے بھائی کی خوش حالی نہ دیکھ سکتا تھا اور اسے قتل کر کے اس کی محنت کی کمائی ہڑپ کر لیتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہوس اور لالچ اس کے خمیر میں داخل تھی۔ ہزارہا سال کی تاریخ سے یہی نظر آتا ہے کہ قدرت نے جو علم بھی اسے دیا اس نے اپنے بھائیوں کو قتل اور اپنی بہنوں کو غلام بنانے میں صرف کیا۔ لاکھوں قابیل پیدا ہوئے اور اپنے بھائیوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں پر فخر کرتے ہوئے گزر گئے۔ ہزاروں ہادی اور مصلح پیدا ہوئے مگر نہ تو پروہتوں، ساحروں اور کاہنوں کے اقتدار سے انسانیت کو نجات دلا سکے، نہ خوف بھوک اور رنج پیدا کرنے والے قابیلوں کی خون آشامی کو کم کر سکے۔ نوا شر نے بار بار یہ کہا: اہرمن دور باش، یزداں قریب شو۔ یجر وید کے رشیوں نے صدا دی "اے خالق کائنات

وشوانی دیو برائیوں کو دور کر دے۔ بھلائیوں کے نزدیک لاانجل نے کہا کہ "خدایا تیری عادلانہ حکومت آسمان ہی تک کیوں محدود ہے۔ اگر زمین پر بھی ہوتی تو زندگی نوبل جاتی" اور آخرکار دنیا پر ایک یاس و قنوط طاری ہو گیا، اور لوگ خیام کے لفظوں میں قسمت کا رونا رونے لگے

پاک از عدم آمدیم و ناپاک شدیم آسودہ در آمدیم و غمناک شدیم
بودیم ز آب دیدہ در آتش دل دادیم بباد عمر و در خاک شدیم

پروہتوں نے بادشاہوں کے نسل تہذیب کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ذہنی اور جسمانی غلامی ہر جگہ پھیل چکی تھی اور ہر جگہ مصلحین کے خون سے پروہتوں یعنی ذہنی غلام سازوں کے ہاتھ رنگین تھے۔ تحقیق نہیں کہ گوتم بدھ کو جان بوجھ کر زہر آلود گوشت کھلا دیا گیا تھا لیکن یہ تو معلوم ہے کہ سقراط کو اسی لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا تھا کہ شہر کے بت اپنی حماقتوں کا پردہ فاش ہونے سے ناراض تھے۔ یہود کی پوری تاریخ قتل انبیا کی شہادت دے رہی ہے۔ ارسطو نے غلامی کو انسان کے لئے ضروری اور فطری بنایا۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ اس کے شاگرد کی خونیں داستان اب تک لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ مسیح سے پہلے جس طرح ایران و یونان برسر پیکار تھے۔ اسی طرح مسیح کے بعد قیصر و کسریٰ ایک دوسرے کے ملک کو تباہ کر رہے تھے اور چھٹی صدی مسیحی میں یہ نوبت آگئی تھی کہ مصر سے ایران تک پوری آبادی زیر و زبر ہو چکی تھی۔ مانی زندہ جلائے جا چکے تھے اور ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ دنیا میں امن پیدا کرنے کے لئے زردشت، بدھ اور مسیح تینوں کی رحم و کرم کی تعلیم اور روحانی ترقی کے حامی تھے۔ نوشیرواں ابھی شہزادہ خسرو کے نام سے مشہور تھا اور بعد میں پروہتوں نے اسی کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے دنیا میں مشہور کئے مگر یہ بات چھپائے نہ چھپ سکی کہ مزدک اور اس کے ہزارہا ساتھیوں کو اس نے زندہ درگور کر دیا قصور صرف یہ تھا کہ خسرو کا باپ اس کا پیرو تھا اور چاہتا تھا کہ عورت کی غلامی دور ہو اور زمین اور دولت کی مساوی تقسیم ہو۔ اسی زمانے میں ست دھرمیوں

یعنی گوتم بدھ کے ماننے والوں کا ہند میں یہ حال ہو رہا تھا کہ ان کے وہار مٹائے جار ہے تھے اور جو لوگ خونی قربانی کو چھوڑ رحم مجسم بن گئے تھے وہ یا تو ہند سے نکالے جا رہے تھے' یا جان کے خوف سے اپنے مذہب کو ترک کرنے پر مجبور تھے۔ اور جو اپنے مذہب پر لعنت نہ بھیجتے تھے وہ قتل کر دیئے جاتے تھے (تاریخ ادبیات بنگال۔ ڈی۔ ان۔ سین، صفحہ ۲،۳) بہت سے ست دھرمی جلاوطن ہو کر پورے ایشیا میں پھیل گئے اور ان کے فقیروں نے عقل مدھم کی تعلیم چین سے ترکستان اور وہاں سے مصر و یونان تک پھیلادی۔ ہزار ہا مدرسے اور خانقاہیں کھولیں اور سیکڑوں اسپتال مویشیوں تک کے علاج کے قایم کر دئے۔

اسی چھٹی صدی تک مسیحی دنیا کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ ان کا کلمہ بھی متعین نہ تھا۔ کوئی توحید کو مانتا تھا کوئی تثلیث کو۔ کوئی کہتا تھا کہ باپ خدا' بیٹے خدا سے پہلے تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ دونوں ساتھ ساتھ تھے کسی کو تقدیم زمانی حاصل نہ تھی۔ کوئی کہتا تھا آدم نافرمانی نہ کرتے تو ہمیشہ زندہ رہتے۔ کوئی کہتا تھا کہ مریم خدا کی ماں نہیں بلکہ مسیح کی ماں تھیں۔ غرضیکہ بات بات پر کفر' جلاوطنی اور قتل کا بازار گرم تھا۔ حتی کہ جب مذہبی گروہ بندی ہو گئی تو انطاکیہ' قسطنطنیہ' اسکندریہ اور روم کے کلیسا بن گئے۔ اور اس کلیسا نے سلطنت کو اپنا آلہ کار بنا لیا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ نے فرمان جاری کر دیا کہ بیماری کا علاج کرانا کفر ہے' سب بیماروں کو چاہئے کہ گرجے کے بتوں' بپتسمہ کے پانی اور پادریوں کے تعویذوں اور دعاؤں کے ذریعے علاج کریں۔ اس لئے جو طبیب دوا کرتا ہوا پایا جاتا وہ قتل اور ہزاروں بڈھی عورتوں کو جادوگرنی سمجھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ اور خود ایک عیسائی فرقہ دوسرے کو قتل و جلاوطن کرانے پر فخر کرتا

عرب کا ملک ایک آزاد ملک تھا جب سے دنیا قایم ہوئی' یا یوں کہنا چاہئے کہ جب سے تاریخی دور شروع ہوا عرب میں' اور خصوصیت سے اس خطہ حجاز میں کسی غیر قوم

کا حملہ نہیں ہوا۔ یہ لوگ ہمیشہ آزاد رہے۔ اور انہوں نے ایک بن لکھا قانون بنا لیا جس پر ان کی قبائلی زندگی کا مدار تھا۔

پورا قبیلہ ایک فرد واحد سمجھا جاتا تھا۔ اور اگر اس میں سے کسی شخص کو دوسرے قبیلے والا قتل کر دیتا تھا تو اس قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دینا ضروری تھا۔ انتقام کا یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہتا تھا۔

انسان کی دو ہی قسمیں تھیں، ایک آزاد اور دوسرا غلام۔ آزاد کو پورا انسان سمجھا جاتا تھا اور غلام کو ادھورا۔ اسی لئے غلام کا خون بہا نصف ہوتا تھا لیکن عورت کو بھی مرد کے مقابلے میں آدھا سمجھا جاتا تھا۔ لہذا غلام مرد اور آزاد عورت کا درجہ برابر ہی تھا۔ لیکن شرافت کا بلند ترین معیار یہ تھا کوئی شخص لونڈی کے بطن سے نہ ہو۔ آزاد باپ اور آزاد ماں کا بیٹا ہو۔ اور قصاص لینے میں کوتاہی نہ کرے فیاضی اور مہمان نوازی ان کی گھٹی میں پڑی تھی، اور جو لوگ دولتمند ہوتے تھے وہ مہینوں اونٹوں کے گوشت کا جوا کھیلتے تھے اور جیت کر سینکڑوں تماشائیوں کو گوشت کھلاتے تھے اور شراب اپنے پاس سے پلاتے تھے۔ اسلام نے فیاضی کے اس طریقے کو منع کر دیا۔ لیکن اطعام کو فرض قرار دیا

وہ لوگ بت پرست بھی تھے اور ان میں بعض خدا پرست بھی تھے۔ منکر و ملحد بھی تھے جو نہ بتوں کی پروا کرتے تھے نہ خدا سے ڈرتے تھے۔ بعث بعد الموت کے منکر تھے اور ظلم کرنے یعنی انتقام لینے پر فخر کرتے تھے ان کے کاہن، ساحر اور شاعر ہمیشہ شرافت کے ان اصولوں کی تبلیغ کرکے جنگ اور غارت گری، اور جوئے کی فیاضی پر لوگوں کو مائل کرتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ خبریں ہمیں دیوؤں اور جنوں کے وزیلے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ان کا پیشہ ہی یہ تھا کہ لوگوں کو لڑائیں اور جیتنے والوں سے رقمیں بطور انعام کے وصول کریں۔ شاعروں نے عربوں میں

، یہ مثل عام کر دی تھی کہ ؎ من لا یَظلم الناس یُظلم ۔ یعنی اگر تم ظلم نہ کرو گے تو دوسرے تم پر ظلم کریں گے ۔

ان میں حریت و شرافت کے جو معیار قائم ہو گئے تھے اس کے اعتبار سے عورت نہ تو جنگ میں کام آسکتی تھی، نہ فقر و فاقہ کی مصیبتوں کو برداشت کر سکتی تھی، اس لئے بعض مفلس خاندانوں میں رسم قائم ہو گئی تھی کہ لڑکی پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھی، یا کچھ دنوں کے بعد یہ رسم ادا کر دی جاتی تھی ۔ اور سوسائٹی اسے برا نہ سمجھتی تھی ۔ وہ دیوتاؤں کے خوش کرنے کو قربانیاں بھی کرتے تھے ۔ اور یہ بھی رسم تھی کہ اپنے بچوں کو دیوتاؤں کے نام پر ذبح کر دیتے تھے ۔ اگر ان کی دعا قبول ہو جاتی تھی تو دیوتاؤں کے خوف سے وہ پروہتوں کے سامنے حسب وعدہ اپنی قربانی پیش کر دیتے تھے، خواہ وہ ان کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو ۔ البتہ بعض ملکوں کی طرح ان میں یہ رسم نہ تھی کہ لڑکیوں کو دیوتاؤں کے نام پر مندر کی خدمت کے لئے وقف کریں ۔ عورت کے عزت و شرف کو وہ اس طرح کی خدمت سے بالاتر سمجھتے تھے اور کسی لونڈی سے بھی یہ خدمت نہ لیتے تھے ۔

غیر ملکی اثرات چھٹی صدی مسیحی تک عرب میں غیر ملکوں کے ہزارہا یہودی، زردشتی نصرانی اور صابی (جن میں شاید بدھ مذہب والے بھی ہوں گے) پناہ لے چکے تھے لیکن ان کی کوئی سلطنت کسی جگہ قائم نہ تھی ۔ شمالی عرب میں جو علاقے ایران سے متصل تھے وہ ایران کے حلیف تھے اور جو شام کی طرف تھے وہ نصرانی ہو گئے تھے اور شہنشاہ قسطنطنیہ کے زیر اثر تھے ۔ البتہ چوتھی صدی مسیحی میں حبشیوں نے (جو عیسائی ہو گئے تھے اور جو دراصل مینی عرب ہی تھے) حبش سے واپس آکر حمیری سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور اپنی سلطنت قائم کر لی ۔ اور نصرانیوں کو دین سے پھرانا شروع کیا حتی کہ ۵۲۵ء میں سیکڑوں مسیحیوں کو

زندہ جلادیا - قرآن میں انھیں اصحاب الاخدود کہا گیا ہے۔ آخر اسی سال قسطنطنیہ کے حکم سے حبشہ کے نصرانیوں نے ظالم یوسف ذونواس حمیری کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ لیکن آنحضرتؐ کی ولادت کے پانچ سال بعد اس نصرانی سلطنت کا بھی فارس والوں نے ۵۷۵ء میں خاتمہ کردیا۔ گویا پورے عرب میں پہلی دفعہ یمن کے علاقے پر ایک غیر ملکی قوم کی حکومت قائم ہوئی۔ اور سوائے حجاز کے کوئی ایسا علاقہ نہ تھا جو مکمل طور پر آزاد ہو اور جہاں دنیا بھر کے ستائے ہوئے اور جلا وطن کئے ہوئے لوگوں کو پناہ ملتی ہو۔

حجاز کے شہر حجاز میں تین شہر خاص اہمیت رکھتے تھے؛ طائف، مکہ اور مدینہ۔ یہ تینوں شہر ان صراطوں (شاہ راہوں) پر واقع تھے جن سے ہند کی تجارت گزر کر مکہ تک پہنچتی تھی اور وہاں سے شام، مصر، عراق اور حبشہ تک خشکی و تری کے کاروان دو فصلوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔ گرمی کی تجارت یعنی (رحلۃ الصیف) موسم بہار میں شروع ہوتی تھی۔ اور اس موقع پر طائف اور مکہ کے درمیان ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔ اسے حج اکبر بھی کہتے تھے۔ تجارت کا بازار گرم ہوتا، اور ہر ملک کا مال تبادلے کے لئے موجود ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ کل دنیا کی خبروں اور خیالوں کا تبادلہ بھی ہوتا تھا۔ ہند کے تاجر زائر اور مہاجر سمرقند و بخارا، ایران و عراق، شام و روم، مصر و حبشہ کے تاجروں سے مل کر ایک دوسرے ملک کی داستانوں کو سنتے تھے۔ شاعروں اور خطیبوں، افسانہ گوؤں اور جوتشیوں، پروہتوں اور ساحروں کو اس زمانہ میں محنت کی دولت ملتی تھی۔ آج بھی کسی مشرقی ملک کے میلوں میں یہی روایات دیکھی جاسکتی ہیں۔

طائف ایک زرخیز پہاڑی علاقہ میں واقع ہے۔ اس کی چار دیواری بہت مضبوط تھی۔ اس کی دیوی لات تھی۔ کعبہ کی طرح اس طاغیہ کی بھی پرستش طواف

اور قربانی کے ذریعے ہوتی تھی یہ ہندوستان کے کاروانوں کی گزرگاہ پر واقع ہونے کی وجہ سے تجارتی منڈی بن گئی تھی۔ دولت مند طبقہ سود خوری اور تجارت کی وجہ سے مالا مال تھا۔ یہاں سے آگے چل کر مکہ کے راستے میں ایک گاؤں نخلہ تھا۔ وہاں عزیٰ دیوی کا مندر تھا۔ اس کے پجاری آنحضرتؐ کے چچا ابو طالب کے دوست تھے۔ اور طائف سے بے نیل مرام واپس ہونے کے بعد آنحضرت اسی گاؤں میں ٹھیرے تھے۔ نخلہ کے آگے مکہ تھا۔ وہاں جو عمارت بتوں کے لئے بنی ہوئی تھی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے سے قائم تھی۔ اسے کعبہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی شکل تقریباً مکعب ہے اس کے ایک کونے میں ایک پتھر لگا ہوا ہے اور اس کا رخ تقریباً مشرق کی طرف ہے۔ جب اس پر سورج کی شعاعیں براہ راست پڑتی ہیں تو حج اکبر کا موسم، یا اعتدال ربیعی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سال کے بیچ میں دوبارہ اعتدال خریفی ہوتا ہے اور رجب کے مہینہ میں حج اصغر ہوتا ہے۔ ان ہی زمانوں میں ہر جگہ کے تاجر قریش کی حفاظت میں حرمت کے چار مہینوں میں جاڑے اور گرمی کی تجارت کو نکالا کرتے تھے۔ حج اکبر کے موقع پر تین مہینے عرب بھر میں امن عام رہتا تھا۔ حج اصغر کے موقع پر یعنی رجب میں صرف ایک مہینہ امن رہتا تھا۔

حج اور نوروز ہر ملک میں یہ دستور تھا کہ مہینہ چاند سے شروع کرتے تھے۔ لیکن شمسی موسم سے مطابق کرنے کے لئے ہر تیسرے سال ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے۔ اس طرح اعتدال ربیعی سے سال شروع ہوتا تھا۔ یروشلم میں مسیحیوں کے لئے یہ نوروز کا زمانہ وہی تھا جس میں حضرت مسیح وہاں گئے تھے اور یہودیوں نے ان پر مقدمہ چلوایا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ (مسیح) کہتے ہیں۔ اور رومی عدالت کو مجبور کیا تھا کہ انھیں رومی سلطنت سے بغاوت کی سزا دے۔ خود یہودی اس موسم میں عید فصح مناتے ہیں یعنی انھیں اسی زمانے میں مصری غلامی

سے نجات ملی تھی۔ ایران والے اس کو موسم بہار کہتے تھے اور جشن [روز] جمشید کے زمانے سے جاری تھا۔ ہند میں اسی موسم کو بسنت یا بہار کہتے تھے اور ہولی کا تہوار اور میلہ کئی دن جاری رہتا تھا۔ عرب کے جوتشی بنو کنانہ کے خاندان سے ہوتے تھے اور نامی الشہور کہلاتے تھے۔ ان کا یہ کام تھا کہ جب دو سال ایک ہی موسم میں حج اکبر ہو چکے تو تیسرے سال یہ بتائیں کہ آیندہ سال کس مہینہ کو ذی الحجہ مانا جائے۔ وہ غالباً نجوم سے واقف ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مختلف ملکوں کے تاجروں سے انھیں معلوم ہو جاتا تھا کہ آیندہ سال کس مہینہ میں میلہ ہونا چاہئے اور خود کعبہ جس طرز پر بنایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم بابل کے علوم ہیئت سے واقف تھے اور جس طرح ستارہ پرستی اور رفتار شمس و قمر کو معلوم کرنے کے لئے وہاں مندر اور رصدگاہیں بنائی گئی تھیں اسی طرح آپ نے حضرت اسمٰعیل کی مدد سے کعبہ تعمیر کیا تھا گویا یہ رصدگاہ بھی تھی اور عبادت گاہ بھی۔

آنحضرت نے جس طرح ہفتہ کے دنوں کے مشرکانہ ناموں کو بدل دیا۔ اسی طرح ۹ھ اور آخری حج میں بزبان وحی سے فرمایا کہ اس سال سے نسی بند ہو جائے گی اور سال کے بارہ مہینے رہیں گے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ آج دن رات اعتدال پر ہیں۔ لیکن آپ آیندہ سال وفات پا گئے اور لوگوں نے نسی کو تو منسوخ کر دیا لیکن شمسی سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم نہیں کیا۔ اگر آپؐ زندہ رہ جاتے تو یہ بات صاف ہو جاتی۔ غالباً آپؐ کی مراد یہ تھی کہ جس طرح جولین کلنڈر شمسی سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرتا ہے اور پوری مسیحی دنیا اس کو مانتی ہے جو اہل کتاب ہے۔ اسی طرح ان کی پیروی کی جائے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا کہ ہر سال دونوں حج یا میلے ایسے موسم میں ہوا کرتے جو اعتدال ربیعی اور خریفی کے مطابق ہوتے۔ اس کے علاوہ موسم رمضان بھی ہمیشہ ۲۵ر نومبر سے ۲۵ر دسمبر تک ہوا کرتا۔ اور مسلمانوں کی عید، نصاریٰ کی

عید میلاد مسیح کے دن ہوا کرتی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ مسیحی بھی اس رمضان کے موسم میں ۱۵ر نومبر سے ۲۵ر دسمبر تک چالیس دن کے روزے رکھتے تھے۔ اور شاید مشرقی کلیسا والے اب بھی اس کے پابند ہیں۔ یہ روزے ولادت مسیح کی خوشی میں رکھے جاتے تھے۔ اور خود آنحضرت غار حرا پر اسی زمانہ میں اعتکاف تحنث اور عبادت میں وقت بسر کرتے تھے۔ اسی عبادت وصوم کے زمانے میں ۱۷۔ رمضان یا وسط دسمبر میں آپ پر پہلی وحی الہٰی نازل ہوئی تھی۔

عرب میں عبادت کا طریقہ یہ تھا کہ بتوں یا بتخانوں کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے اس کے بعد سر منڈا کر ناخن کٹوا کر نہاتے تھے' اور دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں کرتے تھے۔ یہی طریقہ عبادت کعبہ میں رائج تھا۔ اور جو نہیں جانتے انہیں حیرت ہوگی کہ ہند میں اب تک یہی طریقہ عبادت جاری ہے۔ بت ہو' بتخانہ ہو' گرو ہو یا عقد نکاح (گٹھ بندھن) ہو' پرستار' چیلا' یا جوڑا اپنے معبود' استاد یا خاوند کے گرد سات مرتبہ چکر لگاتا ہے پھر سر منڈا کر نہاتا ہے اور اگر قربانی کرنے والے فرقے سے متعلق ہے تو قربانی کرتا ہے ورنہ کچھ نقد و جنس پھول پھل چڑھاوا یا نذر کرتا ہے۔ آنحضرت نے اس طرز عبادت کو باقی رکھا لیکن بتوں کی جگہ اللہ کو معبود قرار دیا اور داہنے سے بائیں جانب طواف کی جگہ (جو ہند میں اب تک جاری ہے) بائیں سے داہنی طرف طواف کا حکم دیا۔ اور قربانی کے متعلق قرآن نے کہا "خدا کو قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ و پرہیز گاری اسے پسند ہے"
(لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم)۔

مکہ اور قریش طائف زرخیز تھا۔ مکہ ایک بنجر علاقہ میں واقع تھا اس لئے اس کی آبادی کی زندگی کا انحصار کعبہ کی پروہتی اور مختلف ملکوں کی تجارت کی آمدنی پر تھا۔ اس قصبہ کی آبادی ان خاندانوں پر مشتمل تھی

جو قریش کی اولاد سے تھے۔ قریش بنو اسمٰعیل تھے یعنی عرب کے قدیم باشندے نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل کے زمانے سے انھوں نے عرب کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ احد کی لڑائی سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بڑا شہر نہ تھا۔ البتہ ایسی وادی میں جو بے آب و گیاہ ہو ہزار دو ہزار انسانوں کی بستی بھی کافی بڑی بستی کہی جا سکتی ہے۔

چوتھی صدی میں ایران و قسطنطنیہ کی جنگ آزمائیوں کی وجہ سے تجارتی راستے غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ اسی لئے مکہ کی تجارت بھی سرد پڑ گئی تھی۔ چھٹی صدی کے شروع میں آنحضرت کے حقیقی پردادا ہاشم نے عرب میں پھر کر یہ طے کیا کہ جس قافلے کے ساتھ قریش کا کوئی آدمی ہو وہ کسی مہینے میں بھی خواہ وہ حلال ہو یا حرام نہ لوٹا جائے۔ اس کے بعد اس نے قیصر و نجاشی سے تجارتی معاہدے کئے اور اپنے چچا عبدالدار سے کعبہ کی خدمت کے دو عہدے بھی اپنے خاندان کے لئے چھین لئے۔ اس وقت سے عبدالدین اور ہاشمیوں میں نفرت کی ابتدا ہو گئی۔ اور بنو عبدالدار (خانہ کعبہ کے بندوں) اور ہاشمیوں میں آنحضرت کے وقت تک کشمکش جاری رہی۔

رسول اللہ کی ولادت سے چالیس سال پہلے ابرہہ گورنر یمن نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت رسول اللہ کے دادا عبدالمطلب بنو ہاشم کے سردار تھے۔ انھوں نے قدیم زمزم کنوئیں کا سراغ لگا لیا تھا۔ اور کھود نکالا تھا۔ یہ کعبہ سے چند گز کے فاصلے پر ہے اور زائروں اور تاجروں کے لئے ایک نعمت ہے۔ اس لئے ان کی دولت اور عزت بڑھ گئی تھی ان کے دس لڑکے بھی پیدا ہو چکے تھے اس لئے خیال یہ تھا کہ ابرہہ کو روکنے کی کوشش میں یہ بھی شریک ہوں گے۔ مگر چونکہ ان کے والد ہاشم نصرانیوں کے دوست تھے انھوں نے بھی اس دوستی کو نبھایا اور کعبہ کو بچانے کے لئے ایک انگلی بھی نہ ہلائی۔ بلکہ ابرہہ نے ان کے ضبط شدہ اونٹ واپس کر دیئے۔ یہ حسن اتفاق تھا کہ اس کی فوج میں چیچک پھیل گئی (دیکھئے طبری)

ورنہ وہ تجلہ کعبہ کو ڈھا دیتا، یا اسے مسیحی گرجا بنا دیتا۔

عبدالدار کو بنو ہاشم سے اتنی نفرت تھی کہ جب آنحضرتؐ نے رسالت کے فرائض انجام دینا شروع کئے اور بنو اسرائیل اور حضرت مسیح کے قصے بیان کئے تو وہ یہ سمجھے کہ مسلمانوں نے نصاریٰ سے ساز باز کرلیا ہے۔ لہٰذا نصاریٰ کے دشمنوں سے جا ملے۔ اور نہ صرف رستم و افراسیاب کے قصے بیان کرنے لگے بلکہ رومیوں کی شکست اور ایرانیوں کی فتح پر خوشیاں منانے لگے۔ اور جب نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی تو مسلمانوں کے خلاف شکایتیں لے کر پہنچے۔ پھر بدر میں اور اس کے بعد فتح مکہ تک ہمیشہ قریش مکہ کی طرف سے عبدری ہی علم بردار ہوتے تھے۔ اور آخر وقت تک ابوسفیان نے، جو عبدری تھا، آنحضرت اور اسلام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ غرضیکہ ولادت نبوی کے وقت مکہ کی عبادت، سیاست اور تجارت پران خاندانوں کا قبضہ رہا جو نصاریٰ اور بنو ہاشم کے سخت ترین دشمن تھے۔

مکہ آزاد عرب کا مرکز علم و تجارت تھا۔ حضرت سلیمان کے وقت میں بھی اس کی اتنی ہی شہرت تھی، جتنی مسیح سے پہلے۔ دنیا کی کل تجارتی قومیں نہ صرف اس کی تجارتی مرکزیت سے فائدہ اٹھاتی تھیں، بلکہ اس آزاد آب و ہوا کے آزاد مذاہب اور عام رواداری سے خوش معلوم ہوتی تھیں۔ ایرانی مکہ کو مہ گہ کہتے تھے (چاند کا شہر)، ہندو کاشی کو جو ہند کا علمی و دینی مرکز تھا، اور ہے، اپنی مکتہ (نجات کی جگہ) کہتے تھے اور مکہ کو بھی مکتہ یا مکشہ (نجات کی جگہ) بتاتے تھے۔ بات یہ ہے کہ دونوں جگہ عوامی مذاہب اور پست ترین توہم پرستی کے ساتھ ساتھ بلند ترین فلسفہ اور دینی تصور کا منتہیٰ یعنی توحید وجودی کا تصور موجود تھا۔ مکہ سے اسکندریہ آنے جانے والے تاجر نہ صرف مصری اور مسیحی تثلیث کا مادی

تصور ساتھ لاتے تھے بلکہ مکہ سے ہندو یمن کے بلند خیالات کو وہاں پہنچا دیتے تھے جس کا نتیجہ وہ تصوف ہے جو فلاطوینس نے افلاطونیۃ الحدیثہ NEO-PLATONISM کے نام سے پیش کیا ہے۔ اور جس سے بعد میں ابن رشد نے جرعہ کشی کی ہے۔

عجیب بات یہ بھی ہے کہ ہر ملک میں خدا کو سورج، یا سورج کی مانند یا اس سے بلند تر سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے لئے سامی اور آرین الفاظ بھی ایک ہی مادہ نکلے ہیں۔ مصر قدیم میں سورج کو را کہتے تھے۔ اوستا میں خور کہتے تھے، جس سے خور، خورشید یا ہرا اور ہر (مہر دا) بنا۔ سنسکرت میں یہی لفظ خوریہ سے سوریہ (سورج) بنا۔ اس کے علاوہ مصری را سے مشابہ عربی میں رأ رأ اور رب کا لفظ ہے اور یہی رب سنسکرت میں ر بی یا روی کی شکل میں سورج کے معنوں میں ہے۔ اسی لئے شہرستانی کا خیال ہے کہ کعبہ کا حجر اسود کیوان یا زحل ہے۔ لیکن موجودہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اعتدال شمسی بتانے کا آلہ ہے گویا اعتدال نما ہے۔ زردشتیوں کے خیال کے مطابق ہر دن کا ایک نیا فرشتہ ہوتا ہے۔ غالباً کعبہ میں اسی نسبت سے ۳۶۰ بت تھے اور باہر سورج کی علامت کے طور پر حجر اسود تھا۔

خاندان نبوی رسول اللہ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم تھے۔ یہ قریش کا ایک معزز خاندان تھا۔ یعنی ان کے پاس کعبہ کی سدانت یا پروہتی میں سقایہ (پانی پلانا) اور رفادہ (کھانے کا انتظام کرنا) تھا۔ فوجی اور عدالتی عہدے دوسرے خاندانوں میں تھے۔ سب سرداروں اور بیوپاریوں کی طرح یہ بھی تاجر تھے۔ ان کے دادا نے نصرانی ملکوں سے تجارتی تعلقات زندہ کئے تھے۔ اس لئے یہ بھی ان ملکوں سے تجارت کرتے تھے اور نصرانیوں کو زیادہ دوست رکھتے تھے۔

رسول اللہ کے دادا عبدالمطلب کو زمزم کھود نے میں سخت دقت ہوئی تھی

اس لئے کہ اس وقت تک ان کے ایک ہی بیٹا تھا۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر دس بیٹے پیدا ہو جائیں گے تو ایک کو اللہ (دیوتا یا خدا) کے نام پر ذبح کردوں گا۔ جب دس بیٹے پیدا ہو چکے اور جوان ہو گئے تو انھوں نے قربانی کے لئے قرعہ ڈالا۔ آنحضرت کے والد عبداللہ کا نام نکلا۔ لیکن جب وہ عبداللہ کو قربانی کے لئے لے چلے تو بہنیں بھائی سے لپٹ گئیں اور باپ کی خوشامد کی کہ انھیں ذبح نہ کرو۔ آخر یہ طے ہوا کہ کاہنہ سے پوچھا جائے۔ کاہنہ نے کہا کہ ایک آدمی کا خونبہا دس اونٹ ہوتے ہیں۔ ایک طرف عبداللہ اور دوسری طرف دس اونٹوں کو رکھو اور قرعہ ڈالو اور جب تک اونٹوں پر قرعہ نہ پڑے دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ یہ ترکیب کارگر ہوئی اور جب سو اونٹوں تک نوبت پہنچی تو عبداللہ کی جگہ اونٹوں پر قرعہ نکلا، عبدالمطلب نے سو اونٹوں کو نحر کیا۔ لوگوں نے خوب کھایا۔ پروہت اور دیوتا بھی خوش ہو گئے اور عبداللہ کی جان بھی بچ گئی اسی لئے جناب عبداللہ کا خطاب ذبیح اللہ ہے۔ ان کے جداعلیٰ حضرت ابراہیم نے بھی حضرت اسمعیل کو خدا کے نام پر قربان کرنا چاہا تھا۔ اور ان کی جان بھی اسی طرح بچی تھی کہ ان کے بدلے خدا نے ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی لئے رسول اللہ کے خاندان میں حضرت اسمٰعیل پہلے ذبیح اللہ ہیں۔ مسلمانوں کو ہر سال اس یادگار کو منانا پڑتا ہے اور حج کے بعد وہ جانور ذبح کرکے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اپنے عزیز ترین بچوں کو بھی خدا کے حکم پر نذر کرنے کو تیار ہیں۔ اسی لئے سنت ابراہیمی کے طور پر جانور کو ذبح کرکے صرف اللہ کی بندگی کا اعلان کرتے ہیں۔ (یاد رکھیئے کہ قربانی کے معنی نذر کرنے یا خدا جانے کا خادم بننے کے بھی ہیں)

عبداللہ ذبیح اللہ کی شادی اور وفات

اب جناب آمنہ بنت وہب سے آپ کا نکاح ہو گیا۔ اور نکاح کے چند روز بعد آپ تجارتی سفر کے لئے روانہ ہو گئے لیکن مدینہ سے

خبر آئی کہ وہ بیمار پڑنے اور انتقال ہوگیا۔ اس وقت آنحضرت دو تین مہینے کے بطن مادر میں تھے۔ وراثت میں پانچ اونٹ چند بکریاں اور ایک لونڈی برکت (ام ایمن) چھوڑی۔ یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ یہی ام ایمن تھیں جنھوں نے آنحضرت کو چھ سال کی عمر سے پالا۔ اور آپ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ سے کر دیا تھا۔ زیدؓ کو آنحضرت نے اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ اور پھر اپنی رشتہ کی بہن زینبؓ سے شادی کر دی تھی۔

بیوہ آمنہ کے بچے کی تعلیم

ابھی آنحضرت بطن مادر ہی میں تھے کہ کارکنان قضا وقدر نے خوف وحزن کے مراحل طے کرانا شروع کر دئے تھے۔ ماہرین نفسیات کا اس امر میں اختلاف ہے کہ جنین اپنی ماں کے جذبات سے متاثر ہوتا ہے یا نہیں۔ بہرحال اگر نہیں بھی ہوتا تو ولادت کے بعد ایک یتیم ضرور اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ بیوہ آمنہ کے خاندان میں صرف دو شخص مالدار تھے ایک ابولہب اور دوسرے العباس۔ خود عبدالمطلب اتنے کثیر العیال تھے کہ یتیم بچوں کی پرورش ان کے لئے مشکل تھی۔ بہرحال یہ غنیمت ہوا کہ جناب آمنہ کے بیٹی نہیں ہوئی۔ ورنہ کون جانتا ہے کہ اس کا پیدا ہوتے ہی کیا حشر ہوتا۔

دُرِّ یتیم کی زندگی کے چالیس سال

ایں جام کز دو کونین سیراب کنند۔ ایں نیست کہ پر بادۂ ناب کنند
جامے ست کہ ساقیانِ خمخانۂ لوز۔ از چشمۂ خورشید درو آب کنند (فیضی)

ولادت :۔

صبح صادق کا وقت تھا۔ ربیع الاول کا چاند تاروں کی جگمگاہٹ دیکھ کر عرصے سے غائب تھا۔ تاروں کی ٹھنڈی روشنی پر نورِ سحر فتح پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جون کے مہینے کی گرمی کو صحرا کی رات شکست کامل دے چکی تھی۔ جبل عرفات سے بوقبیس تک صحرا کی نرم خوشبوئیں نسیم سحر کے ساتھ محو خرام تھیں۔ آفتاب عالم تاب کی کرنیں بحر الھادی میں نہا دھو کر کئی گھنٹے پہلے روانہ ہو چکی تھیں۔ وادیٔ ہوانگ ہو میں لاؤ تزے کی سادہ زندگی کنفوشنے کی وضعداری اور بدھ کا آرین مارگ (صراط قدیم) ایک دوسرے سے گلے مل رہا تھا۔ یہ کرنیں کچھ دیر کے لئے وادیٔ زرافشاں میں رک گئیں۔ یہاں سمرقند مشرق کا یونان بنا ہوا تھا۔ ذرا آگے یونانی و ساسانی غلاموں کی فوجیں اپنے آقاؤں کے لئے فارس سے افریقہ تک اور اطالیہ سے فارس تک تباہی پھیلا رہی تھیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ فارس میں یونان، شام روما اور ہند کی بہترین کتابوں کا پہلوی ترجمہ بھی جاری تھا۔ یونان کے فلسفی اہم اکتالیس سال پہلے جسٹینین کے حکم سے اپنے مدارس بند کرکے مشرق میں پھیل گئے تھے۔ پروہتوں نے قومی دیوتاؤں کی عزت کے لئے جنگ کے ذریعے دنیا کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا جن میں ایک ظالم تھا اور دوسرا مظلوم۔

تجارتی راستے تقریباً بند تھے۔ دو مہینے پہلے مکہ سے سب حاجی اور تاجر

رخصت ہو چکے تھے۔ ان میں بعض ابرہہ کے حملے سے گھبرا کر (جو ۱۵۔ محرم کو ہوا تھا) بھاگ چکے تھے۔ یا بہت پہلے سوق عکاظ کی طرف جا چکے تھے۔ مکہ میں سناٹا چھایا ہوا اور بردہت اور تاجر سوق عکاظ میں خوشیاں منا رہے تھے۔ بیوہ آمنہ کے پاس سوائے فاطمہ زوجہ ابوالعاص اور برکت لونڈی کے کوئی نہ تھا۔ فاطمہ کا بیان ہے کہ اس رات کو آسمان کے تارے زیادہ روشن اور قریب تر معلوم ہوتے تھے۔ گویا وہ "دعائے خلیل" اور نوید مسیحا پر نچھاور ہونے کو تیار تھے۔ اور عام الفیل والابتہاج کی نویں یا بارہویں ربیع الاول کی تاریخ کو صبح صادق کے وقت سارا عالم ولادت محمدی کے نور سے پرنور ہو چکا تھا۔

وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذلک الضیاء وفی النور وسبل الرشاد نخترق

(العباس بن عبدالمطلب)

رضاعت عبدالمطلب کو ولادت کی بہت خوشی ہوئی وہ بچے کو گود میں لے کر بیت اللہ کے پاس لائے۔ ساتویں دن عقیقہ کی رسم ادا کر کے دعوت کی اور بچے کا نام محمدؐ رکھا۔ عبدالعزیٰ (ابولہب) نے ولادت کی خوشخبری سن کر ثوبیہ کو آزاد کر دیا اور آپ کے دودھ پلانے پر مقرر کیا۔ لیکن یہ سعادت حلیمہ کے نصیب میں تھی اسے جب کوئی مالدار بچہ نہ ملا تو وہ یتیم محمدؐ کو لے گئی۔ یہ قبیلہ سعد سے تعلق رکھتی تھی۔ اس قبیلے کی زبان پورے عرب میں فصاحت و بلاغت کے لئے مشہور تھی۔ شہری زبانیں عموماً مختلف ملکوں کی بولیوں کے اختلاط سے اصلی پاکیزگی کو چھوڑ دیتی ہیں اس لئے آپ کی ابتدائی لسانی تعلیم بہت پاکیزہ اور اونچے درجے کی تھی۔ دو سال بعد آنحضرت کا شرح صدر ہوا۔ وہ بولنے لگے۔ اور آنے جانیوالے

نوواردوں کو رستہ بتانے لگے۔ اس کے بعد حلیمہ انہیں مکہ لائی لیکن وبا کے خوف سے اور شاید مفلسی کی وجہ سے سیدہ آمنہ نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ حلیمہ ہی کے ساتھ حسنیوں کی زندگی بسر کریں۔ صحرا کی زندگی نے جنگلی جانوروں سے مقابلہ کرنے اور بھوتوں کے نقصوں کا عادی بنا دیا تھا۔ انھوں نے اسی زمانے میں خوف کا مقابلہ کرنا سیکھ لیا تھا۔ بھوک سے لڑنا سیکھ لیا تھا۔ اپنے ہر کام کو خود کرنا سیکھ لیا تھا اور اس ننھی سی عمر میں آپ کو خود اعتمادی کے مدرسے سے یہ تعلیم مل گئی تھی کہ جو شخص خدا پر اعتماد کرتا ہے اس کے پاس خوف اور غم کا گذر بھی نہیں ہوتا۔

(الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم ولا ہم یحزنون)

ہم نے نیفی کی رباعی اسی لئے زیب عنوان کی ہے کہ آپ سمجھ سکیں مدرسہ فطرت میں براہ راست تعلیم پانے اور یتیمی کی زندگی کے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد آپؐ کی جو تربیت ہوئی وہ واقعی ایسی تھی کہ اس جام سے دو کونین سیراب ہو جائیں۔

مدینہ کا سفر ۶ سنہ محمدی

سنہ محمدی کے حج کے بعد سیدہ آمنہ نے اپنے میکہ جا کر اپنے شوہر کے قبر کی زیارت کی واپسی میں ابواء کے قریب بیمار پڑیں اور وفات پائی۔ یتیم محمد اپنی دائی برکہ کے ساتھ مکہ آئے۔ اپنے دادا کے یہاں رہے۔ ان کی وفات پر اپنے حقیقی چچا ابوطالب کے پاس رہنے لگے۔

شام کا سفر ۱۲ سنہ محمدی

ان ہی کے ساتھ بارہ سال کی عمر میں شام کا سفر کیا سوق عکاظ کے میلے تو دیکھتے ہی تھے اب ایک غیر ملک کے شہر کو دیکھا۔ ان کے لباس، بازار، صراطیں، رسم و رواج عربی زندگی کے مقابلے میں زیادہ خوشنما تھے۔ آپ کی نظروں سے ہر قسم کے لوگ گزرے لیکن ہر جگہ دو چیزیں نمایاں تھیں۔ ایک غلام اور مسکین جو نان شبینہ

کو محتاج تھے اور دوسرے مالدار جو ہر روز شراب کباب کی محفلیں گرم کرتے تھے۔ یہ فطری بات تھی کہ ایک صحرا کے پروردہ کی نظر میں اس نمائشی تہذیب کا پول جلد ہی کھل جائے اور ہوا بھی یہی کہ آپ نے راہبوں کی سادہ زندگی کو نوجیوں اور تاجروں کی زندگی کے مقابلے میں بہتر پایا۔ اور آیندہ زندگی میں اس خدا پرست اور خداترس طبقے کی ہمیشہ تعریف کی۔ اور یہ بتایا کہ سیاست کے بغیر بھی راہبانہ زندگی بسر ہو سکتی ہے۔ بہر حال آپ کو یہ تجارتی زندگی اتنی پسند آئی کہ آپ نے چالیس سال کی عمر تک پورے عرب کی خانوادوں اور قوموں ہی کو نہیں دیکھا بلکہ ان تاجروں کے ذریعے دوسرے ملکوں اور قوموں کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔

حلف الفضول ۱۶ سنہ محمدی سولہ برس کی عمر میں آپ کو حرب فجار میں شرکت کا موقع ملا اور اس کے بعد ہی آپ کو اس سوسائٹی کا ممبر بننے کا فخر حاصل ہوا جو مظلوموں کی دادرسی کے لئے بنی تھی۔ اور جس کا نام حلف الفضول تھا۔ اس میں چار خاندان شریک تھے بنو ہاشم۔ بنو المطلب۔ بنو اسد۔ اور بنو زہرہ۔

تعمیر کعبہ آپ کی امانت و دیانت کا یہ ثبوت کافی ہے کہ جب کعبہ کی عمارت نئے سرے بنائی گئی تو ہر ایک خاندان یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو ہم دیوار کعبہ میں لگائیں۔ آخر فیصلہ آپ پر چھوڑا گیا۔ آپ نے ایک چادر بچھادی حجر اسود کو اس میں رکھا اور سب سرداروں سے کہا کہ اس کو اٹھائیں جب وہ سینے کے برابر بلند کر چکے تو آپ نے پتھر اٹھا کر دیوار کے کونے میں رکھ دیا۔ اس پر سب خوش ہو گئے اور آپ کا لقب "الامین" دور دور مشہور ہو گیا۔

نکاح ۲۵ سنہ محمدی آپ کی امانت و دیانت کا شہرہ سیدہ خدیجہ کے کانوں تک پہنچا۔ انھوں نے اپنی بیرونی تجارت

کا آپ کو ناظم مقرر کر دیا۔ ایک ہی سفر کے بعد انہیں معلوم ہو گیا کہ آپ دیانت دار محنتی اور رحمدل انسان ہیں۔ سیدہ خدیجہ کے چچا نوفل نصرانی تھے اور انجیل کا عربی میں ترجمہ کر رہے تھے۔ غالباً انہی کے اثر سے سیدہ خدیجہ بھی اہل کتاب سے واقف تھیں اور دیندار تھیں ان کے دو شوہر مر چکے تھے عمر چالیس سال کی تھی۔ آخر کار آپ سے نکاح ہو گیا اور پچیس سال تک دلوں کی زندگی نہایت محبت اور خوشی کے ساتھ بسر ہوئی آخر شعب کی سختیاں اٹھانے کے بعد سیدہ خدیجہ کا سنہ ۱۰ نبوی میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ آنحضرت نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کے بطن سے آپ کی چار لڑکیاں ہوئیں جو انکی زندگی میں تھیں۔ ان میں سے دو کا نکاح ابولہب کے لڑکوں سے ہوا۔ ایک کا ابوالعاص سے جو حضرت خدیجہ کے بھانجے تھے اور سب سے چھوٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء کا نکاح آنحضرت کے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب سے ہوا۔

تبلیغی زندگی کا آغاز سنہ ۱ محمدی جناب الامین کے عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے اب وہ زمانہ آتا ہے جب آپ نے اسلام کو نئے سرے سے قائم کرنے کا ارادہ کیا اور تائید غیبی سے بیس سال کی محنت شاقہ کے بعد فتح حدیبیہ سنہ ۶ھ میں اصلاحی انقلابی سوسائٹی کی بنیاد ڈال دی یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بیعت رضوان کی تھی۔

احیائے اسلام کا طریق کار آنحضرت کی تبلیغی زندگی بہت سے تاریخی ادوار سے گذرتی ہے۔ ان ادوار میں آپ نے اسلام کو قائم کرنے اور ترقی دینے کے جو ذرائع اختیار کئے۔ انہیں ہم الگ الگ فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ اور ہر دور میں آپ نے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو قرآنی تعلیم دی تھی وہ بھی بیان کرتے ہیں۔

قرآن وسیرت کے مطالعہ سے آپ کی زندگی دس ادوار میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ہر دور کا مقصد ایک ہی ہے لیکن جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے ان کے لحاظ سے طریقہ تعلیم اور طریق احیائے اسلام میں تبدیلی ہوتی رہی ہے ان دس ادوار کو ہم آئندہ دس فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔

سیرت قرآنیہ مکیہ

پہلی فصل

دعوت سراً: احیائے اسلام کے لئے خفیہ تیاری

(دور ب)

۱۷ر رمضان سنہ ۱ھ (دسمبر سنہ ۶۱۱ء) تا ذی الحجہ سنہ ۳ھ (فروری سنہ ۶۱۲ء)

دور اول کی قرآنی تعلیم کا خلاصہ

سورہ ۹۶۔ العلق :۔ وہ آقا جس نے پیدا کیا ہے نہایت ہی کریم ہے۔ وہی علیم ہے۔
سورہ ۹۳ :۔ والضحٰی :۔ یتیم کو پناہ، مفلس کو تعین، اور مفلس کو غنی کرنے والا سوائے رب کے کوئی نہیں
سورہ ۹۴ الانشراح :۔ وہی رب دل کی آنکھیں کھولتا ہے لہٰذا مشکلات سے نہ گھبرانا چاہیئے دکھ کے بعد یقیناً سکھ ہے،
سورہ ۱۱۱: الفلق ۔ یہ حاسد و ساحر شیطان کے گروہ سے ہیں

رب الفلق ان سے بچا سکتا ہے
سورۃ ۱۔ ۱۰۵: الفیل ۱۔۵
رب ہی غرور کا سر نیچا کرتا ہے
اور معمولی چیونٹی سے ہاتھی
کو مار سکتا ہے۔

سورہ ۱۰۷: القدر: جس
رات کو ہدایت عالم کی وحی
نازل ہوئی، اس رات کو
صبح تک دنیا کو سلامتی وامن
کا پیام ملتا رہا۔

پہلی فصل: الامام

یا ھوُ

غارِ حرا اور تحنث

دوش خود را بخواب می دیدم ۔ پیش دولت سرائے صفۂ راز
سر زدم تختۂ درش ناگاہ ۔ از درونش برآمد ایں آواز
کہ بجشان دل مبیں جز دوست
ہر چہ بینی بدان کہ مظہر اوست

(درصالی خراسانی)

وحی اول۔ روم و ایران کی کشمکش نے مصر سے ایران تک تباہی پھیلا دی تھی۔ تجارت بند تھی۔ لوٹ کھسوٹ جاری تھی۔ جناب سیدنا محمد عربی بھی کئی سال تک تجارتی کساد بازاری دیکھ چکے تھے۔ اور رمضان کے مہینہ میں مکہ سے تین چار میل، حرا کی پہاڑی پر چلے جاتے تھے اُس کے اوپر ایک قدرتی غار تھا جہاں سے میلوں تک ریت کے میدان نظر آتے تھے۔ اسی مہینہ میں ۱۵۔ نومبر سے نصرانی بھی ولادت مسیحؑ کی آمد آمد میں ۲۵ دسمبر تک روزے رکھتے تھے۔ آپؐ بھی تحنث یعنی عبرت پذیری اور روزے رکھ کر ایک مہینہ اسی پہاڑی پر گزار دیا کرتے تھے۔ یہ موسم سردی کا ہوتا تھا۔

عام الفیل سنہ ہجری کو ۱۷۔ رمضان کا چاند ڈھل چکا تھا۔ آپؐ بیداری اور خواب کے درمیان تھے کہ آپ نے اسی لیلۃ القدر کو جب کہ تمام دنیا پر سکون و سلامتی نازل ہو رہی تھی۔ یہ آواز سنی کہ رب یا آقا وہی ہے جو خلق کرتا ہے۔ وہ آقا

دنیا کے ظالم آقاؤں کی مانند نہیں ہے کہ اپنی غرض کے لئے اپنے غلاموں کو موٹا کرے، بلکہ وہ آقا اتنا کریم ہے کہ خود غلام کے نفع کے لئے ہر چیز اُسے دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس نے عقل و نطق دے کر اُسے جانور سے انسان بنا دیا۔ سچا علم دیتا ہے تو وہی دیتا ہے"۔ یہ ساحر اور پروہت جو شیطان اور جن سے علم حاصل کرنے کے مدعی ہیں سب جھوٹے ہیں۔ سچا علم سوائے اُس آقا کے کسی کو حاصل نہیں۔ وہی آقا یتیموں کا والی، بھٹکے ہوؤں کا ہادی اور مفلسوں کا معطی ہے۔ وہی دل کی آنکھیں کھولتا ہے۔ وہی ان مغرور دولتمندوں اور فریبی کاہنوں کو سزا دے سکتا ہے، جو غلاموں پر تشدد اور مریضوں کو لوٹنے کے لئے اپنے اپنے مضبوط گروہ ہر ملک میں بنائے ہوئے ہیں۔ وہ انسان کے جسم و جان کو شیطان کی غلامی میں پھنسائے ہوئے ہیں، اور سچے علم کو انسان تک نہیں پہونچنے دیتے۔

مرکزی خفیہ پارٹی۔ صبح کو آپؐ گھر آئے۔ اپنی تجربہ کار بیوی کو حال سُنایا۔ وہ عیسائی خاندان سے بھی قرابت رکھتی تھیں اور شاید رمضان کے روزے، جو اس زمانے میں نصرانی رکھا کرتے تھے، آپ بھی رکھتی تھیں انھوں نے اپنے عزیز ورقہ بن نوفل نصرانی کی شہادت دلوائی اور آپؐ کے یقین کی تصدیق کی کہ یہ شیطانی القا نہیں خدائی وحی ہے۔ انھوں نے تسلیم کیا کہ کسی بت یا پروہت، یا راہب یا مسیح کو رب نہ بنانا چاہیے۔ بلکہ اُس ذات کو رب ماننا چاہیے جو خالق و اکرم ہے۔ آپ پہلی صدیقہ تھیں۔

اس کے بعد عبد الکعبہ (ابو بکرؓ) نے بھی آپ کی تصدیق کی۔ اور آپ کے چچا زاد بھائی علیؓ بن ابی طالب اور آپؐ کے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ، آپ کی دائی اُم ایمن بھی مصدقوں میں شامل ہو گئے۔ عبد الکعبہ نے اپنا نام بدل کر عبد اللہ رکھ لیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر نے چند اور آدمیوں کو اپنا ہم خیال

بنایا لیکن حالات کا تقاضا بھی تھا اور سب کو آنحضرت نے ہدایت بھی کر دی تھی کہ اس کام کو خفیہ طریقے پر کریں۔ چند ابتدائی مسلمان یہ تھے (۱) عثمانؓ بن عفان، امیہ خاندان کے مالدار سردار تھے۔ یہ خاندان آنحضرت کے خاندان بنو ہاشم کا سخت دشمن تھا۔ بعد میں یہ ۲۴ھ میں خلیفہ عمرؓ ہوئے اور ۳۵ھ میں شہید کر دئے گئے۔ (۲) الزبیرؓ بن العوامؓ آنحضرت کے پھوپی زاد بھائی تھے۔ ۳۶ھ میں عین سجدہ کی حالت میں شہید ہوئے۔ (۳) عبد العزیٰ بن عوف زُہری نے مسلمان ہونے کے دو سال کے اندر اپنا نام عبد الرحمٰنؓ رکھ لیا۔ اس لئے کہ قریش رحمان کو نصرانیوں کا خدا سمجھ کر رحمان کے منکر تھے۔ آپ نے ۳۱ھ میں وفات پائی۔ (۴) طلحہؓ بن عبد اللہ تیمی، حضرت ابو بکرؓ کے رشتہ دار تھے۔ جنگ اُحد میں آنحضرت کو بچانے میں ان کی انگلیاں کٹی تھیں۔ یہ بھی شہید ہوئے۔ (۵) سعدؓ بن ابی وقاص زہری، فاتح ایران اور (۶) عمیرؓ بن ابی وقاص، رسول اللہ کے ماموں ہوتے تھے، کوفہ آپ ہی نے آباد کیا ہے۔ خلافت سے دستبردار ہو کر ۵۵ھ میں وفات پائی۔ (۷) ابو عبیدہؓ بن الجراح فہری۔ بڑے جنرل تھے۔ (۸) ابو سلمہؓ رسول اللہ کے پھوپی زاد بھائی المتوفی ۴ھ کے بعد (۹) اُم سلمہؓ، زوجہ ابو سلمہ کو آنحضرت نے اپنے نکاح میں لے لیا تھا۔ (۱۰) عثمانؓ بن مظعون، ان کا بیٹا سائب، دو حقیقی بھائی اور ایک چچا زاد بھائی غرضیکہ پورا خاندان مصدقوں میں شامل ہو گیا تھا۔ یہ سب مصدق سابقون الاولون میں سے ہیں۔ ان میں بلالؓ. صہیبؓ رومی۔ عمارؓ۔ عامرؓ بن فہیرہ، وغیرہ غلام تھے اور بعض عورتیں بھی تھیں۔

اس زمانے کی تعلیم — صفحہ اول پر اس تعلیم کا ذکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کل آقاؤں سے خواہ وہ ساحر ہوں، پروہت ہوں، مالدار تاجر ہوں یا بت ہوں، یا خود نفس انسانی ہو ان سب سے ٹوٹ کر صرف اس آقا

کے بندے بن جاؤ جو خالق و علیم ہے۔ (اس سلسلے میں مقدمہ کے اندر سورۃ العلق کی تفسیر بھی دیکھئے) شیطان کے مقابلے میں یزداں تمہاری اسی طرح مدد کریگا جیسا کہ اصحاب فیل کے مقابلے میں مکہ کے بیکسوں کی مدد آج سے چالیس برس پہلے کی تھی۔

دین حنیف کی پہلی تعلیم۔ وحی اول کے بعد تین سال تک آپ کو کسی دوسرے خدائی پیغام کی ضرورت نہ تھی۔ یہ تعلیم گویا دین حنیف کے آئین کی بنیادی دفعہ تھی۔ یہی پہلی اور آخری تعلیم تھی۔ لہذا تین سال تک آنحضرت کی امامت میں خفیہ طور پر پکے مصدقوں کی جماعت بنتی رہی۔ اور تین سال تک معلوم نہیں آپس میں کیا کیا مشورے ہوئے اور اس جماعت نے دنیا کی قوموں کے متعلق اور خود دنیا کے متعلق کیا کیا معلومات حاصل کیں۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ علم بالقلم کے اصول کے مطابق یہ لوگ بر وہتی اور شیطانی علوم کو چھوڑ کر، خدائی علوم یا عقل و سائنس و استقرائی تاریخ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ گویا ان مصدقوں کا مقصد ہی یہ تھا کہ توہمات کی زنجیروں کو توڑ کر خدا کی دی ہوئی عقلوں کو ساحروں اور بر وہتوں کے فریب سے آزاد کرائیں۔

اس آزادی کی لڑائی اور اس کے مختلف طریقوں کا ذکر آگے ہے۔

شروع ہی سے اس جماعت کا مقصد یہ تھا کہ امن و سلامتی کی وہ تعلیم جو حضرات آدم کے وقت سے مختلف ہادی دیتے رہے ہیں وہ زندہ ہو۔ اور ایسی سوسائٹی کی بنیاد پڑے جس میں فقر و فاقہ اور بد اخلاقی ناممکن ہو جائے۔ مختصر یہ کہ امن و ترقی پھیلانے والی سوسائٹی قائم ہو کر شیطنت کو دنیا سے ختم کر دے۔

دوسری فصل

محمدؐ المنذر والمزمل کی دعوت جہراً

(دورِ ۲ رب، الٰہ، اللہ۔ ملک قادر)

اولی النعمہ کی کنجوسی اور برہمنوں کے جمود پر عذاب شدید

(محرم ۴ سنہ نبوی (مارچ ۶۱۳ء) تا رجب ۵ سنہ نبوی (اکتوبر ۶۱۴ء))

دورِ ثانی کی قرآنی تعلیم

(پہلی پکار)

سورہ ۱۰۶ :- القریش ۱- رب البیت رزاق ہے نہ کہ یہ بت۔

سورہ ۹۲ :- واللیل :- بخیل

دولت مندوں کے لئے جہنم ہے۔

سورہ : ۱۰۰ والعادیات :-

قیامت میں بخیلوں کو سزا ملے گی۔

سورۃ : ۹۹ الزلزال :- بعث بعد الموت یقینی ہے ورنہ انسانی

شعور واختیار رجانِ یقین سے

(۱) دوسری پکار

سورہ ۱۰۳ والعصر: تاریخ شاہد
کہ ایمان وعمل صالح ضروری ہے

سورہ ۱۰۲ التکاثر: لالچ جہنم
میں لے جائے گی

سورہ ۱۰۱ القارعہ: ہر عمل
کی جزا یا سزا ملے گی۔

۱۱۴: الناس: اللہ شیطانی
وسوسوں سے بچائے۔

۹۱: والشمس: خودغرضی
نے ثمود کو تباہ کر دیا

۱۰۴: الھمزہ کنجوسی جہنم میں
لے جاتی ہے۔

۱۰۰: والعادیات: فیاض کو
جنت اور کنجوس کو جہنم ملے گا۔

۸۰: عبس: جزائے اعمال
خدا کی عدالت کی دلیل ہے یہی
بات پہلی کتابوں میں بھی ہے۔

۹۰: البلد: غلام کو آزاد کرنا
مسکینوں کو کھانا کھلانا ہی نیکی ہے

۸۷: الاعلیٰ: ادائے فرض
سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

(۳)

۹۰: الکوثر: اے محمد اپنا
فرض ادا کر یعنی غریبوں کو کھلا۔

۱۷۰: الماعون: دولت مند!
مسکینوں اور یتیموں سے ہمدردی کرو

۱۱۱: اللہب: چغل خوری
اور کنجوسی جہنم میں لے جائے گی

۸۶: الطارق: یہ کلام
ہزل نہیں، قول فصل ہے۔

۷۳: المزمل: دولت مندوں
کی تکذیب کی پرواہ نہ کر۔

۹۵: والتین: احکم الحاکمین
(ملک) یوم الدین میں جزا
دے گا۔

۸۴: الانشقاق: یہ قرآن
تذکرہ قول فصل ہے۔ سحر نہیں
ہے۔ یوم حساب ضرور آئے گا۔

۸۲: الانفطار: یوم الحساب
کو نہ ماننے والے جہنمی ہیں ابرار جنتی ہیں

۷۷ : والمرسلات :- متقی و مکذب دونوں کو یوم الفصل میں سزا ملے گی۔

۷۵ : القیامہ :- یہ آسان تعلیم بتاتی ہے کہ قیامت یقینی ہے۔ اصحاب الیمین کو جنت اور اصحاب الشمال کو جہنم ضرور ملیگا۔

(۴) پہلا وفد قریش ابوطالب کے پاس آتا ہے

۷۱ : نوح :- بت پرستی کا نتیجہ تباہی ہے

۷۹ :- والنازعات :- فرعون نے خدا کا انکار کیا۔ تباہ ہوا۔

۸۵ : البروج :- یہ قرآن بھی الواح موسیٰ کی سی تعلیم ہے۔ ثمود و فرعون وغیرہ کی طرح اگر یوم موعود کو نہ مانتے۔ تو مکذبین تباہ کر دئے جائیں گے۔

۷۴ :- المدثر :- سود خور کنجوسوں کو جہنم ملے گا۔

۸۳ : التطفیف :- یہ قرآن اساطیر نہیں۔ دلائل ہیں یوم الدین کے۔

(۵) مکذبین کا دوسرا وفد ابوطالب کے پاس

۶۸ :- یہ حدیث ذکر ہے۔ اساطیر نہیں۔ مکذبین آخرت کو نہیں مانتے اور گالیاں دیتے ہیں۔ صبر کر تجھ پر جن کا سایہ نہیں ہے۔ یہ نصیحت سحر نہیں۔

۸۱ :- التکویر :- یہ ذکر فرشتے کے ذریعے خدا کے یہاں سے آیا ہے۔ قول شیطان نہیں ہے۔

۵۱ :- الذاریات :- یہ کلام عام نطق کی طرح حق ہے۔ بلا معاوضہ ہے۔ کاہنوں کی کہانت نہیں، جو معاوضہ لیتے ہیں۔ یقیناً ہر عمل کی جزا و سزا ملے گی۔

۶۹ :- الحاقہ :- یہ کلام تنزیل من اللہ ہے سحر و کہانت

نہیں ہے ۔ میں نذیر ہوں ۔ عاد و ثمود و فرعون کی تاریخ سے ڈرتا ہوں ۔ اگر جھوٹی تہمت خدا پر لگاتا کہ یہ خدائی وحی ہے اور یہ وحی نہ ہوتی تو میں تباہ	کر دیا جاتا ۔ (مکی کی ابتدا) ۵۴ : القمر ۔ نوح اور لوط کی قومیں بداعمالی سے تباہ ہوئیں دیکھو یہ قرآن اس کا ذکر کرتا ہے یہ سحر نہیں ہے ۔

دوسری فصل: المنذر والمزکیٰ

یااللہ

لا یومن باللّٰہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین (۴۴ ۔ الحاقہ: ۳۳:۳۴)

(نہ وہ اللہ کو مانتا تھا نہ مسکینوں کو کھانا دلاتا تھا)

زر پرستا بحسرت زر و سیم بر لبت خندہ، آہ سرد رود
خاک در چشمت ار نمی بینی کز طمع آبروئے مرد رود (فیضی ہندی)

۱۔ عقل انسانی کو آزاد کرانے کے لئے المنذر کی پہلی پکار اور خطبۂ نبوی ۳ نبوی۔

محرم ۳ نبوی میں حج کے موسم کی ہما ہمی کم ہو رہی تھی کہ ایک دن آپؐ نے لوگوں کو جمع کیا۔ اور فرمایا کہ میرے متعلق تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ صادق اور امین ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ کہ ایران و روم کی لڑائی کا حال تم جانتے ہو۔ ہماری تجارت ختم ہو رہی ہے۔ مذہبی تفرقے بڑھ رہے ہیں۔ یہ موقع ہے کہ تم پروہتوں کے فریب اور دولت مندوں کی خود غرضی سے نکل کر ترقی کر سکو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ صرف اس رب کی بندگی کرو جو تمھیں خوف سے بچاتا اور بھوک سے نجات دیتا ہے۔ آقا وہی ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ اس کی بندگی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ غنی و فقیر، آقا و غلام کے امتیازات کو مٹا کر ایک متحدہ قوم بن جاؤ۔ یعنی خدا کو رزاق مان کر مسکینوں کی مدد کرنا ہی عبادت سمجھو۔ ورنہ پرانی قوموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ کنجوسی اور اونچ نیچ نے ہمیشہ قوموں کو تباہ کیا ہے۔ یہ سن کر ام جمیل نے جو آنحضرت کی چچی بھی تھی اور آپ کی لڑکیوں کی ظالم ساس بھی۔ ابولہب کو بھڑکایا کہ یہ محمدؐ کی ترکیب ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ دولت مند اپنی دولت کو

غریبوں پر بانٹ دیں۔ اس پر ابولہب اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا کیا خوب اسی کے لئے ہمیں بلایا تھا آپ نے فرمایا کہ نہ مانو گے تو بخیلوں کو قیامت کے دن جہنم ملے گا۔ وہ لوگ بعث بعد الموت ہی کو نہیں مانتے تھے۔ سب ہنسنے لگے اور جلسہ منتشر ہو گیا۔ بہرحال آپ یہ ہی کہتے رہے کہ بخیلوں کی وجہ سے قومیں تباہ ہوتی ہیں۔ عقل سے کام لو، خود پرستی چھوڑ دو۔ صرف اللہ کو آقا مانو۔

۲۔ دوسری پکار: مکافاتِ عمل کے نہ ماننے والوں کو تاریخی دلیل

دولت مند تاجروں نے جو خانہ کعبہ کے پروہت بھی تھے ساحروں شاعروں اور کاہنوں کو آنحضرتؐ کے انقلابی خیالات سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے یہ سُنا تو فوراً رجب کے حج اصغر کے بعد ایک دفعہ سب کو پھر جمع کیا۔ اور تاریخی مشاہدہ کی روشنی میں سمجھایا کہ ہر ذی عقل اور ہر قوم یہ مانتی ہے کہ اچھے کام کا اچھا اور بُرے عمل کا بُرا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ کاہن جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔ ساحر کسی مریض کو اچھا نہیں کر سکتے۔ نہ پروہت اپنے بتوں اور جنوں سے کوئی نفع حاصل کرا سکتے ہیں۔ دولت کمانے کا اس سے بہتر ذریعہ یہ ہے کہ لالچ، کنجوسی، خود غرضی کو چھوڑ کر ہم سب متحد ہو جائیں۔ اس آقا پر بھروسہ کریں جو خالق ہے۔ غلاموں کو آزاد کر دیں۔ مسکینوں کو اپنا شریک بنا لیں اور مہذب یا اہل کتاب بن جائیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ بدعملی کا نتیجہ بُرا ہے۔ قومیں اسی لئے تباہ ہوتی ہیں کہ اُس کے دولت مند خود غرض ہو جاتے ہیں اور عوام کو قومی بہبودی کے اعمال سے دور کر دیتے ہیں۔ بھلا غلاموں اور مفلسوں کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ دولتمندوں کے لئے اپنی جانیں لڑائیں۔ اس طرح غریبوں کے ساتھ مالدار بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو ہر عمل کی جزا ہے۔ یہی قانون الٰہی ہے۔ بعث بعد الموت ہی خدا کے عادل ہونے کا ثبوت ہے کہ

یہاں نہیں تو دوسری زندگی میں ظالموں کو سزا ملے گی۔

مالدار پروہت یہ سنکر خفا ہوگئے۔ اور کہنے لگے یہ سب جھوٹ ہے۔ البتہ غلاموں مسکینوں اور غریبوں نے یہ سُنا تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ دل سے مصدق رسول بن گئے۔

۳۔ یوم آخر کی تکذیب اور اسکا جواب بہرحال مالدار جھٹلانے والوں سے بحث جاری رہی۔ وہ کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کی تعلیم ہزل یا بیہودہ ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ قول فصل ہے۔ ہر قوم جانتی ہے کہ بُرے عمل کا بُرا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور خدا احکم الحاکمین ہے۔ دنیا میں ظلم کر لیکن مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ گے اور سخت سزا دی جائے گی، یہی جحیم ہے۔ فیاضوں اور خدا پرستوں کو نعیم و راحت ملے گی یہی جنت ہے۔ یہ قرآن تمہارے ساحروں کا سا سحر نہیں ہے۔ یہ تو محض تذکرہ ہے میں مذکر ہوں یعنی تمہاری بداعمالی کے نتیجہ سے ڈراتا ہوں۔ جو ظلم کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ بچ نکلیں گے وہ دھوکے میں ہیں۔ وہ ضرور زندہ کرکے جہنم میں ڈالے جائیں گے ہاں ابرار۔ متقی۔ اصحاب الیمین جنت میں جائیں گے۔

لہذا بتوں اور کاہنوں کی غلامی چھوڑو۔ اُس رب کی غلامی اختیار کرو جو بے مانگے دیتا ہے۔ جو سب کا آقا سب کا بادشاہ سب کا حاکم ہے۔ یہ سمجھ لو کہ ظلم کی سزا سے نہیں بچ سکتے۔ مرجانے کے بعد بھی سزا پاؤ گے۔

اس زمانے میں آپؐ سخت قسم کے مکذبوں سے زیادہ بحث نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اُن سے اعراض کرنے لگے تھے۔ اور جھٹلانے والوں کی باتوں پر صبر کرتے تھے۔ غصہ اور درشتی کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔

۴: مکذبوں کی ابوطالب سے پہلی شکایت۔ قبائلی قانون کے مطابق ہر فرد کا

ذمہ دار اُس کے خاندان یا قبیلہ کا شیخ ہوتا تھا۔ لہذا پروہت، فوجی سردار اور تاجر سب بنو ہاشم کے شیخ ابو طالب کے پاس آئے اور المنذرؐ کی شکایت کی۔ انھوں نے کہا کہ محمدؐ چاہتے ہیں کہ غلاموں کو آزاد کر دیں، بتوں کے ذریعہ نہ کمائیں، اور ہم نے جو کام کئی دیوتاؤں میں تقسیم کر رکھا ہے اُن کی جگہ صرف ایک الہ (اللہ) کو اپنا رب مانیں۔ گویا وہ چاہتے ہیں کہ ہماری کمائی بھی ختم ہو جائے اور دین بھی مٹ جائے۔ اگر مرنے کے بعد زندگی ہوتی ہے تو وہ ہمارے دادا قصی بن کلاب کو زندہ کر دیں۔ بہرحال ہمارا دین کیا بُرا ہے۔ اگر ایک دیوتا نہ مانا تو دوسرے کے سامنے معاملہ جاتا ہے وہ ہمارا کام بنا دیتا ہے۔ سب کو مٹا کر ایک خدا ماننا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ یہ سُن کر ابو طالب نے کہا کہ آپ لوگ واپس جائیں۔ میں محمدؐ کو سمجھا دوں گا۔

المنذر والمزکیؐ نے بہرحال اپنا کام جاری رکھا۔ اور نوحؑ کے زمانے کی تاریخ سے بتایا کہ وہ قوم اس لئے تباہ ہوئی کہ بت پرست تھی۔ پھر قوم ثمود کی تباہی اور یمن کے یہودیوں کا ذکر کیا جو خدا پرست نصرانیوں کو زندہ جلانے کی پاداش میں تباہ ہوئے۔ یہی تعلیم ابراہیم و موسیٰ کی بھی ہے۔

۵۔ مکذبوں کی ابو طالب سے دوسری شکایت

حج کے بعد ۵ نبوی کے شروع میں پھر پروہت اور ساحر جمع ہوئے اور ابو طالب کے پاس المنذر کی شکایت لائے کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد اور بتوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ اور ہمارے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے غلاموں کو بھڑکاتا ہے۔ بلکہ جو حاجی آتے ہیں اُن کو بھی روکتا ہے۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ یا تو تم اُسے ان باتوں سے روکو یا ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمھیں اُس کے بدلے میں ایک وجیہ تندرست نوجوان دیتے ہیں۔ تمہارے خاندان

میں کمزوری اور کمی نہ ہوگی۔ ابو طالب نے کہا کیا خوب میرے آدمی کو تو تم قتل کردو اور میں تمہارے آدمی کو کھلا پلا کر موٹا کروں۔ یہ عجب انصاف ہے بہرحال میں اپنے بھتیجے کو سمجھاؤں گا لیکن یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے آدمی کو قتل کرا دوں اور اس سے اپنی حمایت ہٹا لوں۔

وفد قریش کے جانے کے بعد ابو طالب نے آنحضرت کو بلایا اور کہا کہ بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ چچا میں تو چاہتا ہوں کہ میری قوم ایک معزز اور مہذب قوم بن جائے۔ بت پرستی۔ خود غرضی اور ایک دوسرے کو قتل کرنا اور لوٹنا چھوڑ دے۔ صرف اللہ سے ڈرے اور یہ سمجھ لے کہ بدی کا نتیجہ برا ہوتا ہے۔ یوم آخر سے یہی مراد ہے لیکن یہ لوگ یوم آخر کو جھٹلاتے ہیں اور دولت کے غرور میں ظلم و جہل سے باز نہیں آتے۔ بہرحال اب میں جاتا ہوں۔ آپ ساتھ چھوڑ دیں لیکن خدا میرے ساتھ ہے۔ اگر کوئی میرے ایک ہاتھ پہ سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دے تب بھی تن تنہا اس کام کو کرتا رہوں گا۔ ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہہ کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور چلنے کو تیار تھے کہ ابو طالب نے فرمایا کہ بیٹا جاؤ جو جی چاہے کرو۔ جب تک جان میں جان ہے تمہاری مدد اور حمایت میرے ذمے ہے۔

۶۔ المنذرؐ کی کفار کو سمجھانے کی کوشش

المنذر نے بذریعہ وحی کفار کو جوابات دینا شروع کئے۔ اور زیادہ جوش سے سمجھانے لگے کہ بدعملی کا نتیجہ یقینی جہنم ہے۔ اور میری نصیحت شیطانی قول نہیں کہ تمہیں قصاص و جنگ و بت پرستی پر آمادہ کرتی ہو۔ یہ نصیحت اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو خدا مجھے تباہ کر دیتا۔ یہ تو صاف اور سیدھی باتیں ہیں کہ نیک عملی اور مسکینوں کی مدد کرنا اختیار کروگے تو دنیا میں بھی سربلند ہوگے

اور آخرت میں بھی جنت ملے گی۔ یہ تعلیم میں بغیر کسی اُجرت کے دیتا ہوں۔ کاہنوں اور پروہتوں کی طرح دام وصول نہیں کرتا۔ یہ نصیحت سحر ہے نہ کہانت۔ یہ تو صاف صاف سمجھ میں آنے والی، خبردار کرنے والی اور تمہارے نفع کی بات ہے۔ اس پر بھی نہ مانو تو مجھے خدا کا حکم ہے کہ تم کو اپنے حال پر چھوڑ دوں اور صبر کروں۔ (فتول عنہم فما انت بملوم (الذاریات، القیامہ)

تیسری فصل

محمدؐ المذکر والمبشر والہادی۔ نصاریٰ سے دوستی

دورِ الرحمان والنصرانیت

رجب ۵ نبوی (اکتوبر ۶۱۴ء) تا محرم ۷ نبوی (مارچ ۶۱۶ء)

از ہجرت حبشہ تا شعب ابی طالب

دورِ ثالث کی قرآنی تعلیم :- لا الہ الا الرحمان الاحد الوارث ۰ الذی لم یکن لہٗ شریکٌ فی الملک ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون ، ھم یکفرون بالرحمان قل ھو ربی ۰

دورِ ثالث کی قرآنی تعلیم کا خلاصہ

(۱) عدل و احسان ظلم و کنجوسی سے بہتر ہے

۸۸ : الغاشیہ :- اے مذکر انہیں غاشیہ (قیامت) یاد دلا۔

۷۸ :- النبا :- اس خدائی کلام کی بہت بڑی خبر قیامت ہے۔

۷۶ :- الدھر :- ظالم دولتمندوں کے لئے عذاب سعیر ہے۔

۵۵ :- الرحمان :- یہ تعلیم الرحمان نے سکھائی ہے۔ احسان و عدل کی تعلیم ہے۔ الرحمان خالق کائنات ہے

۵۰ : ق :- اے ہادی تو منکرین کو مجبور کر کے بعث کو نہیں منوا سکتا۔ بہت قومیں پہلے بھی اعمال کی جزا کی منکر تھیں

وہ تباہ ہو گئیں ۔ تو صبر کر

(۱) عتبہ بن ربیعہ قائل ہو گیا کہ یہ سحر و کہانت نہیں ہے

(ہجرت حبشہ اولیٰ ۵ نبوی)

۵۳ : والنجم :۔ اے نجومیو شیطان پرستو
یہ کلام شیطان نہیں فرشتہ لاتا ہے اور قرآن
یہ بتاتا ہے کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ
نہ مسیح کا کفارہ اور نہ لات منات کی
شفاعت جہنم سے بچائیگی (ولا تزر وازرۃ
وزر اخریٰ)

۶۷ ۔ الملک :۔ غیب اللہ کو معلوم
ہے ۔ شیطانوں کو نہیں ۔ خدا عدل کی
تعلیم دیتا ہے ۔ یہی پرندوں میں اڑنے کی قوت دیتا ہے

۴۶ ۔ الاحقاف :۔ اے بشیر تو داعی
الی اللہ ہے یہ تعلیم اسی طرح خدا کے
وجود کی آیات بینات ہیں جس طرح
کتاب موسیٰ تھی یہ تعلیم حرص و ضلال
سے نکال کر کامیابی کا رستہ بتاتی ہے

۴۴ : الدخان :۔ مکذبو اس عذاب
کا انتظار کرو جو فرعون پر آیا تھا ۔

۱۱۲ ۔ الاخلاص :۔ اے نصرانیو خدا
کا کسی کو شریک نہ بناؤ ۔

۳۷ ۔ والصافات :۔ یہ قرآن حق
ہے سحر نہیں ۔ المبشر نہ شاعر ہے نہ آسیب
زدہ ۔ وہ دین ابراہیمی کی تعلیم دیتا ہے بت
پرستی اور خود غرضی کا مخالف ہے ۔

۳۲ ۔ الم السجدہ :۔ کتاب موسیٰ میں
بھی اطاعت الٰہی اور انفاق کی تعلیم ہے
یہ قرآن بھی اسی طرح حق ہے ۔

۱۹ ۔ مریم :۔ اے نصرانیو! میں
المبشر ہوں ۔ الرحمان کو خدا مانتا ہوں
اور یہ بھی مانتا ہوں کہ اللہ میں یہ قدرت
ہے کہ عاقرہ کو اور کنواری کو بیٹا دے
دے ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس
طرح جو پیدا ہو وہ خدا کا بیٹا ہے ۔

(۲) ہجرت حبشہ ثانیہ کے بعد

۵۲ ۔ الطور :۔ (تحدی یا چیلنج) اے
کافرو یہ سحر نہیں جو تم راز میں رکھتے ہو
بلکہ یہ کتاب مسطور (کھلا ہوا علم ہے)
میں کاہن ۔ شاعر یا مجنون نہیں ہوں
میں تمہیں شرک کے نتیجہ سے بچا کر

منتقی بنانا چاہتا ہوں ۔ ایسی
تعلیم تمہارے کسی کلام میں موجود
ہو تو لاؤ ۔ اگر تم سچے ہو کہ سحر
ایسا بھی ہوتا ہے ۔ تو ظاہر
کرو ۔

۳۸ ۔ ص :۔ یہ تعلیم فصل
خطاب ہے ۔ اور قیامت کی خبر
دیتی ہے ۔ بلا اجرت ہے اس
میں قدیم قوموں کے حالات
سے نتائج اخذ کئے گئے ہیں
اس میں تدبر کرو

۱۵ ۔ الحجر :۔ مستہزئین کہتے
ہیں کہ اگر فرشتوں کا لایا ہوا
کلام ہے تو ہم پر ان کے ذریعے
سے پھٹکار کرا دو ۔ ان سے
کہہ دو کہ شیطان کو نیکی
کی تعلیم تک دسترس نہیں
ہے اور خدا چاہے گا تو
پہلوں کی طرح تم پر بھی
عذاب نازل کر دے گا ۔

۱۸ ۔ الکہف :۔ یہ تعلیم
نصاریٰ کے لئے الکتاب ہے
اللہ کے بیٹا نہیں ہے ۔
قصوں سے مراد یہ ہے کہ
بعث یقینی ہے ۔ میں بھی
تمہاری طرح ایک آدمی
ہوں میرے دل میں یہ وحی
کی گئی ہے کہ خدا کا کوئی
شریک نہیں ۔ اور ہر کام
کا بدلہ ضرور ملے گا ۔ یعنی بعث
یقینی ہے ۔

(۴) اسلام حمزہ بن عبدالمطلب
(سنہ نبوی)

۲۰ ۔ طاہا ۔ کلیم :۔ کفار
عذاب کا نشان مانگتے ہیں ۔ عذاب
کے معجزوں پر فرعون کب
ایمان لایا تھا جو تم لاؤ گے !
قرآن تو صرف یہ بتاتا ہے
کہ ہر عمل کی جزا ہے ۔ اس
میں معجزہ کی کیا ضرورت ہے
یہ مالدار شیاطین نہیں چاہتے

تو انھیں عذاب آخرت سے
ڈرایئے۔ حالانکہ قرآن کا
ہر جملہ آیت (دلیل) ہے کہ
ہر عمل کا بدلہ ضروری ہے۔

۲۳:۔ المومنون:۔ تو تم
کسی مقصد کے بغیر پیدا نہیں کئے
گئے۔ کل دینوں کی تعلیم وحدت
الہٰی و وحدت انسانی ہے
یہی عدل ہے۔ اللہ کے کوئی
بیٹا نہیں۔ برائی کا بدلہ بھلائی
سے دو۔ کیا یہ مجنوں کی باتیں
ہیں؟

۲۱:۔ الانبیاء:۔ بے شک
ہر رسول بشر ہوتا ہے۔ لیکن قرآن
نہ سحر ہے نہ بیہودہ خواب۔ زمین
و آسمان ایک اٹل قانون پر چل
رہے ہیں انسانی زندگی کا بھی یہی
قانون ہے کہ ہر عمل کی جزا ملے،
اس کے لئے معجزہ مانگتے ہیں،
رحمان کے کوئی بیٹا نہیں۔ خدا کی
خالقیت ہی عاجز کرنے والی دلیل

ہے۔ وہ عادل کے ساتھ حکومت
کرتا ہے۔ اسی لئے صالح بندے
بنو، تو تمھیں بھی خدا حکومت
عطا کرے گا۔

۳۶:۔ یاسین:۔ آدمی ہی
مرسل ہوتا ہے۔ بلا اجرت
کے نصیحت کرتا ہے۔ یہ معجزے
مانگتے ہیں۔ ان سے کہہ دے
کہ جس طرح خدا مردہ زمین کو
نباتات سے زندہ کر دیتا ہے
اسی طرح وہ خالق مردوں کو
پیدا کر دے گا۔ ہر مخلوق
خالق کا زندہ معجزہ ہے۔ شیطان
خالق نہیں۔

۲۶:۔ الشعراء:۔ حرف ابجد
ہی علم کی علامتیں ہیں۔ جو ظاہر
و بین ہیں۔ خدا چاہے تو نظر آنے
والا نشان بھی نازل کر دے۔ مگر
وہ کیوں مظاہر قدرت کے معجزات
کو نہیں دیکھتے۔ جو باتیں میں کہتا
ہوں وہی اگلی کتابوں میں بھی ہیں

اور روح الامین نے میرے دل میں ڈالی ہیں ۔ میں دنیا ہی رسول ہوں جیسے کہ بنو اسرائیل کے رسول ہوتے تھے ۔ شیطانی باتیں تو ایسے شاعر بتاتے ہیں جو کہتے تو ہیں مگر کرتے نہیں ۔ بہر حال ظالموں کو انقلاب کا مزہ چکھنا پڑے گا ۔

(۵) قریش کی الذکر سے براہ راست پہلی گفتگو

۱۳ - الرعد : - عقلمندوں کے لئے ہر مخلوق خدا کا معجزہ ہے ۔ بے عقل معجزہ مانگتے ہیں حالانکہ تو صرف منذر و ہادی ہے (فرشتہ نہیں ہے) اللہ ہی غیب کا حال جانتا ہے ۔ وہی عذاب کا نشان نازل کر سکتا ہے ۔ بہر حال جو قوم خود اپنی حالت نہیں بدلتی ۔ اس کی حالت اللہ بھی نہیں بدلتا ۔ وفائے عہد صبر ۔ صلاۃ ۔ انفاق اور برائی

کے بدلے بھلائی کرنا نجات کا باعث ہے وہ رحمان کے منکر ہیں ۔ بہر حال یہ انکار کام نہ دے گا ، قیامت ضرور آئے گی ۔

اسلام عمرؓ بن الخطاب

(سنہ نبوی)

۲۵ - الفرقان : - قرآنی تعلیم وہ فرقان (فیصلے کی تعلیم) ہے جو انسانوں کے خبردار کرنے کو خدا نے دی ہے ۔ نذیر بشر ہے اور یہ تعلیم سراسر نصیحت ہے ۔ خزانے ، باغات ، محلات دینا خدا کے اختیار میں ہیں ۔ مسلمان اور نصاریٰ رحمان کے بندے ہیں ۔ قتل و زنا اور نذر و لغو سے پرہیز کرتے ہیں

۴۲ - الشوریٰ : - یہ صاف زبان کی وحی قدیم وحیوں کی مانند اللہ اور یوم الآخر کی تعلیم دیتی ہے ۔ کافروں سے اعراض کر

وہ ان باتوں کو نہیں مانیں گے
میرے دل میں کوئی برا خیال
آ ہی نہیں سکتا ۔ اللہ اُسے
مٹا دیتا ہے ۔ لوگوں پر مصیبت
اُن ہی کے اعمال کی وجہ سے آتی
ہے ۔ لہٰذا رحم کرو ۔ بدلہ
نہ لو بلکہ معاف کردو تو زیادہ
بہتر ہے ۔ انسان سے اللہ
کلام نہیں کرتا ۔ ہاں پس پردہ
سے وحی آتی ہے

۳۴ : السبا ۔ یہ قرآن حق
ہے باطل نہیں ہے ۔ نہ سحر
ہے نہ افترا علی اللہ ہے ہر
قریے میں خدا نے نذیر بھیجا ۔
لیکن انھیں مالداروں نے
ہمیشہ جھٹلایا ۔ اور حق کو
سحر کہا ۔ بہرحال قیامت
حق ہے ۔ ظلم چھوڑ دو ورنہ
ضرور سزا پاؤگے ۔

۴۰ ۔ المؤمن : ۔ اللہ جس
پر چاہے وحی (روح) نازل کرے
موسیٰ پر بھی وحی آئی ۔ معجزے
بھی ملے ۔ لیکن کافروں نے
کہا یہ سب شعبدہ بازی ہے
اب مکہ کے مشرک کہتے ہیں
عذاب الٰہی نازل ہو ۔ انھیں
معلوم ہونا چاہیے کہ عذاب
آنے پر توبہ قبول نہیں ہوتی
بہرحال آیات الٰہی (اللہ
کی قدرت کی نشانیاں) جانوروں
اور کشتیوں تک میں موجود
ہیں ۔ اللہ ہی جسے چاہے
معجزے دے ۔ مکذبوں
کے لئے جہنم تیار ہے ،
اور مصدقوں کے
لئے جنت ہے ۔

۳۹ : الزمر : ۔ کوئی غیر اللہ
شفاعت نہیں کرسکتا ۔ نہ
ایک کا بوجھ (کفارہ) دوسرا
اٹھا سکتا ہے ۔ مسلمانوں اللہ
کی زمین واسع ہے (ہجرت
کرجاؤ) تاکہ طاغوت سے بچو

سکو۔ یہ قرآن مشابہ ہے،
پرانی کتابوں سے جو بار بار
دہرایا جاچکا ہے۔ یہ ٹیڑھا
کلام نہیں ہے اور جو لوگ
مجبوراً گناہ کر چکے ہیں وہ
معاف کردیئے جائیں گے۔
اللہ ہی قیامت میں فیصلہ کرکے

جنت دوزخ دے گا۔
۱۰۹۔ الکافرون ۔ کافروتمھیں
شیطان پرستی کا اختیار ہے۔
میں تو خدا پرستی کروں گا اور
ضرور کروں گا۔ لہٰذا تم سے
مجھے کوئی مطلب نہیں۔

یا رحمان

ھم یکفرون بالرحمٰن۔ قل ھو ربی (الرعد)
وہ رحمان کا انکار کرتے ہیں۔ اے رسول کہدے کہ رحمان میرا رب ہے)

خدا محبت مجسم ہے۔ (مسیح بن مریم ۳۰ء)

روح نور ہے، مادہ ظلمت ہے (مانی ۲۷۷ء)

آسمانی بادشاہ، تدبر، عقل حافظ اور مسرت کے فرشتوں سے عالم ارواح میں سلطنت کرتا ہے
مزدک ۵۳۵ء

قریش کا مصدقوں پر زرغہ۔ بچوں، غلاموں اور عورتوں کی مکہ میں وہی حالت تھی جو دنیا کے دوسرے ملکوں میں تھی مختصر یہ کہ ان کو جانوروں سے بھی بدتر زندگی پہ قناعت کرنا پڑتی تھی۔ لونڈیوں کو دوستوں یا مہمانوں کی خدمت میں پیش کرنا، ان کے بچوں کو جانوروں کے بچوں کی طرح ماں کی گود سے چھین کر فروخت کر ڈالنا معمولی بات تھی۔ وہ بیکس جن کا کوئی قبیلہ حامی نہ ہوتا تھا، اُن کو قتل کر دینا آسان تھا، اس لئے کہ اُن کی طرف سے لڑنے والا یا ان کا خونبہا طلب کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ پورے عرب میں بلکہ سب ملکوں میں یہ لاقانونی یا مالداروں کا ظالمانہ قانون جاری تھا۔ ارسطو کے نام پر غلام لعنت

بھیجے تھے اس لئے کہ وہ غلامی کا حامی تھا۔ مسیحی پروہتوں نے اگرچہ رحم وکرم کی تعلیم دی لیکن غلامی کے خلاف ایک لفظ نہ کہا۔ بلکہ اس کو سراہا۔ البتہ یہودی اس کا مزہ بار بار چکھ چکے تھے اور ایک بادشاہ (مسیح) کے منتظر تھے جو انھیں غلامی سے نجات دے۔ لیکن وہ بھی قرض کے عوض میں غلام بنانے سے باز نہ آتے تھے۔

مکہ میں بہت سے بے کس اور غلام المزکی کے امید افزا پیغام کو سنکر آپؐ کی تصدیق کرنے لگے تھے وہ کہتے تھے کہ یقیناً ظلم کا بدلا ان ظالموں کو ملنا چاہیئے جو ہم سے تو محنت کرلتے ہیں اور خود عیش کرتے ہیں۔ ہمیں آپس میں بھی شادی بیاہ نہیں کرنے دیتے ہمیں ہر اس بت کی دوڑ سے پوجا کرنا پڑتی ہے جسے یہ اپنا دیوتا (الہ) مانتے ہیں۔ اور قربانی کے گوشت میں سے بدترین حصہ کتوں کی جگہ ہمیں دیا جاتا ہے۔ خدا بھلا کرے محمدؐ (صلعم) کا اس نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔ اب ہم سوائے رب العالمین کے اور کسی کو آقا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہم سب آقاؤں سے بغاوت کرتے ہیں۔

المنذر والمزکیؐ نے صرف ڈیڑھ سال تک لوگوں کو بداعمالی کے نتائج سے ڈرایا تھا اور تزکیۂ نفس کی تعلیم دی تھی کہ مشرکین مکہ نے پہلے تکذیب اور اس کے بعد مذاق اڑانا (استہزاء) شروع کردیا۔ اگر بنو ہاشم کا ڈر نہ ہوتا تو وہ قتل کر ڈالتے۔ وہ اتنے ظالم اور سرکش تھے کہ یہ سننے کو تیار نہ تھے کہ خدا انھیں ظلم کی سزا دے سکتا ہے۔ ان کے نزدیک خدا بھی معمولی بادشاہوں کی طرح لالچی ہے۔ وہ قربانیوں کے خون سے خوش ہوتا ہے اور رشوت لے کر لوگوں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ ان کی دیویاں لات، منات اور عزیٰ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اور ایک جنیّہ

کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں ۔ لہذا خدا اور شیطان دونوں رشتہ دار ہیں ۔ اگر خدا ناخوش ہو تو شیطان کے ذریعے سے یا خدا اور جنیہ کی بیٹیوں کے ذریعے اپنا کام نکال لیں گے ۔ پروہتوں اور ساحروں نے یہ خیالات اُن کے دلوں میں راسخ کر دئیے تھے ۔ لہذا انھوں نے پہلے تو یوم آخر کے تصور کو جھٹلایا ۔ پھر ایک خدا کو ماننے سے انکار کر دیا ۔ اور ان دونوں خیالات کا مذاق اڑانا شروع کیا ۔ اسی کے ساتھ ساتھ مصدق غلاموں پر زندگی دوبھر کر دی ۔ گرم ریت پر لٹانا ۔ نیزے بھونکنا ۔ دھوئیں سے دم گھونٹنا ۔ دھوپ میں لٹا کر بھاری پتھر کے نیچے دبانا اور کوڑے لگانا عام بات ہوگئی تھی ۔ بھوک پیاس اور مارپیٹ کی شدت کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض کا دماغ خراب ہوگیا اور بعض مر گئے ۔

آزادوں یعنی شریفوں کو اُن کے خاندان والے ایذائیں دینے لگے ۔ اور خود آنحضرتؐ پر آوازے کستے کستے یہ نوبت آگئی کہ کسی نے کیچڑ پھینک دیا ۔ کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہا ۔ اور کسی نے راستے میں کانٹے بچھانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا ۔ غرضکہ الہادیؐ اور ان کے مصدقوں کی زندگی دشوار کر دی گئی ۔ اگر آپؐ کے سامنے ایک عظیم الشان مقصد نہ ہوتا ، اگر آپؐ کا دل دنیا والوں کی محبت سے معمور نہ ہوتا تو جس صبر و تحمل کا آپ نے ثبوت دیا اور جس طرح آپ کے ساتھی بُردباری سے سب مصیبتیں جھیلتے رہے وہ ناممکن ہو جاتا ۔

ایک شخص نے قوم بنادی یہ خیال قطعی غلط ہے کہ عرب ایک سیاسی و معاشرتی انقلاب کے دروازہ پر پہنچ گیا تھا اور صرف ایک رہنما کا منتظر تھا ۔ اگر یہ خیال صحیح ہوتا تو آپؐ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تیرہ سال مکہ میں اور چھ سال (بیعت رضوان تک) مدینہ میں نہ خرچ کرنے پڑتے اور پوری قوم

چندہی دنوں میں انقلابی بن کر دنیا کے نظامِ ظلم وستم کو اُلٹ دیتی۔ لیکن یہ نہیں ہوا۔ کمہار تو پیدا ہوا لیکن مٹی میں یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ خمیر کو قبول کرے اور کمہار کی انگلیوں کا ساتھ دے۔ اُن کے دماغوں پر مالدار تاجراور پروہت چھائے ہوئے تھے۔ اُنیس سال کی کشمکش اور جدوجہد سے وہ جماعت سالہ میں تیار ہوئی جو عالمی انقلاب کی ہراول تھی۔ اور جس نے وفات نبوی کے بعد مرتدوں یا ارتجاعیوں کو دوبارہ کچل ڈالا۔

المبشر کی نصاریٰ کی طرف توجہ[۴]

بہرحال مشرکین مکہ کو اُن کے حال پر چھوڑ کر المبشر نے اپنی تعلیم کا رُخ نصاریٰ کی طرف کر دیا۔ اور زبانِ وحی سے فرمایا کہ یہ تعلیم رحمان نے سکھائی ہے۔ یعنی جو خدا نصرانیوں کا ہے وہی ہمارا بھی خدا ہے۔ ہم نصرانیوں کے دین کو، ان کی کتاب انجیل کو اور اُن کے نبی یحییٰ اور عیسیٰ بن مریم کو اپنا دین، اپنی کتاب اور اپنا نبی مانتے ہیں۔ مشرکین اگرچہ جانتے تھے کہ نصرانی یمنی و حبشی سب اللہ کو رحمان کہتے ہیں لیکن وہ حسبِ عادت مذاق اُڑانے لگے کہ "اچھا اب معلوم ہوا کہ قرآنی تعلیم دینے والا ایک شخص رحمان ہے، جو یمامہ میں رہتا ہے"۔ وہ جانتے تھے کہ ہاشم، عبدالمطلب اور ابوطالب کی نصرانی ملکوں سے تجارت ہے اور آنحضرتؐ بھی اُن ملکوں سے واقف ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ وہاں ایسے نصرانی بھی ہیں جو اللہ میں مسیحؑ اور مریمؑ کو شریک نہیں کرتے۔ بلکہ خالص توحید کے قائل ہیں۔ اور یوم الآخر کو بھی مانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یمن کے نصرانی ابرہہ نے جب مکہ پر حملہ کیا تھا تو اُس کی وجہ یہی تھی کہ وہ ہماری بدوہتی اور بت پرستی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ چاہتا تھا کہ لوگ یمن کے کلیسا کو قبلہ بنائیں، اور مسیحی بن جائیں۔ اسی لئے اُنھیں نہ صرف اُنھیں

سیحیوں سے نفرت بھی بلکہ وہ اس پر تیار نہ تھے کہ رحمان کو خدا تسلیم کریں، اور اُس قوم کا ساتھ دیں جس کے خلاف عبدالمطلب نے ایک انگلی بھی نہ ہلائی، بلکہ کل ہاشمی نصرانیوں کے پکے دوست بن گئے۔

عتبہ کی پیشکش مشرکین نے دیکھا کہ باوجود ایذا رسانی کے مصدقوں کی جماعت بڑھتی جاتی ہے تو قبائلی قانون کے خلاف بجائے ابو طالب کے خود آنحضرت کے پاس عتبہ کو بھیجا۔ اُس نے جا کر کہا بھائی محمد! اس ہنگامہ آرائی سے کیا فائدہ!! اگر دولت چاہتے ہو دولت حاضر ہے، عزت چاہتے ہو تو ہم اپنا سردار یا بادشاہ بنانے کو تیار ہیں۔ اگر کسی حسینہ پر دل آگیا ہے تو اُس سے نکاح کرا دیتے ہیں۔ اور اگر کسی جن نے ستا رکھا ہے جس کی وجہ سے تم یہ باتیں کہتے ہو تو اس کا بھی علاج کرا دیں گے۔ آنحضرت نے ان باتوں کو خاموشی سے سُنا اور پھر کہا سنو کیا یہ جن کا کلام ہے۔ "حا میم (اے انسان یہ رحمان کی تنزیل ہے۔ سمجھ میں آنے والی باتیں ہیں۔ اس میں نیک عملوں کو جنت و نعیم کی خوش خبری اور بُروں کو جہنم کا ڈر سنایا گیا ہے۔ اسے تم نہیں سُننا چاہتے تو میں تم سے اعراض کرتا ہوں، تم جانو تمہارا کام جانے" (حامیم فصلت)

عتبہ واپس چلا آیا مشرکوں سے کہا یہ شیطانی کلام نہیں۔ نہ محمد کی باتیں ساحروں کی سی ہیں۔ وہ اپنے وعظ و نصیحت کی اُجرت نہیں مانگتا۔ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر کامیاب ہوا تو ہماری سرخروئی ہوگی۔ ہار گیا تو قصہ ختم ہو جائے گا۔ وہ تو صرف بدعملی کے نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ جو اُس کی سنے، سننے دو۔ یہ سن کر مشرکین سمجھے کہ عتبہ بن ربیعہ بھی مصدق بن گیا ہے۔ وہ اُٹھ کر چلے گئے اور پھر حسب معمول استہزار اور تعذیب المسلمین

شروع کر دی۔

ملک حبشہ کا نوروز شام، ایران اور ہند میں ۲۱۔ مارچ کو نوروز ہوتا ہے لیکن حبشہ کا سال ۱۱ ستمبر کو سیکریم کے مہینے میں شروع ہوتا ہے۔ یہی مہینہ رجب کا ہوتا تھا۔ عرب میں حج اصغر اور ایران میں جشن نیم روز اسی موسم میں ہوتا تھا۔

پہلی ہجرت حبشہ ۵ نبوی اسلئے رجب ۵ھ میں جبکہ مکہ میں امن علم تھا آنحضرت نے بارہ مصدقوں کا ایک وفد حبشہ بھیجا۔ اور ان کو سمجھا دیا۔ کہ تم سے پوچھیں تو کہدینا کہ ہم رحمان پرست ہیں۔ اور حضرت عیسٰی بن مریم کو نبی اور حضرت مریم کو عذرا، و بتول مانتے ہیں۔ ان مہاجروں میں حضرت عثمان اور عتبہ بن ربیعہ کا بیٹا ابو حذیفہ بھی تھا۔ ان کے ساتھ چار عورتیں تھیں جن میں رقیہ بنت رسول بھی تھیں جن کا نکاح عتبہ بن ابولہب کی طلاق کے بعد حضرت عثمان سے ہو چکا تھا۔

دھوکے سے واپسی اور دوسری ہجرت مشرکوں نے دیکھا کہ مصدقوں نے اس نصرانی نجاشی سے دوستی شروع کر دی ہے جس کے حکم سے بینتالیس سال پہلے مکہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تھا اور وہ بھی ہماری پرومہتی و بت پرستی کا دشمن تھا۔ لہذا انھوں نے یہ چال چلی کہ مہاجرین حبشہ کو یہ خبر پہنچائی کہ ہم سے اور آنحضرتؐ سے صلح ہو گئی ہے۔ ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ خدا ایک ہی ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی زندگی ہوگی۔ اور المبشر نے یہ مان لیا ہے کہ جس طرح مسیح ابن اللہ ہیں اسی طرح ہماری دیویاں بنات اللہ ہیں۔ خدا سب دیوی دیوتاؤں کا باپ ہے۔ اور مسیح کی طرح ہماری دیویاں لات منات عزیٰ بھی خدا کے معاملات میں دخل نہیں دیتیں صرف

اپنے پوجنے والوں کی سفارش (شفاعت) کر دیتی ہیں۔ غرضکہ جس طرح تم نجاشی سے مسیح کو ابن اللہ بتاتے ہوگے اور اس کے کفارہ اور شفاعت کو تسلیم کرتے ہوگے اسی طرح آنحضرت نے ہماری دیویوں کو بھی سفارشی مان لیا ہے اور جھگڑا ختم ہو گیا ہے۔ مہاجروں نے یہ سُنا تو وہ رمضان ۵ھ نبوی میں مکہ واپس آگئے۔
لیکن یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ سب دھوکا تھا۔ پتھر اور لکڑی کی دیویوں کو تو کیا، خود مسیح بن مریم کے متعلق آنحضرت بذریعہ وحی فرماتے ہیں کہ۔ وہ بندے تھے۔ ابن اللہ نہ تھے۔ ابن مریم تھے۔ اور شفاعت کا کسی کو اختیار نہیں۔ کفارہ ایک بے معنی چیز ہے۔ ایک شخص کا بوجھ دوسرا نہیں اُٹھا سکتا۔ نہ کسی کے گناہ کے عوض دوسرا قتل ہو سکتا ہے اوّل تو یہ عدالت الٰہیہ کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قصہ ہی سراسر غلط ہے کہ مسیح بن مریم کو سولی ہوئی۔ یہودیوں نے ضرور یہ کوشش کی کہ انھیں صلیب دیں اور خدا پرستی میں پروہتوں کی مداخلت جاری رہے۔ لیکن خدا نے مسیحی دین کو قائم کر دیا اور مسیح کا درجہ بلند کر دیا۔ نہ وہ قتل کر سکے نہ صلیب دے سکے بلکہ دھوکے میں پڑے رہے۔
رہا یہ معاملہ کہ ان کا باپ کون تھا تو اللہ کو اختیار ہے کہ جسے چاہے بے باپ کا پیدا کر دے لیکن خالق وہی ہے کوئی دوسرا نہیں اور مسیح مخلوق میں۔ (سورۂ مریم)
مصدقوں نے یہ سُنا تو پھر ہجرت پر تیار ہو گئے اور رفتہ رفتہ بہتر مرد اور گیارہ عورتیں حبشہ پہنچ گئیں۔ اس زمانے میں آنحضرت نے توراۃ و انجیل کو ہدایت و نور اور خود اپنے آپ کو بشیر یا البشر [illegible] بتایا تھا۔ اور رحمان کا لفظ کثرت سے قرآن میں استعمال ہوا تھا۔

مصدقوں کے خلاف مکذبوں کی سفارت

قریش نے حبشہ تک مصدقوں کا تعاقب کیا۔ اور شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن العاص

کی سرکردگی میں ایک سفارت بھیجی۔ سرداروں پادریوں اور بطریقوں کو مکّہ کا بہترین چمڑا نذرانے کے طور پر پیش کیا۔ پھر مہاجروں کی واپسی میں مدد چاہی۔ نجاشی نے دربار عام میں مصدقوں کو بلایا۔ جنہوں نے جعفرؓ بن ابی طالب کو اپنا سردار بنایا۔ مشرکین مکّہ یہ سمجھے تھے کہ اگر مسلمانوں نے اپنا صحیح مسلک ظاہر کر دیا اور مسیح کو ابن اللہ اور گناہوں کا کفارہ نہ تسلیم کیا تو یقیناً وہ ملک سے نکال دیئے جائیں گے۔ لیکن حضرت جعفرؓ نے جو قرآنی تعلیم تھی صاف صاف کہہ سنائی۔ اس تعلیم میں حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کی جگہ ابن مریم بتایا ہے۔ اور کفارہ یا شفاعت کے مسئلے سے قطعی انکار ہے۔ خود نجاشی اسی عقیدہ کا تھا۔ اس نے سنا تو مصدقوں کے عقیدے کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میرا بھی عقیدہ یہی ہے۔ عمرو کی سفارت ناکام رہی اور نجاشی کے حکم سے اُن کے تحفے، جو رشوت کے طور پر دیئے گئے تھے، اُن کو واپس کر دیئے گئے۔ جو مسلمان حبشہ میں رہ گئے تھے وہ پورے طور پر نجاشی کے حامی بن گئے۔ موحد نصرانیوں کے ساتھ عبادت کرنے لگے اور ایک جنگ میں اُن کا ساتھ بھی دیا۔ ان میں سے ایک مصدق عبید اللہؓ بن جحش نے اپنے نصرانی ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔ ان کی وفات پر رسولؐ نے ان کی بیوہ سے جو ابوسفیان بن حرب، سردار فوج قریش کی بیٹی تھیں، نکاح کر لیا۔ نجاشیؒ کے مرنے کی خبر جب آنحضرتؐ کو پہونچی تو آپؐ نے اُس کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس لئے کہ وہ بھی مصدق تھا۔ ان مسلمانوں میں سے چند ہجرت سے پہلے مکّہ واپس آگئے تھے۔ باقی فتح خیبر ۷ھ کے بعد بذریعہ کشتی خیبر پہنچے تھے۔

تحدّی: منکروں کے لئے اللہ کی سب تعلیمات معجزہ ہیں:

دوسری ہجرت حبشہ کے بعد، مہاجرین حبشہ میں سے چند مسلمان واپس بھی آئے اور اپنے اپنے خاندان کی حمایت میں رہنے

لگے۔ البتہ جن کا کوئی حامی نہ تھا انھیں سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ اور غلاموں کے لئے تو ہجرت کا بھی چارہ نہ تھا۔ ان میں سے چند غلاموں کو حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ لیکن اس زمانے میں آزادوں کو بھی حمایت کی ضرورت ہوتی تھی اس لئے آزاد کردہ غلام آپ ہی کے جوار یا حمایت میں رہتے تھے۔ یہی حال آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام زیدؓ (بن محمدؐ) کا تھا۔

مشرکین نے جتنا رحمان کے لفظ پر اعتراض کیا اتنا ہی اس زمانے کے قرآن میں اس لفظ کا کثرت سے استعمال ہوا۔ اب مشرکوں نے یوم آخر کی بحث کو کم کر کے یہ بحث شروع کی کہ جتنا کلام ہوتا ہے وہ یا تو انسان کی ذاتی تصنیف ہوتا ہے یا کوئی شیطان یا جن ساحر یا شاعر کے کان میں سنا جاتا ہے اور وہ ساحر یا شاعر اُسے پڑھ دیتا ہے۔ لہذا قرآن یا تو آنحضرت کی ذاتی تصنیف ہے یا کسی جن یا شیطان کا قول ہے۔ خدا کا یا خدا کی طرف سے کسی فرشتے کا لایا ہوا کلام نہیں ہے۔ اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے زبان وحی سے فرمایا کہ خدا کسی سے کلام نہیں کرتا۔ اس کی تعلیم ایک پردہ کے پیچھے سے یعنی کسی فرشتے کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ یا وہ براہ راست روح الامین (روح القدس یا یونانی لفظ لوگاس) کے ذریعے انسانی قلب میں ایک کھٹک (وحی) پیدا کرتا ہے۔ بہرحال قرآن اللہ کی بھیجی ہوئی تعلیم ہے۔ شیطانی تعلیم یا دسواس الخناس نہیں ہے۔ اگر تمہارے کاہن و ساحر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شیطانی تعلیم ہے تو اس کی مانند تعلیم بنا لائیں۔ اور گواہوں کو بھی لائیں جو دیکھ لیں گے کہ قرآنی تعلیم سراسر وعظ و نصیحت ہے۔ اور شیطانی تعلیم میں سوائے فساد و قصاص و خوشامد کے یا نسیب و ہزل و مرثیہ کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ دینی تعلیم ہے جو اللہ کے گزشتہ رسولوں کو دی گئی ہے۔ اُن کی تعلیم میں اور قرآن کی تعلیم میں

کوئی فرق نہیں۔ اگر میں اہل کتاب سے کہوں کہ ایسی تعلیم لاؤ تو وہ لا سکتے ہیں۔
اور اگر تم بھی ایسی عبارت بنا لاؤ تو پھر تم بھی مصدق بن جاؤ گے یعنی تم اللہ اور یوم آخر اور عمل صالح کو مان کر ہی کوئی عبارت بنا سکو گے اور تم کو شرک و ظلم پر لعنت بھیجنا پڑے گی۔

نشان (یا معجزہ) لاؤ کہ تم اللہ کے رسول ہو

مشرک عاجز ہو گئے یعنی ایسی عبارت بنانے میں خود اُن کا مسلک اور دین ختم ہوتا تھا۔ اس لئے کہنے لگے کہ اس کا کیا ثبوت کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ کوئی نشان دکھاؤ کہ ہمیں یقین آئے کہ اللہ نے تمھیں بھیجا ہے۔ مثلاً ہمارا ملک بے آب و گیاہ ہے خدا سے کہکر یہاں دریا بہا دو۔ یا اپنا ہی گھر سونے سے بھر لو۔ اور یہ نہیں کر سکتے تو ہم پر آسمان گرا دو۔ آنحضرت نے فرمایا کہ خدا کی قدرت کی نشانیاں ہر مخلوق سے ظاہر ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ تم پر عذاب الٰہی نازل ہو تو خدا کو اختیار ہے پرانی قوموں کی طرح تمھیں بھی تباہ کر دے۔ یا یونس کی قوم کی طرح تباہی کے کنارے پر پہنچا کر ہدایت دیدے اور تم ایک شریف اور زندہ قوم بن جاؤ۔ بہرحال میں اس لئے نہیں آیا کہ معجزے دکھا کر یہ بتاؤں کہ خدا موجود ہے اور مجھے اُس نے پیام دیا ہے۔ اللہ کے وجود کو مخلوقات کے ذریعے مالو اور خدائی پیغام کو اس تعلیم کے معیار پر پرکھو جو دوسری کتابوں میں موجود ہے اور جسے ہر عقل سلیم مانتی ہے یعنی جو کام کروگے اُس کا بدلہ پاؤ گے۔ اسی کو یوم آخر اور جنت دوزخ، نعیم و جحیم کے ذریعے بار بار بتایا جا چکا ہے۔

اسلام حمزہ رض بن عبد المطلب ۶ نبوی

ایک دن ابوجہل نے آنحضرت کو تنہا پاکر گالیاں بھی دیں اور مارا بھی حضرت

حمزہ شکار کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر ایک لونڈی نے یہ قصہ سنایا کہ کس طرح آپ کے بھتیجے گالی مار کھا کے خاموشی سے چلے گئے۔ حضرت حمزہ آپؐ کے رضاعی بھائی اور چچا دونوں تھے۔ سنتے ہی اتنا غصہ آیا کہ مسجد حرام پہنچ کر ابوجہل کے سر پر اپنی کمان سے ایسی ضرب لگائی کہ خون بہنے لگا۔ جھگڑا بڑھ جاتا لیکن ابوجہل ڈرا کہ بنو ہاشم اتنے کمزور نہیں کہ مار کھالیں۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور حضرت حمزہ نے اعلان کر دیا کہ میں بھی اسی دین پر ہوں جس پر محمدؐ ہیں۔

المبشرؐ کی خواہش کہ معجزہ ملے

آنحضرت کا جی چاہتا تھا کہ کوئی نظر آنے والا نشان (معجزہ) مل جاتا تو شاید یہ مشرک اللہ کو مان کر نیک بن جاتے۔ لیکن قرآن نے بار بار یہی کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا آنحضرت نے اعلان عام کر دیا کہ میں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔ فرشتہ نہیں ہوں۔ اور میں اگر زمین میں گھس جاؤں یا آسمان پر چڑھ جاؤں تو بھی معجزہ نہیں لا سکتا۔ اگر اس تعلیم کو تم خدائی تعلیم نہیں مانتے تو دوسرے اہل کتاب سے پوچھ لو کہ دنیا میں برابر خدائی تعلیمات آتی رہی ہیں۔ یہی کل دنیا کا پیغام ہے۔ قرآن ساحروں اور شاعروں کا کلام نہیں کہ ہر وادی میں تیر چلائے اور وعظ و نصیحت کو ذریعہ معاش بنائے۔ یہ کام بغیر اجرت کے کر رہا ہوں۔ تم نہیں مانتے تو تم جانو۔ اب میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ وہ ابھی علانیہ مصدق نہیں بنے۔

وفد قریش بخدمت الہادی

اب قریش نے براہ راست آنحضرت سے گفتگو کی اور جیسی باتیں عتبہ نے کی تھیں ویسی ہی انھوں نے کیں۔ بلکہ آپ کو بادشاہ ماننے پر تیار ہوئے۔ آنحضرت نے

فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں میں حتی الوسع تمہاری اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں آدمی ہوں فرشتہ نہیں۔ اگر اللہ اور یوم آخر کو مان کر عمل صالح کرنے لگو تو میرا مقصد حاصل ہے۔ کفار نے یہ سنکر گفتگو ختم کردی اور پھر شرارت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور آنحضرت نے ان سے اعراض کرکے دوسروں پر توجہ شروع کی بقول عزت شیرازی ؎

حسود را نتواں کرد از جدل خاموش!
مگر بہ تیغ تغافل زباں بریدہ شود!

برائی کے بدلے بھلائی کرو

اس زمانے میں برابر آنحضرت کی یہی تعلیم رہی کہ وعظ و نصیحت میں سختی اور درشتی سے کام نہ لینا چاہیئے۔ قریش سب اپنے بھائی ہیں۔ سختی کا جواب نرمی سے دو۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو (الرعد) خدا کی عظمت پر نظر ڈالو کہ وہ چاہے تو کافروں کو چشم زدن میں تباہ کردے۔ مگر وہ ان کی اصلاح چاہتا ہے وہ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ خدا کی رحمت ہے کہ ان کے راہ پر لانے کے لئے ہر ملک میں مصلح ہادی نذیر و بشیر بھیجتا ہے۔ خدا کو کافروں پر رحم آتا ہے۔ اسی لئے انھیں بھی تمھاری طرح عقل دی ہے کہ خدا کو پہچانیں لیکن وہ پروہتوں اور ساحروں سے مجبور ہیں۔ ان کی آنکھیں کھولو۔ انھیں پروہتوں اور شاعروں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرو۔ یہ بے قصور ہیں۔ اصل قصور حزب الشیطان کا ہے جو ساحروں شاعروں اور مالدار تاجر کی شکل میں سب کو دھوکہ دے رہا ہے۔

اسلام عمرؓ بن الخطاب ۶ نبوی

عمرؓ اور ان کا ماموں ابوجہل آنحضرت اور مصدقوں کو سخت تکلیفیں پہنچایا کرتے

تھے۔ آخر ایک دن عمرؓ نے سوچا کہ لاؤ محمدؐ کو قتل کر کے قصہ ہی ختم کر دوں۔ یہ کہہ گئے کوئی یار نہ ملا تو رستے میں کعبہ تھا وہاں طواف کرنے چلے۔ مگر دیکھا کہ المبشرؐ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوئے کچھ دعا کر رہے ہیں۔ غلاف کعبہ میں گھس کر آہستہ آہستہ آنحضرتؐ کے قریب پہنچ گئے اور آپ کی دعا سنتے سنتے دل موم ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور جب آپ رخصت ہوئے تو پیچھے پیچھے چل کھڑے ہوئے۔ آنحضرتؐ نے مڑ کر دیکھا تو عمرؓ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن الخطاب اتنی رات گئے کہاں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لئے۔ غرضیکہ آپ مومن ہو گئے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کو بہت تقویت پہنچی۔

مسجد حرام میں علانیہ قرآن پڑھا گیا

اسلام عمرؓ کے بعد مسلمانوں کو اتنی تقویت پہنچی کہ وہ اب علانیہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے قرآن پڑھ سکے۔ جھگڑے کے وقت حضرت عمرؓ سینہ سپر ہو جاتے تھے اور کفار ڈر کر بھاگ گئے تھے۔

قرآنی تعلیم کا مقصد

اسلام حمزہؓ و عمرؓ کے بعد بھی قرآنی تعلیمات میں درشتی اور سخت کلامی پیدا نہیں ہوئی۔ موعظت کا وہی طریقہ رہا جو پہلے تھا۔ کفار عذاب کا نشان (یا معجزہ) مانگتے تھے۔ ان سے یہی کہا گیا کہ موسیٰؑ نے عذاب کی نشانیاں دکھائیں تب بھی فرعونی ایمان نہ لائے اس طرح کے نشانات کی ضرورت نہیں۔ خود اپنی عقل سلیم سے معلوم کرو کہ تمھیں کیا کرنا چاہیئے پھر یہ بتایا گیا ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو تو دشمن بھی دوست ہو جائے گا۔ البتہ مالدار شیاطین نہیں جانتے کہ اعمال کی جزا یا عذاب آخرت سے ڈرایا جائے۔ اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔

اللہ نے انسان کو مختار بنایا

اللہ عادل ہے وہ نہیں چاہتا کہ دنیا میں ظلم رہے۔ لیکن وہ عقل و شعور چھین کر انسان کو مجبور بھی نہیں بنانا چاہتا کہ وہ ظلم یا عدل کی راہ اختیار کرنے پر قادر نہ رہیں۔ چونکہ انسان کو عقل و اختیار دیا گیا ہے اسی لئے اُسے اعمال کی جزاو سزا بھی دی جائے گی۔ ورنہ خدا کو اختیار تھا کہ سب کو جانور بنا دیتا اور پھر وہ ظلم و عدل کے لئے جوابدہی نہ ہوتے بلکہ اپنی فطرت پر چلتے۔ لیکن اُس کا یہ نتیجہ ہوتا کہ ترقی کی راہیں رُک جاتیں اور لوگ نہ تو ترقی کی جنت میں جا سکتے نہ رجعت کے جہنم میں۔ یہ خدا کی رحمت ہے کہ اُس نے عقل و شعور و اختیار دیا ہے۔

سیروا فی الارض

لہذا اقوام عالم میں پھرو۔ تاریخ کا اور اقوام کی حالت کا مطالعہ کرو۔ تم پر یہ راز کھل جائے گا کہ نیک عملی سے قومیں ترقی کرتی ہیں۔ بد عملی سے تباہ ہوتی ہیں لیکن نیک عملی انفرادی نہیں ہوتی۔ پوری جماعت یا پوری قوم کو مل کر نیک عملی کرنا چاہیئے ۔ ورنہ بدوں کی کثرت نیکوں کی قلت کو لے ڈوبتی ہے۔

مسلمانانِ حبشہ کی نماز اور جہاد

مکہ کے مسلمانوں کے مقابلے میں حبشہ کے مہاجر مسلمان نہایت اطمینان و آرام سے تھے۔ حبشہ کا بادشاہ سچا عیسائی تھا یعنی حضرت مریم کو خدا کی ماں اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو پوری آزادی تھی کہ وہ خدائے وحدہ لاشریک سے گرجوں میں جا کر مدد مانگیں۔ بلکہ موحد عیسائیوں کے ساتھ نمازوں میں شریک ہوں۔ اس وقت تک مکہ کے مسلمانوں کی نماز صرف یہ تھی کہ وہ قرآن پڑھیں اور دُعا کریں کہ اُن کے مشرک بھائی بت پرستی

اور غریبوں پر ظلم کرنا چھوڑ دیں۔ حبشہ میں مسلمانوں کی دعا یہ تھی کہ دنیا بھر میں اسلام پھیل جائے اور سب انسان شرک کی گندگی سے نکل کر توحید کی پاکیزگی میں داخل ہو جائیں۔ دنیا سے مالداروں اور پروہتوں کا ظلم ختم ہو اور مساواتِ انسانی پیدا ہو، تاکہ ان کو علم و عقل کی روشنی سے ظالموں کے فریب سے نجات ملے۔

— مکہ میں مسلمانوں کا جہاد یہ تھا کہ مظالم قریش پر صبر کریں۔ لیکن حبشہ میں مسلمانوں کو آزادی تھی کہ نجاشی کے ساتھ شریک ہو کر دولت کتابیہ نصرانیہ کی مدد کریں۔ مقصد دونوں جگہ یہی تھا کہ شرک اور خود غرضی سے دنیا کو نجات ملے، اور ہر جگہ عدل و احسان کی فتح ہو، اور اہرمنی ظلم و طغیان ختم ہو۔

شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد جو نماز کا طریقہ جاری ہوا، اُس کا ذکر آگے ہے۔

چوتھی فصل

محمد المرسل

شعب ابی طالب میں

مقاطعے کے تین صبر آزما سال اور رسالت العالمین کی تباہی

محرم سنہ ۷ نبوی (مارچ ۶۱۶ء) تا ذی الحجہ سنہ ۹ نبوی (مارچ ۶۱۹ء)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الحق، و ما یدعون من دون اللہ الباطل - ان الحکم اِلَّا لِلّٰہ - ھو الفتاح الوکیل ؕ

المُلک والدین توأمان: سلطنت اور مذہب لازم و ملزوم ہیں (الحدیث)

دورِ رابع کی قرآنی تعلیم کا خلاصہ:
سورہ ۳۱ - لقمان — لقمان کو خدا نے علم و حکمت دیا اس نے بھی شرک کی برائی کی - کل مظاہر قدرت اللہ کی نشانیاں (آیات) ہیں، کافروں پر غم نہ کرو -

(صبر و استقامت فتح کی کنجی ہے): -
عروۃ الوثقیٰ کو پکڑو - غرور چھوڑ دو سکھ میں بھی اللہ کو یاد کرو - اور مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کی مدد کرو -

بنواسرائیل کی طرف توجہ

سورہ ۲۔بقرہ: ۲۵۸ ابراہیم نے نمرود کو بتایا کہ اللہ ہی مارتا ہے اور پیدا کرتا ہے ۔ کسی اور کو یہ اختیار نہیں ۔

۱۴۔ ابراہیم ۵۔ یہ تعلیم ظلمات سے نکال کر نور میں لے جاتی ہے اللہ جسے چاہے رسول کردے ہر قوم میں نبی ہوتے رہے ہیں ۔ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا ۔ جو ابراہیم سے کیا تھا کہ مکہ دارالسلام بنایا جائے گا ۔ (یہی عہد عتیق ہے)

۱۲۔ یوسف : ۹۹(۱۷۹۹ تا ۱۷۸۶)

جس طرح یوسف (بنی ابراہیم) کو مصر کی حکومت ملی ۔ ویسے ہی اللہ بنو اسرائیل بن ابراہیم کی حکومت بھی قائم کردے گا ۔ بشرطیکہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں اور کسی سے نہ ڈریں ۔ افسوس کہ

لوگ اللہ کی کتنی نشانیوں پر گذر جاتے ہیں اور اعراض کرتے ہیں (یعنی انھیں مخلوق سے خالق کا پتہ نہیں ملتا) (دیکھیے سورہ قمر)

۲۸۔ القصص ۵۔ موسیٰ نے فرعون کو شکست دی ۔ سلطنت قائم کرنے سے پہلے مدین میں تجربہ حاصل کیا ۔ واپسی میں وادیٔ ایمن میں (شِعب ابی طالب کے) وحی ہوئی کہ غلامی سے اپنی قوم کو نکالو ۔ یہ باتیں اللہ والوں کو اللہ کی وحی سے معلوم ہوتی ہیں کہ موسیٰ کی غرض کیا تھی ۔ (ورنہ کتابوں اور کہانیوں سے یہ کب پتہ چلتا ہے) موسیٰ کے معجزوں کو مصریوں نے سحر کہا ۔ لہذا پھر تحدی یا چیلنج ہے کہ اس تعلیم سے جو قرآن اور توراۃ وغیرہ میں دی گئی ہے بہتر تعلیم لاؤ

قومیں اس کی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔ اہل کتاب قرآن کی تعلیم کو مانتے ہیں لیکن مکہ والے ڈرتے ہیں کہ بت پرستی چھوڑ دیں تو ان کی معیشت چھن جائے گی کیسے بے وقوف ہیں اللہ پر بھروسہ نہیں کر سکتے! لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ خودغرضی (پرودھتی) بے دینی کی جڑ ہے اور اسی سے قومیں تباہ ہوتی ہیں۔ بہرحال حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ وہی جسے چاہے سلطنت دے لا الہ الا ھو لہ الحکم والیہ ترجعون (تحدی کے سلسلے میں تیسری فصل بھی دیکھیے)

چوتھی فصل: المُرسِّل

یاحق

ان الحکم الا للہ (اللہ کے سوا کوئی قاضی نہیں ہے۔ یوسف ۷)
یحکم اللہ لی وھو خیر الحاکمین (یوسف ۸)

مختلف اقوام تک خدائی پیغام پہنچانے کی تیاری کا زمانہ

مقاطعہ اور شعب ابی طالب کعبہ کے پروہت بنی عبدالدار تھے انھوں نے قریش کے دوسرے سرداروں کو دارالندوہ (پنچایت گھر) میں بلایا اور کہا کہ اب سر سے پانی اونچا ہوگیا ہے محمدؐ اپنے کام سے باز نہیں آتا، روز بروز صابیون (بے دینیوں) کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، ابوطالب بھی اپنی حمایت محمدؐ سے نہیں ہٹاتے کہ ہم اسے قتل کردیں، لہذا یہی ایک صورت ہے کہ بنو ھاشم اور بنو المطلب کو برادری سے باہر کردیا جائے۔ اور ان کی گھاٹی شعب ابی طالب پر پہرہ بٹھا دیا جائے کہ کوئی ان کی مدد نہ کرسکے، یہ شرطیں صرف اس وقت اٹھائی جاسکتی ہیں۔ جب بنو ھاشم محمدؐ کو قتل کرنے کے لئے ہمارے سپرد کردیں (مواھب) غرضکہ بنو ھاشم اور بنو مطلب کا مقاطعہ کردیا گیا اور لین دین شادی بیاہ بند ہوگیا۔

مقاطعہ کے مصائب یہ مقاطعہ ۶۱۶ء سے ۶۱۹ء تک رہا، اس کی شدت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ طلح

کے پتے اور پرانے چمڑے کے ٹکڑوں تک کو لوگ کھا گئے۔ مگر بنو ھاشم اور بنو المطلب کے مرد تو مرد عورتیں اور بچے اور غلام تک اپنی آن پر جمے رہے اور آنحضرتؐ کا کسی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ البتہ ابولہب پہلے ہی سے آنحضرت اور ان کی لڑکیوں کا دشمن تھا وہ شعب میں داخل نہ ہوا اور دشمنوں کے ساتھ مزے اڑا رہا ، گھاٹی پر پہرہ تھا ، اور دوستوں کے لئے کبھی کبھی غلہ یا کھجور بھیجنا بہت ہی مشکل ہوتا تھا ، یہی وہ زمانہ تھا جب مشرکوں کے ساتھی دوست مسیحی سامراج کو شکست دے رہے تھے ، اور مصر تک فتح کر چکے تھے۔

حکومت اور دین جڑواں بچے ہیں (الملک والدین توأمان ہمزاد ہم توم)

مشرکوں کے علانیہ اصلاح حال کو بمشکل دو سال گزرے تھے کہ جن کے اصلاح کی کوشش کی جاری تھی وہی دشمن جان بن گئے ؎

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

شعب میں جتنے ساتھی تھے سوائے بی بی خدیجہؓ ، امیر حمزہؓ ، علیؓ ، زیدؓ اور اُم ایمنؓ کے سب مشرک تھے ، لیکن رشتہ داری کی بنا پر سینہ سپر تھے ، شعب سے باہر چند مجبور مسلمان تھے ، باقی حبشہ جا چکے تھے۔ لہٰذا اللہ تھا اور نبی اللہ کی بخشی ہوئی ہمت ، اور کافروں اور بے کسوں سے محبت۔ المرسل پر وحی کا سلسلہ جاری تھا ، سننے والے بہت کم تھے۔ زیادہ تر یہ تعلیم آنحضرت ہی کے لئے تھی ، دین حق کے قیام کے لئے صبر استقامت کے ساتھ ، مصائب کی بھٹی سے گذرنا ضروری تھا آپ آپ کے ضمیر منیر پر یہ روشن ہو گیا کہ دین اور سیاسی اقتدار (ملک اور دین)

دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک کے بغیر دوسرا زندہ نہیں رہ سکتا، دنیا میں بہت سے نبی آئے، لیکن جو سلطنت نہ قائم کر سکے وہ دین کو بھی آگے نہ بڑھا سکے، موسیٰؑ، داؤدؑ و سلیمانؑ کی یہی حقیقت ہے کہ وہ سلطنت قائم کر کے اللہ کے دین کو قائم اور محفوظ کر سکے۔ سلطنت گئی تو یہودی دین بھی ختم ہو گیا مسیحؑ کو سلطنت ہی نہ ملی، اور تیسری صدی میں مسیحیوں کو سلطنت ملی بھی تو اس وقت تک مسیحیت کا کلمہ بھی متعین نہ ہو سکا تھا، پروہتوں نے (یعنی پادریوں اور پوپوں) نے دین کو کھلونا بنا لیا، آخر یہی مسیحیت پردے میں چھپ گئی بہت سے فلسفی آئے، لیکن سلطنت کے بغیر اپنے اصول اخلاق کو رائج نہ کر سکے۔ مارکس آریلیس یا اشوک کے زمانے میں سلطنت کے بل بوتے پر عوام تک بلند فلسفیانہ اصول پہونچے لیکن ان فلسفی بادشاہوں کے ختم ہونے پر نہ فلسفہ باقی رہا نہ دین، لہٰذا سلطنت ہو تو کتابی ہو، آئینی ہو، جو بادشاہ کے بعد بھی نبھا نہ ہو اور جمہوری یعنی غیر پرستی نظام کی پابند ہو۔

کتابی سیاست کی تمہید

غرضکہ اس زمانے کا قرآن کتابی سیاست کی تمہید ہے۔ اور اس میں تعلیم صبر و استقامت کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ دین کی غرض دنیوی زندگی کی اصلاح ہے۔ یہ اصلاح بغیر سیاسی اقتدار کے ادھوری رہ جاتی ہے۔ صرف دین یا صرف سیاست انسانی اصلاح و ترقی کے لئے کافی نہیں۔ کوئی نبی کتنا ہی زور لگائے، کوئی مدبر کتنا ہی اقتصادی ترقی کا راگ الاپے، لیکن ایک گوشے پر نظر رہے گی تو دوسرا خالی رہ جائے گا بقول نصرتا لاہوری ؎

شیشۂ ساعت بود آئینۂ دنیا و دین
گر یکے آباد گردد دیگرے ویراں شود

یہ صرف آنحضرت کا کارنامہ تھا کہ آپ نے عقل کو آزادی دے کر دین و دنیا کو ایک کر دیا۔ اور لوگوں کو جمہوری اور روحانی، غیر پیر وتنی سلطنت کا تصور دیا۔

شعب کی قرآنی تہذیب سیاست

اس دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں، ان میں مرکزی سیاسی پارٹی کے لئے چند زریں اصول بیان کئے گئے ہیں، اور خاص طور سے بنو اسرائیل کی سیاسی تاریخ کو پیش نظر رکھا گیا ہے؟ مثلاً:-

۱- اخلاقیات اور پارٹی فنڈ

مرکزی جماعت کو نیک کاموں کی عادت ڈالنا چاہیئے۔ اگر ماں باپ بھی روکیں تو مقصد کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے، مصیبت پر صبر کرنا، لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا، غرور نہ کرنا قدامت پرستی کی تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کرنا اور ان اعمال کے ساتھ اللہ کو ماننا ہی عروۃ الوثقیٰ کو پکڑ لینا ہے۔ خدا کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پارٹی فنڈ ہو، جس سے یتیموں مفلسوں اور اسیروں کی مدد کی جائے، جب معاشی مساوات اور اتحاد عمل پیدا ہو جائے گا تو حکومت قائم کر لینا آسان ہو گا (سورہ لقمان)

۲- کتابی سیاست

اس زمانے کی قرآنی تعلیم یہ بھی بتاتی ہے کہ غریبوں مسکینوں اور غلاموں کی سیاست ایسی ہونا چاہیئے کہ دنیا میں قانون الٰہی (کتاب اللہ) جاری ہو جائے یعنی جس طرح خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اسی طرح آزاد رہے اور کوئی دینی یا سیاسی

گروہ ان کے دماغوں اور جسموں کو اپنا غلام نہ بنا سکے، یہ اسی طرح ممکن ہے کہ صرف اللہ کو آقا مانا جائے ۔ اور جب کبھی کوئی نمرود فرعون یا پروہتوں اور ساحروں کی جماعت اپنی خدائی قایم کرنے لگے تو ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی طرح ان سے بغاوت کردی جائے ، بغاوت کا طریقہ بھی بتایا کہ یا تو حضرت ابراہیم (۱۹۲۱ق م) کی طرح نمرودکی کواکب پرستی کے خلاف بغاوت کرکے صرف ایک بھتیجے (لوطؑ) کے ساتھ ہجرت کی جائے یا حضرت موسیٰؑ کی طرح پہلے تنہا ہجرت کی جائے اور موقع پاکر پھر مصر سے اپنے غلام ہم قوموں کو لے کر (۱۴۹۲ق م میں) نکلا جائے ۔ اور سلطنت قایم کرنے کی کوشش کی جائے ۔ قرآن اسے تسلیم کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم سے خدا نے وعدہ کیا تھا کہ خدائی قانون پر چلیں گے تو وہ اور ان کی اولاد ہمیشہ معزز رہے گی ۔ حضرت یوسفؑ (۱۰۰۱ق م) کا قصہ یہی ظاہر کرنے کے لئے بیان ہوا کہ خدا پرستی کا اجر اسی دنیا میں مل جاتا ہے اور ایک غلام تخت سلطنت تک پہونچ جاتا ہے ۔ لیکن جب بنو اسرائیل نے عزیر (OSIRIS) پرستی اور گوسالہ (MEMPHIS) پرستی شروع کردی تو پھر غلام بنا دئے گئے آخر دو سو سال کی غلامی کے بعد خدا نے دشمن ہی کے یہاں موسیٰؑ کی پرورش کرائی اور انھوں نے خدا کی مدد سے ایک غلام قوم کو پھر آزادی کا سبق دیا ، اور انھیں بتایا کہ عزیر کی جگہ یہوا (اللہ) کو پوجو ۔ اور یہ نہ سمجھو کہ تم ابراہیمؑ و اسرائیل کی نسل سے ہو ، اس لئے خدا تم پر رحمتیں نازل کرتا رہیگا ، بلکہ اگر اعمال اچھے ہوں گے ، یعنی جب خدا پر بھروسہ کرکے معاشی مساوات اور آزادی کی کوشش کروگے تب حکومت حاصل ہوگی ۔ یہ نہ ہوگا کہ خدا

کو ساتھ لے کر میں جاؤں اور کنعانیوں کو شکست دے کر تمھیں سر سبز شاداب ملک کا حکمراں بنا دوں۔ اگر خود عملی زندگی نہ شروع کرو گے تو بیابان سینا میں فاقوں سے مر جاؤ گے اور من اور بٹیر بھی نہ میسر آئیں گے، پیاز اور پھل ترکاریاں تو درکنار۔ بقول کلیم کاشانی صرف قول نہیں عمل ہونا چاہیئے

اے جرس تلبچے از نالہ گلو پارہ کنی
کس دریں بادیہ دیدی کہ بفریاد رسید؟

پھر چیلنج کہ اس سے بہتر تعلیم کوئی نہیں

اسی دور میں المرسلؐ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا، اور شعب سے باہر جو مسلمان تھے، ان کے ذریعہ مشرکین مکہ تک یہ قرآنی پیغام پہنچایا کہ ساسانیوں کی فتح پر خوش نہ ہو۔ ان فتوحات سے تمہاری بت پرستی اور تجارت کو ترقی نہ ہوگی۔ اگر ترقی ہو سکتی ہے تو اللہ کی بندگی سے ہو سکتی ہے، صرف خدا پرستی سے تم ایک مضبوط قوم بن سکتے ہو، معاش سے بے فکر ہو سکتے ہو۔ دیکھو ابراہیم و موسیٰ کے زمانے سے یہی قانون ہے کہ جو اپنی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی مدد کرتا ہے، ورنہ تباہ کر دیتا ہے۔ لوگو اس سے بہتر تعلیم کیا ہو سکتی ہے کہ قانون الٰہی پر چلو، اور بت پرستی اور خود غرضی کے کیچڑ سے نکل آؤ۔ بہر حال حکم تو اللہ ہی کا چلتا ہے۔ اس کا قانون اٹل ہے۔ مرنے کے بعد بھی اسی کے پاس جانا ہے اور اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ وہی آخری حاکم یا فیصلہ کرنے والا ہے۔

صبر و استقامت فتح کی کنجی ہے

یاد رہے کہ اس دور کا قرآن نہ صرف کتابی اور فطری سیاست کی تمہید ہے، بلکہ ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے اس میں جس صداقت کا

ابھارا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ پر بھروسہ کر کے مصائب و حوادث کا مقابلہ کرتے ہیں انھیں یقیناً فتح ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ جب یتیمی کے دور سے گزر رہے تھے تو پہلی ڈھارس دینے والی چیز یہی تھی کہ

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (خدا پر بھروسہ کرنے والوں کی آیندہ حالت ہمیشہ پچھلی حالت سے بہتر ہوتی رہتی ہے) آپ کے ہر دور زندگی میں خدا پر بھروسہ اور خود اعتمادی کی یہی شان ہر جگہ نظر آتی ہے۔ شعب سے نکلنے کے بعد صبر و استقامت کی جو تعلیم دی گئی وہ اپنی آپ نظیر ہے،

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ (حم السجدہ: ۴)

جن لوگوں نے اللہ کو اپنا آقا مان لیا، اور پھر اس پر مضبوطی سے قائم رہے۔ تو ان پر فرشتے اتر کر تسکین دیتے ہیں کہ خوف نہ کرو بلکہ اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے وعدہ تھا۔

مرحوم اخگر مراد آبادی نے خوب کہا ہے کہ ؎

مصیبت راہ حق میں ہمت مرداں بڑھاتی ہے،
کہ جوہر اور بھی صیقل سے خنجر کے نکلتے ہیں

بہر حال جس قوم میں مصائب سے گزرنے کی ہمت پیدا کرنا چاہو اسے اس دور کا قرآن دیدو اور بتادو کہ اسی قرآن کو پڑھ کر حافظ کہا کرتا تھا کہ ؎

در بیابان گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

پانچویں فصل

رسول اللہ الی العالمین قبائل عرب و بنو اسرائیل کو توجہ

محرم سنہ ۱۰ نبوی (مارچ ۶۱۹ء) تا صفر ۱۳ نبوی (مئی ۶۲۲ء)

شعب ابی طالب سے رہائی کے بعد ہجرت مدینہ تک تبلیغ فی غیر القریش

دورِ رابع کی قرآنی تعلیم لا الٰہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ

لم یتخذ ولدا و لم یکن لہ شریک فی الملک

لا تسجدوا للشمس و القمر (السجدہ) ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن (العنکبوت)

ان ھذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ھم فیہ یختلفون (النحل ۷)

تاریخ شاہد ہے کہ قومیں بدعملی سے تباہ ہوتی ہیں

۳۰ ۔ الروم رومیوں کی جلد فتح ہوگی ۔ اور مومن خوش ہوں گے

سیروا فی الارض اور دیکھو کہ ہمیشہ ظالم قومیں تباہ ہوئی ہیں جو اللہ کو نہیں مانتیں اور مسکینوں کی مدد نہیں کرتیں، بلکہ سود خور ہیں صدقے سے مال دوگنا ہوتا ہے ۔

٧: الاعراف :۔ آدم ابلیس
کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے
کہ شیطان ازل سے انسان
کا دشمن ہے ۔ اولاد آدم میں سے
نوح ۔ لوط ۔ ھود ، صالح
کی قومیں شیطان پرستی کی وجہ
سے تباہ ہوئیں ۔ ان کے
بعد قوم فرعون سے بنو اسرائیل
کو نجات ملی اور انھیں قانون
ملا ۔ سلطنت ملی ۔ غلامی سے
نجات ملی ۔ توراۃ میں بنو اسمٰعیل
کے نبی امی کا ذکر ہے ۔ اور
امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم
ہے ۔ بلعم باعور نے توراۃ میں
تحریف کی تو گھاٹے میں پڑا اور
ظالم اسرائیلی پھر غلامی میں مبتلا
ہوئے ۔ میں عالم غیب نہیں
ہوں صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔

۲ سنہ نبوی میں حضرت جبریل سے گفتگو کے بعد

٢٩: العنکبوت :۔ شرک کرنے
کو والدین بھی کہیں تو نہ مانو۔ اور
زمین میں پھر کر دیکھو کہ مشرک قومیں
کیسے تباہ ہوئیں ۔ شرک کرنا مکڑی
کے جالے کو مضبوط مکان سمجھنا
ہے ۔ اہل کتاب سے کٹ حجتی
نہ کرو بلکہ کہو ۔ الٰہنا و الٰہکم واحد
میں نے توراۃ نہیں پڑھی لیکن
ان باتوں کو اہل کتاب جانتے
ہیں ۔ معجزے دینا اللہ کے اختیار
میں ہے ۔ مومنو ہجرت کرو۔
اللہ کی زمین وسیع ہے ۔ اللہ رازق
ہے ۔ کافر بھی اسے مانتے ہیں
کہ دیوتا رزق نہیں دیتے اور جب
کشتی میں ہوتے ہیں (جہاں بتخانہ
نہیں ہوتا) تو اللہ کو پکارتے ہیں الحمد للہ

٣٥: الفاطر :۔ تو کافروں کے
کفر پر دل گیر نہ ہو ۔ جو اچھا کام
کرے گا خود اسی کا بھلا ہوگا ۔ کتاب
علم الٰہی کو کہتے ہیں ۔ توراۃ (کتاب اللہ)
پڑھنے والے صلاۃ و انفاق کرتے ہیں
یہ اٹل قانون تاریخ کا ہے شرک اور

خود غرضی تباہی لاتی ہے۔
۴۱: السجدہ: میں بشر ہوں خدا خالق کائنات ہے جبر کر کہ اللہ کو رب مانو۔ سب خوف و حزن جاتا رہے گا۔ خدا اپنے نشانات کل کائنات میں اور ان کے دلوں میں جلد ظاہر کر دے گا۔ اور ان پر ثابت ہو جائے گا کہ قیامت ضرور آئے گی اور ہر جگہ اللہ ہی اللہ ہے دشمن سے بھی نیکی کرو تو وہ تمہارا دلی دوست بن جائے گا۔

۳۔ طائف سے واپسی نخلہ میں

۷۲: الجن: جن تک اس قرآن کو عجیب ہدایت کا کلام سمجھتے ہیں۔ میں پھر بھی یہی کہتا ہوں کہ اللہ عالم الغیب ہے جن نہیں ہیں۔ اور وہ غیب کا علم بذریعہ وحی جسے چاہے دے (کہ وہ لوگوں کو ہدایت کرے)

۱۔ الحمد (نصف اول) اللہ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا: وہی لوگوں کا رب ہے۔

۴۵: الجاثیہ: اہل عقل کے لئے ذرہ ذرہ سے اللہ کی نشانیاں ظاہر ہیں۔ دہریہ بعث کے قائل نہیں۔ یقیناً ان کے اجداد دوبارہ پیدا کئے جائیں گے۔

۴۳: الزخرف: ملائکہ مؤنث نہیں وہ عباد الرحمان ہیں۔ مشرک ان کو شفیع مانتے ہیں اور ان کو پوجتے ہیں اور دولتمندوں کا ہمیشہ یہی قاعدہ رہا ہے کہ تکبر کے تقیر ہوتے ہیں کہتے ہیں (اہل طائف) کہ جو باپ دادا کا دین ہے اس کو نہ چھوڑیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن دولتمندوں پر کیوں نہ نازل ہوا۔ بہرحال الخنین

ان کے حال پر چھوڑ دے۔ اور
کہہ دے کہ رحمان کے بیٹا ہوتا تو میں
خود اس کی پرستش کرتا۔

۲۷۔ النمل ہر نبی کو خدا علم
دیتا ہے ۔ یہ قرآن بنی اسرائیل
کے اختلافات کو بتاتا ہے۔
بہرحال تو اندھوں بہروں مُردوں
تک اپنی آواز نہیں پہونچا سکتا
اللہ اپنی نشانیاں ضرور دکھائے گا
اور یہ لوگ ان نشانیوں کو پہچان
لیں گے کہ وہ خدا کی نشانیاں
ہیں۔

بیعت عقبہ اولیٰ ذی الحجہ ۱۱ نبوی

بنی اسرائیل سے خطاب

۱۷۔ بنی اسرائیل :۔ بنو اسرائیل
نے دو مرتبہ سرکشی کی۔ (یعنی شرک
و نفس پرستی اور فساد) کی راہ اختیار
کی۔ دو مرتبہ یروشلم تباہ ہوا
پھر توبہ کی دشمنوں پر غالب آئے
اور سلطنت ملی۔ لہذا اب پھر
شرارت کریں گے تو اور تباہ
ہوں گے۔ اے بنی اسرائیل
اگر آنحضرت کو تم مانتے (تو بدعملی نہ
کرتے) اور تباہ نہ ہوتے۔ ہمیشہ
قومیں مالداروں کی عیش پرستی
وخود غرضی سے تباہ ہوتی ہیں
خدا پہلے خبردار کر دیتا ہے۔ پھر عذاب
نازل کرتا ہے۔ احکام اخلاق
اسلامیہ کی بنیاد یہ ہے کہ کان
آنکھ دل کو پاک رکھو اور غرور
نہ کرو ظلم نہ کرو۔ دکھ نہ دو
اے مشرکو! معجزے نہ دئے جائیں
گے۔ اگلوں نے کب مانا تھا
تم انہیں دیکھ کر بعث کا یقین
کرو گے۔

اگر آنکھیں ہیں تو خدا کی قدرت
کے عجائبات دیکھو کہ کل دنیا
میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر چیز خدا
کی تسبیح کرنے پر مجبور ہے۔ ہم
نے قرآن میں ثمود اور بنو اسرائیل
وغیرہ کے حالات وجودی رویائی

سے حاصل ہوئے) بیان کئے ہیں
یہ وحی ان مشرکوں کے لئے شجر ملعونہ
بن گئی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ
گزشتہ قوموں پر عذاب کے قصے
(خصوصاً بنو اسرائیل کے حالات
جنھیں وہ خود ان سے پوچھ
سکتے ہیں) نہ بیان کریں۔ اور
عذاب دنیا اور عذاب آخرۃ سے
نہ ڈرائیں۔ تو بھی ان کی طرف
کسی قدر مائل ہو چلا تھا۔ اگر
ایسا کرتا تو دگنا عذاب پاتا۔ بہر
حال خدا کے نیک بندوں پر
شیطان کی دسترس نہیں ہوتی
اسلئے تجھ پر ان مشرکوں کی تخویف
اور شیطنت کا اثر نہ ہوا۔
تحلیل:۔ روح کیا ہے اور
امر رب ہے۔ وحی ہے۔ ایسے
نفسیاتی معاملے میں جن کا خدا
نے مشرکوں کو بہت کم علم دیا
ہے۔ شیطان یا انسان ہرگز
ایسی وحی نہیں لا سکتے۔ خواہ ایک
دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں۔
بہر حال میں بشر ہوں نہ چشمے بہا
سکتا ہوں نہ آسمان گرا سکتا ہوں
موسیٰ پر نو معجزے نازل ہوئے
لیکن لوگ نہ مانے۔ سچے یہود
و نصاریٰ قرآنی تعلیم کو سن کر
خشوع سے سجدہ میں گر جاتے
ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ یہ بھی اسی
سرچشمہ سے بذریعہ روح القدس
نازل ہوا ہے جس سے توراۃ و
انجیل ہوئی تھی) اُسے اللہ کہو
یا رحمان کہو سب اچھے نام اسی
کے ہیں)

۱۱۔ <u>خود</u> قرآن کی ہی تعلیم
ہے کہ کہ نعبد ولا الہ میں
صرف نذیر و بشیر ہوں (یعنی آخرت
کی سزا و جزا سے ڈراتا ہوں) نہ
میں غیب جانتا ہوں نہ فرشتہ
ہوں، کافرو انتظار کرو دیکھو
اللہ کیا کرتا ہے۔ مومنو مشرکوں
کی طرف نہ جھکو۔

بیعت عقبہ ثانیہ ذی الحجہ ۱۲ نبوی

۱۰۔ یونس :۔ مشرکوں کو تعجب ہے کہ ہم نے ایک انسان پر یہ وحی نازل کی کہ لوگوں کو خبردار کرو کہ بد عملی نہ کریں ورنہ جہنم ملے گا۔ اور مومنین کو بشارت دو کہ جنت ملے گی۔ اور یہ کہ کل کائنات اسی قانون (حق) پر چل رہی ہے کہ جو جیسا کرے گا دنیا پا وے گا حیسا کافر بھی ملتے ہیں کہ خدا مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے تو یوم البعث کے لئے معجزے کی کیا ضرورت ہے! یہ قرآن اسی طرح دیا ہوا خدا کا علم ہے۔ جیسا کہ پہلے دیا گیا ہے۔ میں نے اسے تصنیفا نہیں کیا۔

پھر تحدی :۔ اور اگر اس طرح کا کلام ربانی انسان بنا سکتا ہے تو تم ایک ہی سورت اس طرح کی بنا لاؤ۔

ہر امت میں ایک رسول آتا ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ نہ اپنے کو (معجزے کے ذریعہ) نفع پہونچا سکتا ہوں نہ نقصان۔ میں خدا کو ہر امر کا کرنے والا مانتا ہوں میں یہ کلام ہدایت و نصیحت کے لئے سناتا ہوں۔ (جیسا کلام تمہارے یہاں موجود نہیں)۔ کتاب مبین یعنی علم الہی میں ہر شے ہے۔ وہی جانتا ہے کہ عذاب کب نازل ہوگا۔ بہرحال مومنوں کو حق بات پہونچ گئی ہے۔ بے ایمانوں کو تنبیہ (آیات) اور نذر (خبردار کرنا) بے سود ہے۔ لہذا خدا کی وحی پر عمل کرو اور صبر کرو دیکھو اللہ کیا کرتا ہے۔

۱۶۔ النحل :۔ امر الہی قریب آگیا ہے۔ (ہجرت کا وقت) لہذا جلدی نہ کرو (مجوسیو) دو خداؤں کو نہ پوجو،

اہل ذکر سے پوچھو کہ ہر شے اللہ کی مطیع ہے۔ لہٰذا طاغوت سے اجتناب کرو انما ھواله واحد وہ اللہ عدل واحسان اور انفاق کا حکم دیتا ہے، یہ قرآن، عقل اول (لوگاس) یا روح القدس اللہ کے پاس سے لایا ہے، لہٰذا اس کو پڑھنے سے پہلے "اہرمن دور باش" کہہ لیا کر۔ یعنی استعذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ جب خدا ایک آیت (دلیل) کی جگہ دوسری بدل دیتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ میں خود بنا لایا ہوں حالانکہ اللہ کے اچھے بندوں پر شیطان کا دخل نہیں وہ اپنی نفسانی خواہش سے دلیلیں دیں، پاکیزہ گوشت سب حلال ہیں یہودیوں نے بعض چیزیں خود اپنے لئے حرام کرلی ہیں ملت ابراہیم میں یہ حرام نہ تھیں، اس ملت پر عمل کرو اور رب کا راستہ حکمت و موعظت سے دکھا (یعنی حرام حلال میں نے اپنے دل سے

نہیں بنایا یہ باتیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں جو فطرت انسانی معلوم کر سکتی ہے)

۶۔ الانعام (اے مجوسیو) ظلمات و نور اللہ ہی نے بنائے یہ کافر اہرمن کے یزدان (سایہ) کو بھی برابر کئے دیتے ہیں۔ ھو اللہ احد کا منکر بعث کو نہیں ملتے اور وہ اس کے ثبوت میں آیت (نشان عذاب یا معجزہ عذاب) مانگتے ہیں۔ تو اگر تیرے بس میں ہو تو زمین میں گھس کر یا آسمان پر چڑھ کر نشان لادے۔ اللہ چاہے تو نشان عذاب نازل کر سکتا ہے لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ کیوں عذاب نازل نہیں کرتا۔ بہرحال جس کی وہ جلدی کر رہے ہیں وہ میرے پاس نہیں (میں عذاب کا معجزہ نہیں لاسکتا، میں تو صرف مبشر و منذر ہوں میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب جانتا ہوں نہ فرشتہ ہوں۔ صرف تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔

یہودی بعض باتوں کو بتاتے ہیں،
بعض کو چھپاتے ہیں اور ان میں کئی
فرقے ہو گئے ہیں، لہذا یہ قرآن
قدیم پیغمبروں کے راستے پر چلانے کی
وہی تعلیم ہے جسے مکہ اور اس کے
اطراف کے لوگوں کو بتانے کے لیے
خدا نے دی ہے۔ تم مردار کھاتے
ہو۔ اولاد کو دیوتاؤں پر بھینٹ
چڑھاتے ہو۔ الغرض نہایت غیر
متمدن اور شیطان پرست ہو میں ان
باتوں سے تمہیں بچا کر اہل کتاب یا مہذب
بنانا چاہتا ہوں تاکہ شرک نہ کرو اور
فواحش سے بچو، یقیناً یہ قرآن بھی کتاب
موسیٰ کی طرح مبارک ہے، لوگو
عذاب الٰہی سے ڈرو، اگر وہ آیا تو
توبہ کرنا بے کار ہو گا۔ میں ملت
ابراہیم پر چلتا ہوں کہ نماز و عبادت، زندگی
اور موت سب اللہ لاشریک کے لئے ہو۔

یاھو

الھنا والھکم الہ واحد: ونحن لہ مسلمون (العنکبوت ۴۶)

(جو ہمارا معبود ہے وہی تمہارا بھی معبود ہے اور ہم سب اسی کے مطیع ہیں)

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن، ایاً ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنٰی (بنی اسرائیل)

یک چراغست دریں خانہ واز پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

قبائل اور دوسری قوموں میں تبلیغ

شعب سے رہائی

ھاشم، بی بی خدیجہ کا رشتہ دار تھا، زہیر مخزومی ابو طالب کا بھانجہ تھا، مطعم بن عدی ایک غیر جانبدار سردار تھا، ابو البختری ایک نیک شخص تھا اور زمعہ بنو المطلب کا رشتہ دار تھا، ان سب کو ھاشمیوں سے ہمدردی تھی۔ انھوں نے طے کیا کہ مقاطعہ ختم ہونا چاہیئے۔ لہٰذا ایک دن صبح کو حرم میں آئے، زہیر نے اعلان کردیا کہ یہ مقاطعہ نامہ سخت ظالمانہ ہے۔ لہٰذا میں اسے چاک کرتا ہوں۔ ابوجہل نے مخالفت کی، مگر جب اس نے دیکھا کہ چار اور سردار بھی اس کی حمایت میں موجود ہیں تو وہ خاموش ہوگیا۔ معاہدہ نامہ چاک کردیا گیا۔ یہ پانچوں سردار مسلح ہوکر گئے اور بنو ھاشم اور بنو المطلب کو شعب سے نکال لائے تین

تین سال کے مصائب کے بعد یہ لوگ شعب سے نکلے تو نہایت خستہ حال تھے۔ اب گویا آنحضرتؐ سے یہ طے پا گیا تھا کہ مکہ کے اندر اپنی تبلیغ بند کر دیں گے۔

خزرج سے گفتگو

رجب سنہ ۱۱ھ میں چھوٹے حج کے موقع پر مدینے سے قبیلۂ خزرج کے کچھ لوگ آئے تھے، آنحضرتؐ ان سے ملے، اور انھیں سمجھایا کہ میرا مقصد اصلاح ہے، میں چاہتا ہوں کہ بت پرستی اور خود غرضی چھوڑ کر سب خدا پرست بن جائیں، ان میں سے بعض نے آپ کی ہمنوائی کی۔ اور بعض نے یہ کہا کہ یہ تو دنیا ہی نبی یا مسیح معلوم ہوتا ہے، جس کا یہودیوں کو انتظار رہے۔

ابوطالب اور بی بی خدیجہؓ کی وفات

رہائی کے بعد سنہ ۱۰ نبوی کے رمضان میں ابوطالب کی وفات ہو گئی کہتے ہیں کہ انھوں نے مرتے مرتے خدا کی وحدانیت اور بعث بعد الموت کو مان لیا تھا۔ ان کے تین دن بعد بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا بھی انتقال ہو گیا، اور اب آنحضرتؐ بالکل بے یار و مددگار رہ گئے۔ ابو طالب کے بعد ابو لہب سردار خاندان ہوا۔ اور آنحضرتؐ کو اپنی حمایت میں رکھنا چاہا۔ لیکن اس کے پرانے معاندانہ طرز عمل اور اس کی جورو کی چغلیاں اور بنات رسول پر زیادتیاں اس قدر حد سے گذر چکی تھیں کہ آنحضرتؐ نے اس کے جوار کو قبول نہ کیا اور زیدؓ بن محمد کو ساتھ لے کر مکہ سے نکل گئے، اس لئے کہ جس کا کوئی حامی نہ ہوتا تھا وہ قتل ہو جائے تو کوئی پرسان حال نہ ہوتا تھا۔ اس زمانے میں ظالم پڑوسیوں نے آپؐ کو بہت ستایا۔ جس کا آپؐ نے صرف یہ جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں

ز وہ وقت آنے والا ہے کہ منسوخ کم اور رد کے زیادہ۔ اس زمانے
آپ نے چپکے چپکے مختلف قبائل اور اہل کتاب سے اتحاد کی کوشش
ی رکھی۔

نبی سلطنت کیلئے قبائل میں دورہ

شعب کے زمانے ہی میں خدا
نے آپ کے دل میں یہ بات
ل دی تھی کہ بغیر سلطنت قائم کئے یہ ممکن نہیں کہ لوگوں کی اخلاقی
لت درست ہو سکے۔ ایک طرف تو ہر قوم و ملک میں پروہت، فوجی سردار
ور ساحر طبیب پیدا ہو گئے ہیں جو عوام کے دماغوں کو بیکار رکھ کے ان کو
طرح سے لوٹ رہے ہیں۔ وہ ایسے قوانین بناتے ہیں جن میں "خدا کے بیٹوں"
فائدہ ہو اور خدا کے بندے تباہ ہوں۔ دوسری طرف لٹے ہوئے مفلس
لیں جو ان کے فریبوں میں صدیوں تک مبتلا رہ کر اتنے جاہل و مدہوش
ہو گئے ہیں کہ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں خدا کے نام پر جانیں دیتے
ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ خدا کے لئے نہیں بلکہ ان شیطانوں کے لئے جان
دے رہے ہیں جو بادشاہ، پروہت، ساحر یا کاہن کہلاتے ہیں۔

بہر حال قومیں آئیں اور گئیں۔ عاد و ثمود کی پرانی قومیں ان
ہی خود غرض لوگوں کی نذر ہوئیں۔ مصری فرعونوں کی خدائی بھی
اسی لئے ختم ہوئی۔ یونان و روما بھی اسی لئے مٹ گئے کہ سب کے سب
غلام ساز تھے۔ اور محنت کا کام کرنا تو درکنار، خود قومی دفاع بھی غلاموں
کے ذریعے کراتے تھے۔ آنحضرت کے سامنے جو قومیں تھیں ان میں یہود کی
ہزار سال کی شاندار تاریخ تھی۔ شاندار اس لئے نہیں کہ حضرت موسیٰ
نے بہت کوشش کے بعد سرزمین موعود کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا حاصل کر لیا۔

تھا، یا داؤد یا سلیمانؑ نے ایک ننھی سی سلطنت اور ایک مختصر سا دور بنا لیا تھا۔ ملکہ شاندار ان معنوں میں کہ یہ قوم بار بار غلام بنی اور بار بار اس نے ایسی جدوجہد کی کہ آزاد ہو جائے اور سلطنت قائم کر سکے۔ بادشاہ نجاشی سے گفتگو ہو چکی تھی۔ اب بنو اسرائیل اور ایران وعراق کے لئے خدا پرستوں سے گفتگو شروع ہونے کا زمانہ آگیا تھا۔ اسی زمانے میں ۶۱۹ء تک نصرانی شہنشاہ قسطنطنیہ کو ایرانیوں نے شکست پر شکست شروع کی تھی اور ساسانیوں نے مصر تک فتح کر لیا تھا۔ مشرکین مکہ بہت خوش تھے کہ جلد ہی ساسانی فوجیں حبشہ پہنچ کر مسلمان مہاجروں اور نصرانی فوجوں کا صفایا کر دیں گی۔ لیکن آنحضرتؐ نے زبان وحی سے فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ رومی مغلوب ہو گئے ہیں تو ان کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ چند ہی سال میں وہ فاتحانہ آگے بڑھیں گے۔ اس وقت مشرکوں کی خوشی خاک میں مل جائے گی۔ اور ہوا بھی یہی کہ ۶۲۲ء سے رومی نصرانیوں نے جو حملے شروع کئے تو ۶۲۷ء تک بوڑھے خسرو پرویز کو بالکل ہرا دیا۔ رومیوں نے دجلہ کا صوبہ فتح کر لیا اور پرویز شکست کھا کر بھاگ گیا۔ آنحضرتؐ نے ساسانیوں اور عام طور پر قوم کی شکست کی وجہ یہ بتائی کہ ظالم ہمیشہ شکست کھاتے ہیں۔ ظلم کی ایک شکل سود خوری ہے۔ مظلوم ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ سود خور ظالم کی غلامی سے نکل جائے اور کوئی دوسرا عادل حکمراں آ جائے۔ دوسری عدم مساوات وغلامی ہے، یہ دونوں باتیں کم وبیش ہر جگہ پھیلی ہوئی تھیں، حتیٰ کہ ایرانیوں کی اکثر فوج غلام ہوتی تھی۔

فرقہ بندی فطری دین نہیں

مختلف دینوں میں فرقہ بندی پیدا ہو گئی تھی، آنحضرتؐ نے بتایا یہ غیر فطری

...رہے۔ فطری دین میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ مسیحیوں اور یہودیوں میں ...
...ن یا فرقے بن گئے ہیں، حالانکہ دین فطرت، اللہ کی وہ تراش ہے جس
اللہ نے انسان کو انس و محبت کا پتلا بنا کر تراشا ہے۔ یہی سیدھا اور فطری
...ن (دین) ہے۔ جس طرح عیسیٰ کو یا کسی قوم کو خدا کا بیٹا ماننا غیر فطری ہے
...ی طرح انسانی مساوات کو ختم کرنا بھی غیر فطری ہے۔ مساوات اور وحدت
...انی کے لئے خود غرضانہ گروہ بندی زہر ہے۔ سود لینا اور اپنے بھائیوں
... غلام بنانا اور بلا کسی ذاتی نفع کے مدد نہ کرنا غیر فطری ہے، جانور
...ی ایسا نہیں کرتے (سورہ روم)

...بنواسرائیل پر توجہ

بنواسرائیل کی بار بار تباہی کی وجہ سے اصلی توراۃ ضائع ہو چکی تھی۔ موجودہ زمانے
...ں توراۃ السامرہ باقی ہے، عزیرؑ نے جو توراۃ لکھوائی تھی وہ بھی
...جود نہیں ہے۔ بہرحال بابل کی قید کے زمانے میں اسرائیلوں
...ے بابل میں تمدن و تاریخ کا سبق پڑھا اور اپنی قوم میں جوش اور زندگی
...یدا کرنے کے لئے ایسی باتیں لکھ لیں جو موجودہ تحقیق سے بالکل بے سر دپا
...یں، حقیقت سے بہت دور ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کو دنیا بھر کی
...موں سے اونچا بنانے کے لئے یہ قصہ گڑھا کہ وہ خدا کے خاص منظور نظر
...یں۔ بلکہ بیٹے ہیں۔ دوسری ہزاروں قومیں ان کی غلامی کے لئے بنائی
...ئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کا ایک خاص خدا (یہوا) ہے جو دوسری قوموں
...ے خداؤں سے توانا تر ہے۔ اس نے معاہدہ کیا ہے کہ اسرائیلوں کو ہمیشہ
...ر بلند رکھے گا۔ اور دنیا کا بہترین ملک (کنعان) انہیں دے گا۔ ان
کا ایک بادشاہ (مسیح) پیدا ہوگا جو سب قوموں سے اسرائیلوں کی غلامی

کردے گا۔

اس زمانے کے قرآن نے توراۃ کی تحریف اور ان کی غلط بیانیوں اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے پر زیادہ توجہ نہیں کی۔ بلکہ جو باتیں اس توراۃ میں موجود تھیں اُن ہی پر توجہ دلائی کہ اگر ان باتوں کو نہ مانوگے، تو تمھیں ماننا پڑے گا کہ تم خدا کی برگزیدہ قوم نہیں ہو۔ بلکہ جو نیک کام کرے اللہ کا برگزیدہ ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ دیکھو خود توراۃ میں لکھا ہے کہ آدمؑ کو شیطان نے بہکایا۔ ان کی غلطی کی انھیں سزا ملی۔ تو کیا کوئی شخص گناہ کرے تو خدا کا چہیتا ہونے کی وجہ سے وہ بچ جائے گا۔ چہیتا تو وہ ہے جو گناہ ہی نہ کرے۔ اور اگر غلطی ہو جائے تو آدم کی طرح اپنے گناہ کرے اور خدا کی رحمت پر بھروسہ کرکے پھر گناہ کا اعادہ نہ کرے یعنی توبہ کرلے۔ پھر یہ فرمایا کہ بنو اسرائیل میں بہت سے اچھے لوگ ہیں جو خدا کی بندگی کرتے ہیں اور ظلم نہیں کرتے (یعنی سود لے کر لوگوں کو غلام نہیں بناتے)۔ وہ حضرت موسیٰ کے سچے پیرو ہیں، وہ ساحروں اور فنا سے نجات پانا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ خدا پرستی اور غریبوں کی مدد کی تعلیم انجیل میں بھی ہے۔ میں بھی انجیل و توراۃ کی طرح یہی کہتا ہوں کہ معروف کام کرو۔ منکر کام سے بچو۔ میں خبردار کرتا ہوں کہ عدم مسا یعنی فرقہ پروری (ذات پات) اور شیطان پرستی (پروہت ساحر پرستی) تباہی آتی ہے۔ میں نہ تو ساحر ہوں نہ کاہن ہوں کہ غیب کی باتیں لے کر بتاؤں۔ میں تو صرف پرانے نبیوں کی طرح ایک نذیر ہوں اور کہتا ہوں کہ ایسے کام کرو جس کا بدلہ یا پھل (نتیجہ۔ ثمرہ) کڑوا نہ ہو۔ (الاعراف)

ہ گندم از گندم بروید جو ز جو + از مکافات عمل غافل مشو

یہودی تاجر یثرب اور یمن سے مکہ آتے جاتے تھے۔ یقیناً اُن لوگوں کو یہ خبر پہنچی ہوگی کہ مکہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے۔ جو بنو اسرائیل کی تعریف کرتا ہے اور توراۃ کو ہدایت و نور کہتا ہے۔ لیکن مسیح کو ابن اللہ نہیں، صرف ابن مریم کہتا ہے۔ اور یہودیوں پر یہ جرم نہیں عائد کرتا کہ انہوں نے مسیح کو قتل کیا یا اُسے صلیب دی۔ بلکہ نصاریٰ سے کہتا ہے کہ کفارہ یا شفاعت کا خیال بالکل لغو ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

عذاب کا نظر آنے والا نشان کافر کہتے ہیں کہ نظر آنے والا نشان (معجزہ) دکھاؤ کہ بدعملی سے قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ان سے کہ دو کہ شام کے راستے میں جو اجڑی ہوئی بستیاں پڑی ہیں انھیں جا کر دیکھیں۔ یہ کھنڈر اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ بدعملی کی وجہ سے ایک شاندار تاجر قوم تباہ ہو چکی ہے اس کے مالدار لوگ سود خور تھے اور عیش پسند بن گئے تھے۔ غلامی کا عام رواج تھا۔ آخر ظلم کی سزا خدا نے دی۔ یہ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ بدعمل قومیں تباہ ہو کے رہتی ہیں۔ یہ قیامت کی گھڑی اور یہ عذاب کب آئیگا یہ میں نہیں جانتا۔ اتنا جانتا ہوں کہ اگر تم نے نیک عملی نہ اختیار کی اور توحید انسانی کو نہ مانا تو ضرور تباہ ہو گے۔

اللہ سب کا اللہ ہے۔ صرف بنو اسرائیل کا نہیں بنو اسرائیل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو ہمارا الٰہ ہے وہی تمہارا الٰہی ہے یہ نہ سمجھو کہ تمہارا کوئی اور خدا اور ہمارا کوئی دوسرا خدا ہے،

نصرانیو کفارہ بے معنی چیز ہے نصرانیو یہ نہ سمجھو کہ خدا ظالم ہے ایک کے بدلے دوسرے کو

سزا دیتا ہے۔ یا کسی کی سفارش (شفاعت) سے گناہ معاف کر دیتا ہے (الفاطر)

مسلمانو: دشمن سے بھی نیکی کرو اس زمانے میں جو چند مہاجر حبشہ سے مکہ واپس آ گئے تھے ان پر قریش نے سخت مظالم شروع کر دیئے۔ آنحضرت نے زبان وحی سے فرمایا کہ مسلمانو دشمن سے بھی نرم بات کرو پھر تم دیکھو گے کہ وہ تمہارا جگری دوست بن گیا ہے۔ تم ہرگز نہ گھبراؤ، اللہ کی تسکین دینے والی روحیں تمہارے دل مضبوط کرتی رہیں گی اور تمہارا خوف و حزن دور رہے گا۔ مشرکوں سے کہ دو کہ اللہ کی نشانیاں ہر جگہ موجود ہیں، ان کے دلوں پر بھی یہ نشان جلد ظاہر ہو جائیں گے کہ ہر جگہ اللہ ہی اللہ ہے" (حم السجدہ)

رسول اللہ طائف میں پہلے تو مکہ کے قریب کے قبائل میں آپ نے دورہ فرمایا اور انہیں اپنا ساتھی بنانا چاہا۔ لیکن ان کی تجارت و مذہب کا مرکز مکہ تھا اس لئے اکثر قبائل نے سختی سے جواب دیا۔ البتہ بنو عامر نے کہا کہ ہم اس شرط پر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں کہ آپ کے بعد ہماری حکومت ہو۔ آپ نے فرمایا کہ سلطنت تو اللہ بخشتا ہے جو اللہ کا بہترین بندہ ہو گا وہ سلطنت پائے گا۔

اس کے بعد شوال سنہ نبوی میں زید بن محمد کے ساتھ آپ طائف پہنچے۔ یہ مکہ کے بعد دوسرا تجارتی و دینی مرکز تھا اور مکہ سے زیادہ شاداب تھا۔ وہاں کے سرداروں نے آپ کا خوب مذاق اڑایا۔ اور لونڈوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو پتھر مار کے نکال دو۔ پتھروں کی مار سے آپ کافی زخمی ہو گئے اور ان لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے واپس ہوئے، آپ نے

چلتے چلتے ان سے یہ کہا کہ مکہ والوں کو اس کی خبر نہ ہو کہ میں یہاں آیا تھا تو بہتر ہوگا۔

نخلہ اور سورہ جن واپسی پر آپ نخلہ کے گاؤں میں ٹھہرے۔ اس گاؤں والوں کی ابوطالب سے دوستی تھی۔ یہاں آپ نے قرآن پڑھا۔ اور آپ کو وحی ربانی سے معلوم ہوا کہ جنوں نے آپ کا قرآن سنا۔ اور اس بات کا اعتراف کیا کہ علم غیب جنوں کو نہیں ہوتا، بلکہ غیب کی باتوں کا جاننے والا صرف اللہ ہے۔

فرقہ دہریہ غالباً طائف میں ایسے لوگ آباد تھے جو دہریے تھے۔ خود ہند اور ایران میں زروانی فرقہ اس کا قائل تھا کہ زمانہ ہی انھیں مارتا ہے۔ اور مرنے کے بعد پھر زندگی نہیں۔ آنحضرتؐ نے بذریعہ وحی ان سے کہا کہ یہ غلط خیال ہے کہ مرنے کے بعد زندگی نہیں ہے، ہر عمل کی جزا لازمی ہے (جاثیہ)

مطعم بن عدی کی حمایت نخلہ سے آپؐ نے زیدؓ کو مکہ بھیجا۔ اور مطعم بن عدی سے جوار (حمایت) چاہی اس نے اپنے لڑکوں کو مسلح کر کے ساتھ لیا اور آنحضرتؐ کو حرم کے اندر لے جاکر اعلان کر دیا کہ محمدؐ میری حمایت میں ہیں مطعم اگرچہ بڑا کافر تھا لیکن عرب میں شرافت کا ایک معیار یہ بھی تھا کہ جو پناہ مانگے، اس کے لئے اپنی جان پر کھیل کر حمایت کرو۔ اسی لئے وہ رسول اللہؐ کا حامی بن گیا

چھ خزرجیوں کا اسلام سنہ ۱۰ نبوی کے ذی الحجہ میں مدینہ کے قبیلہ خزرج کے چھ آدمی حج کو آئے آنحضرتؐ نے انھیں قرآنی تعلیم سنائی۔ اور بتایا کہ اللہ اور یوم آخر کو

مانو اسی میں نجات ہے ۔ وہ مدینہ کے یہود سے سن چکے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے ۔ انھوں نے آپ کی باتوں کی تصدیق کی اور پھر مدینہ واپس چلے گئے ۔

قتل انبیاء کا ذکر جس طرح پہلے آنحضرت کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اب پھر قریش سوچنے لگے تھے کہ ہاشمیوں کا سردار ابولہب تو آنحضرت کا دشمن ہی ہے لہذا اب قتل کا اچھا موقع ہے مطعم بن عدی کو زیادہ سے زیادہ خونبہا دے دیا جائے گا ۔ اور کوئی قبیلہ قصاص کی لڑائی شروع نہ کرے گا ۔ اس لئے آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اگلے زمانے میں بھی کافروں نے پیغمبروں کے قتل کی کوشش کی تھی ۔ اس پر گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔ اللہ پر بھروسہ کر کے بنو اسرائیل پر توجہ کر (طس ۔ النمل) ۔ اسی ہمت و استقامت کا نتیجہ تھا کہ چند سال بعد پورا عرب آپ کے رحم و کرم پر تھا ۔

بیعت عقبہ اولی ۱۱ نبوی حج اکبر کے موقع پر پھر رسول اللہ نے حج میں آنے والے قبائل سے مکہ کے باہر منیٰ کے مقام پر گفتگو کی ۔ ابولہب کو آپ سے اتنی نفرت تھی کہ جس قبیلے کے آدمی سے گفتگو ہوتی وہاں پہونچتا اور کہتا کہ محمد کی باتیں نہ سنو ۔ یہ بے دین (صابی) ہے اور آسیب (جن) کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے ۔ ان مشکلات کے باوجود مدینہ کے حاجیوں میں سے بارہ آدمی مصدق بن گئے ، اور انہوں نے آپ سے عہد کیا کہ اللہ کو لاشریک مانیں گے ۔ اور معروف باتوں میں آپ کی پیروی کریں گے ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت نہیں چاہتے تھے کہ

کوئی شخص کسی ایسی بات میں آپؐ کی پیروی کرے جو معروف (یعنی عام نفع کی بات) نہ ہو، لیکن اس زمانے کی سوسائٹی نے بہت سی بری (منکر) باتوں کو لوگوں کی نظروں میں اچھا قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے تصریح کردی کہ اگرچہ اہل عرب چوری اور ڈکیتی، زنا، قتل اولاد اور بہتان (مبالغہ آمیز جھوٹ) کو برا نہیں سمجھتے، بلکہ بہت سے شاعر اپنی فخر یہ شاعری میں زنا (دیکھئے امراء القیس) ڈکیتی اور شریف عورتوں پر بہتان لگانا (نسیب یا غزل عربی) کو اچھا سمجھتے ہیں اور قتل اولاد کو (سپارٹا اور ہندووں کی طرح) شرافت کا نشان سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہ باتیں بھی منکر سمجھی جائیں گی۔ بیعت کرنے والوں نے انھیں تسلیم کرلیا۔

رسول اللہؐ کا رسول

اب رسول اللہؐ نے قبیلہ عبدالدار کے پہلے مسلمان حضرت مصعبؓ بن عمیر کو بلایا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ مدینہ روانہ کردیا۔ یہ ابتدا سے اسلام وکفر کی کشمکش سے واقف تھے۔ اور خود اس مشہور قبیلے سے تھے جو تمام عرب میں اپنی بہادری اور بت پرستی کے لئے مشہور تھا۔ مدینہ میں جب رسول اللہؐ کے یہ رسول پہونچے تو چند ہی دنوں میں اکثر مشرکین مدینہ موحد بن گئے۔

بنو اسرائیل کو شریک کرنے کا خواب

یہ زمانہ تھا کہ رسول اللہؐ نے پھر بنو اسرائیل پر توجہ کی آپ کی دلی خواہش تھی کہ مدینہ کے مالدار یہودی جو پورے عرب کی تجارت پر چھائے ہوئے ہیں، "مسلمانوں اور سچے نصرانیوں سے مل کر ایک متحدہ قوم بنائیں سب خدائے لاشریک کو مانیں اور مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصی (بیت المقدس) تک ایک ہی اللہ کا نام بلند ہو۔ سب لوگ یوم آخر کو مانیں۔ یہودی

توراۃ کے غیر محرف احکام پر چلیں اور دنیا میں عدل پھیلائیں، ظلم و سود خوری کو ترک کر دیں۔ نصاریٰ مسیح کو ابن مریم مانیں اور کفارہ کے دھوکے سے نکل کر مذہبی پیشواؤں (پاپاؤں) کو ختم کر دیں اور موجودہ زمانے کے پروٹسٹنٹوں کی طرح کلیسا کو چھوڑ کر صرف انجیل کو مانیں اور کلیسا کی مدد کے بغیر انجیل و توراۃ پر چلیں

اسی لئے آپ نے خواب دیکھا کہ اب وہ زمانہ آرہا ہے کہ مکہ سے یروشلم تک ایک مضبوط قوم بن جائے گی۔ اور بہت ممکن ہے کہ بنو اسرائیل اور نصاریٰ متحد ہو جائیں اور جن باتوں میں ان کا اختلاف ہو وہ قرآن کے بتلائے ہوئے مساوات اور معروف و منکر کے اصولوں کے مطابق فیصلہ کر لیں،

اسراء (یا معراج) سورہ بنی اسرائیل درحقیقت بنو اسرائیل کو ایک پیغام تھا کہ آؤ ہم تم مل کر ایک متحدہ محاذ بنالیں۔ اگر تمہارے مالدار خود غرضی چھوڑ دیں تو پھر آزادی مل سکتی ہے اور پھر یروشلم سے خدائے واحد کا نام بلند ہو سکتا ہے۔ توراۃ کے احکام عشرہ تو بہت اچھے ہیں لیکن ان کی غرض قرآن سے واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آنکھ، کان، اور دل کو برے خیالات میں نہ لگاؤ تاکہ اس ظاہر و باطن کو پاک رکھو، غرور نہ کرو، ظلم نہ کرو اور کسی کو دکھ نہ پہنچاؤ۔

اس زمانے کے کفار اس کلام کی حقیقت کو پا گئے تھے۔ انھوں نے آنحضرتؐ پر زور دینا شروع کیا کہ اس قسم کے خیالات (دیکھئے بیت المقدس) کو قرآن سے نکال دو یا انحاد اہل کتاب کی آیتوں کو بدل دو۔ اس کے

بعد ہی مشرکوں نے سوچا کہ پریشان کر کے آنحضرتؐ کو مکہ سے نکالدیں۔ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر رسول کے ڈرانے سے تم باز نہ آئے تو شیطان کی طرح تم خود جلاوطن کر دیئے جاؤ گے۔ اللہ کا یہ ہمیشہ یہ قانون رہا ہے کہ ظالم کو سزا ملتی ہے (بنی اسرائیل)

دنیا کی تاریخ میں صرف اللہ کے بھروسے پر اتنی ہمت و استقامت کی مثالیں مشکل سے ملیں گی۔ یہاں یہ یاد رکھیئے کہ مکہ میں بے یارو مددگار لوگوں کا قتل ایک معمولی بات تھی اور پورا شہر دس سال سے آپ کے خون کا پیاسا تھا، سیلاب حوادث میں شیر کی طرح سیدھا تیرنا آپ ہی کا کام تھا،

(نوٹ) کلام اللہ کے طرز بیان سے ناواقفیت، اور سورہ بنی اسرائیل کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پڑھنے کی وجہ سے بہت سے مسلمان اس سلسلہ میں اب تک پریشان ہیں کہ اسرار کی کیا حقیقت ہے، حالانکہ اسی سورہ میں پھر ذکر ہے کہ یہ خواب ہے۔ اور غیر مسلموں کے لئے شجر ملعونہ ہے۔

پھر رسول اللہ کا چیلنج میں پھر دعویٰ کرتا ہوں کہ مشرکوں کے شاعر و ساحر و کاہن اپنے شیطانوں کی مدد سے اتنی معقول باتیں نہیں بنا سکتے جیسی کہ قرآن۔ توراۃ و انجیل وغیرہ میں ہیں۔ یہ تعلیمات اللہ کی دی ہوئی ہیں، شیطان یا شیطانی خیالات پر مبنی نہیں ہیں (بنی اسرائیل) (سورہ ھود میں ہے کہ ایسی دس سورتیں بنا لاؤ)

ایک مجوسی قبیلے سے گفتگو ۱۲ سنہ نبوی میں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ قبیلہ بنو ذہل کا سفر کیا۔ شیخ

قبیلہ مفروق تھا۔ آپ آپ نے سمجھایا کہ دو خداؤں (یزدان واہرمن) کی جگہ صرف اللہ کو پوجو جو خیر و شر دونوں کا خالق ہے (النحل،) مفروق نے نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے مگر میں ساسانیوں سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ میرے لئے مشکل ہے کہ آپ کا حلیف ہوں۔ بہت ممکن تھا کہ اس کے ذریعے مجوس سے بھی گفتگو شروع ہو جاتی۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا کہ پہلے یہود سے معاملہ پڑے (دیکھئے روض الانف)

صلاۃ یا نماز اب تک نماز کا نماز کا کوئی طریقہ مقرر نہ تھا۔ صرف خدا کی طرف متوجہ ہو کر قرآن یعنی قرآن کی دعائیں پڑھنے کا نام نماز تھا۔ اب اس کا ایک خاص طریقہ مقرر ہوا۔ نماز کی بنیاد دو چیزوں پر ابتدا سے رکھی جا چکی تھی، اور ہر دین ان دو باتوں کی پیروی کرتا تھا۔ یعنی:۔

(۱) اظہار عبودیت پوجنے والا، خواہ وہ دیوتاؤں کو پوجتا ہو، یا شیطانوں کو، وہ ہمیشہ یہ اظہار کرتا تھا کہ دیوتا یا شیطان اس کے آقا اور خداوند ہیں اور وہ ان کا نہایت ناچیز بندہ ہے، قرآن نے اس اظہار عبودیت کو قائم رکھا۔ مگر مومنوں کو یہ بتایا کہ صرف اللہ کو آقا یا رب مانو۔ اور جب بھی صلوٰۃ یا اظہار عبودیت کا اعلان کرو تو ہمیشہ غیر اللہ کے بندہ ہونے سے انکار کرو۔

(۲) استعانت انسان کسی کی بندگی کا صرف اس لئے اظہار کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اسی طرح عاجزی کرنے سے اس کا آقا (رب) اس کی پکار سنے گا۔ اس کی دنیوی مشکلات کو دور کرے گا اور وہ اپنے دشمنوں پر غالب آجائے گا۔ قرآن نے بتایا ہے کہ

اسلامی نماز یا دعا یا اللہ سے مدد مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ (الف) سوائے اللہ کے کسی کو قادر نہ سمجھو اس لئے اسی سے مدد مانگو، غیر اللہ کو بھول جاؤ دل سے اسی اللہ کو پکارو جو ہر مصیبت سے نجات دے سکتا ہے اور ہر نیک کام میں یقیناً پکارنے والے کی پکار سنتا ہے۔

(ب) سب دعائیں کل انسانوں کے بھلے کی غرض سے مانگو، یعنی ہمیشہ جماعتی دعا ہو، جمع کے صیغہ میں ہو۔ یہ نہ ہو اے اللہ میری مدد کر، بلکہ یہ کہو کہ خدایا ہماری مدد کر۔

(ج) ظاہر ہے کہ مدد مانگنے سے پہلے، جماعت کے سامنے کوئی مقصد ہونا چاہیئے، آنحضرت کے سامنے ایک ہی مقصد تھا۔ لہٰذا کم از کم ہر جمعہ میں یہ اعلان ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کا یہ مقصد ہے اور اس مقصد کے لئے وہ خدا سے مدد مانگتے ہیں، اور عام مسلمانوں کو حصول مقصد کے لئے عملی جدوجہد تیار کرتے ہیں۔

(د) مکی اور مدنی دونوں زندگیوں میں آنحضرت کی برابر یہ تعلیم رہی ہے کہ ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ عمل صالح ضروری ہے، اور زندگی کی کشمکش میں صبر و استقامت کے بغیر کامیابی ناممکن ہے؛ اس لئے عمل صالح یعنی حصول مقصد کے اعمال کے لئے صبر و صلوٰۃ کو لازم ملزوم قرار دیا گیا۔ (استعینوا بالصبر والصلوٰۃ) صبر اور نماز کے ذریعے سے خدا سے مدد مانگی جائے گی تب ہی کامیابی ہوگی، یعنی صرف خدا پر بھروسہ کر لینا اور صبر و خود اعتمادی کے بغیر حصول مقصد کی کوشش کرنا بے سود ہوگا

الغرض یہ کہ آنحضرت نے نماز کو قومی اور انسانی زندگی کے لئے مخصوص کر دیا اور بتوں یا غیر اللہ سے استعانت کو جو عام طور پر شرکین

میں بھی قطعی ختم کردیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتادیا کہ غیر اللہ یعنی پردمتوں یا بتوں سے دعا کرنا سراسر عقل کے خلاف ہے۔ وہ خود تمہاری نذر و نیاز کے محتاج ہیں۔ وہ کیا مدد دے سکتے ہیں۔ لہذا جب کبھی مصیبت میں مدد مانگو تو صبر و خود اعتمادی کو ہاتھ سے نہ دو، اور نماز کے ذریعہ سے پوری قوم اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر خدا سے مدد مانگے (ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا) کے یہی معنی ہیں۔

(۳) نماز ذہنی جہاد ہے یاد رکھیئے جتنے ارکان اسلام میں سب اللہ کا نام بلند کرنے اور دنیا سے تاریکی دور کرنے کے جہاد کے لئے ہیں۔ اگر نماز کا مقصد جہاد نہ ہو تو وہ نماز نہیں رہتی۔ بلکہ انفرادی ترقی کا ایک مجہول آلہ بن جاتی ہے۔

یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ مصیبت بھری مکی زندگی کا یہ آخری دور ہے۔ چند دن ہوئے ہیں کہ نماز کے اس پیغام کے ساتھ حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینہ جا چکے ہیں۔ لیکن مکہ میں مسلمانوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ حرم میں قرآن یا نماز بلند آواز سے پڑھ سکیں۔ یا علانیہ مشرکوں کے خداؤں اور اُن کے مظالم کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں۔ مکہ کے مجبور مسلمانوں کے لئے تو صرف اللہ کو مان لینا، ہجرت کی کوشش کرنا اور مشرکوں کے مظالم پر صبر کرنا ہی نماز تھا۔ یہ نماز یا دعا ہر وقت ہر لمحہ اُن کے دل سے نکلتی رہتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ جو دعا دل سے نکلے وہی نماز ہے ؎

بازیچہ بود نماز بے صدق و نیاز

(۴) خوف کے بدلے محبت انسانی دماغ نے جتنے خشکی و تری کے دیوتا پیدا کیے ہیں، اور پروہتوں نے

ان کی خونخواری کو دور کرنے کے جتنے طریقے بتائے وہ سب خوف سے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآن نے اپنی پہلی سورت میں ان خوفناک دیوتاؤں کے تصور کو نامعقول قرار دیا ہے۔ اور ایک ایسے آقا یا خدا کا تصور دیا ہے جو نہایت ہی کریم (اکرم) ہے۔ وہ خونخواری سے خوش نہیں ہوتا وہ بندہ نیاز نہیں مانگتا۔ وہ درمیانی شفیعوں یا پروہتوں کو بھی پسند نہیں کرتا بلکہ وہ کہتا ہے کہ براہ راست ہر شخص مجھے پکار سکتا ہے۔ سب میرے بندے ہیں سب کی پکار سننے والا میں ہوں۔ سب سے محبت کرتا ہوں، اور سب کو تاریکی سے روشنی میں لانے کے لئے میں نے عقل دی ہے۔ لہذا علم حاصل کروگے تو جہل اور جہل سے پیدا ہونے والا خوف دور ہو جائے گا اور جب خوف نہ رہے گا تو تم میں خود اعتمادی پیدا ہو گی اور تم ایک اکرم آقا کے بندے ہونے پر فخر کروگے۔ یہی نماز ہے اور یہی محبت و اخوت انسانی کی اساس ہے۔

بیعت عقبۂ ثانیہ تو حضرت مصعبؓ بن عمیر مدینہ کے حاجیوں کے ساتھ ۱۳ نبوی میں مکہ آئے۔ حج کے بعد رات کے وقت عباس بن عبدالمطلب بھی وہاں پہونچ گئے۔ اور عباس کی تقریر کے بعد آنحضرت نے مقصد دعوت یہ بتایا کہ دنیا سے شیطنت (مادیت) کو ختم کرکے اللہ کا راج قائم کرنا، محبت کی دنیا بسانا میرا مقصد ہے۔ بہتر آدمیوں نے اس مقصد کو تسلیم کیا اور عہد کیا کہ آپ مدینہ ہجرت کر آئیں۔ ہم لوگ جان مال سے مدینہ کے اندر آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسی کہ اپنے بچوں اور عورتوں کی کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بارہ نقیب (حضرت عیسٰی کے بارہ حواریوں کی طرح) منتخب کئے۔ ان

میں سے نو نقیب قبیلہ خزرج کے اور تین قبیلہ اوس کے تھے۔ اس کی سُن گُن مشرکوں کو بھی لگ گئی اس لئے کہ ابو لہب ہر موقع پر جاسوسی کرنے پہونچ جایا کرتا تھا۔

پھر چیلنج

آنحضرت نے زبان وحی سے فرمایا کہ مشرکوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ خدائی کلام ہے اگر تم ایسی دس سورتیں نہیں بنا سکتے (سورہ ھود) تو ایک ہی بنا لاؤ۔ جس میں خداپرستی اور نیک عملی کی باتیں ہوں، قصہ ختم ہوجائے ہم سب ایک دین پر ہوجائیں لیکن تم عذاب الہیٰ مانگتے ہو۔ میں صرف ایک انسان ہوں، عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں، لیکن تمھیں خبردار کرتا ہوں کہ اپنے اعمال کو نہ بدلا تو ضرور عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ (یونس)

مشرکین کا اعتراض

مشرکوں نے یہ تو نہیں کہا کہ قرآن کی سی تعلیم شعر و خطابت یا سجع میں بیان کرتے۔ اس لئے کہ ایسا کرتے تو خود اسلامی تعلیم کو قبول کر لیتے لیکن انھوں نے خود قرآن پر اعتراض کیا یہ کلام بھی ساحروں کا سا ہے۔ پرانے قصے (اساطیر) ہیں جو آپ یہود و نصاریٰ سے سن کر بیان کر دیتے ہیں، یا اپنے دل سے گڑھ لیتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ہمیشہ ایک ہی دلیل (آیت) نہیں دیتے کہ خدا خالق ہے۔ بلکہ کبھی ایک دلیل دیتے ہیں، کبھی اس کو بدل کر دوسری دلیل (آیت) بیان کرتے ہیں۔ یہ سب قصے تو یہود و نصاریٰ کو معلوم ہیں، اگر وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہیں۔

آنحضرت نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس موقع پر کس طرح کی دلیل (آیت) دی جائے۔ اور جتنی یہود و نصاریٰ (احبار) کی

طرف اشارہ یہ لوگ کرتے ہیں ان کی زبان بھی نہیں سمجھتے۔ (ورنہ ان سے پوچھیں تو وہ صاف بتائیں گے اصل دین توحید ہے، شرک نہیں ہے) اور اسی اصل دین کو میں عربی زبان میں (صاف سمجھنے میں آسانی والی زبان میں) بیان کرتا ہوں۔ بہرحال جو مسلمان دنیا کے لالچ میں اللہ کے دلائل سے روگردانی کریں گے، وہ جہنمی ہوں گے۔ وہ مسلمان جنھیں ان مشرکوں نے مجبور کرکے مشرک بنا لیا ہے، مگر وہ دل سے مطمئن ہیں کہ وہ مومن ہیں انھیں اللہ معاف کردے گا۔" (النحل) قرآن کا کام ہی یہ ہے کہ محرف اور ختم [illegible] احکام کو بدل کر، دین ابراہیمی کے احکام جاری کرے (النحل)

مجوسیوں سے خطاب اسی زمانے میں یزدان واہرمن (یعنی دونوں کو خدا) ماننے والوں کی طرف بھی قرآنی پیغام بھیجا گیا۔ "اے مجوسیو! جو لوگ اہل علم ہیں اُن سے پوچھو کہ خدا ایک ہی ہے۔ خیر کا الگ اور شر کا الگ خدا نہیں ہے۔ ہر شئے اللہ کی مطیع ہے، لہٰذا طاغوت کی پرستش نہ کرو اس سے اجتناب کرو۔" (النحل) پھر اس کے آگے سورہ الانعام میں فرمایا کہ "اے مجوسیو ظلمات و نور اللہ نے پیدا کیے ہیں یہ کافر (یعنی قریشی) یزدان کو اہرمن کے برابر کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اِلٰہ ایک ہی ہے۔ اور یہ بعثت کو بھی نہیں مانتے" وجہ یہ تھی کہ مشرکین مکہ دیکھ رہے تھے کہ ساسانی مجوسی فتح یاب ہو رہے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کی ضد میں، جب نصاریٰ اور یہود کی طرف متوجہ تھے، قریش نے دو خداؤں کی تعریف اس لیے شروع کر دی تھی کہ مجوس خوش ہو جائیں۔ اس سے پہلے بھی وہ شیطان اور خدا کا رشتہ اپنی دلیلوں کے ذریعے قائم کر چکے تھے،

رسول اللہ کے قتل کا مشورہ پہلے بھی کئی مرتبہ آنحضرتؐ کے قتل

کی کوشش ہو چکی تھی۔ اب قریش نے محسوس کیا کہ حبشہ کے علاوہ مدینہ والے بھی آپؐ کے ہمخیال ہو رہے ہیں۔ اس لئے ایک خفیہ جلسہ کیا کہ آپ کو کس طرح قتل کیا جائے۔ مختلف سرداروں نے مختلف رائیں دیں لیکن ڈر یہی تھا کہ کسی ایک شخص نے آپ کو قتل کر دیا تو اُس کا خاندان اُسے نہ بچا سکے گا۔ اور بنو ہاشم (سوائے ابولہب کے) اُس خاندان سے بدلہ لیں گے۔ اس لئے ایک نجدی نے یہ رائے دی کہ ہر خاندان کا ایک ایک نوجوان چن لیا جائے اور سب مل کر تلواریں ماریں۔ اس طرح بنو ہاشم پورے مکہ کے خاندانوں سے قتال نہ کر سکیں گے اور بجائے جان کے بدلے جان لینے کے اس پر راضی ہو جائیں گے کہ خونبہا لے لیں۔

رسول اللہؐ پر حملہ اور ہجرت

حملہ آوروں نے رات کو آپ کا گھر گھیر لیا لیکن آپؐ کو خبر لگ گئی۔ آپ نے اپنے بستر پر حضرت علی کو لٹا دیا اور اپنی چادر اڑھا دی۔ قاتل دروازے کی درازوں سے دفتاً فوقتاً جھانک لیتے تھے اور مطمئن ہو جاتے تھے کہ رسول اللہؐ سو رہے ہیں۔ اس درمیان میں موقع پا کر آپ اللہ کے بھروسہ پر گھر کی پچھلی کھڑکی سے نکل گئے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر جا پہنچے۔ پھر راتوں رات دونوں مہاجر مکہ سے چند میل دور ثور کی پہاڑی کے ایک غار میں جا چھپے۔

اتنے میں صبح ہو گئی۔ قاتل گھر میں گھس پڑے۔ دشمن کو سوتے میں قتل کرنا نام نہاد شجاعت کے اصولوں کے خلاف تھا (حالانکہ یہ کہاں کی بہادری تھی کہ ایک آدمی کو دس دس آدمی مل کر ماریں؟) بہر حال انھوں نے چادر کھینچی تو دیکھا کہ علیؓ ہیں۔ اب وہ کھسیانے ہو گئے

حضرت علی کو مارتے پیٹتے حرم تک لائے ایہاں سرداران کفر جمع تھے انھیں حال معلوم ہوا تو وہ پریشان ہوگئے۔ علی چھوڑ دیئے گئے رسول اللہ کی تلاش شروع ہوگئی۔ حضرت ابوبکر کے یہاں بھی پتہ نہ لگا۔ لیکن خود حضرت ابوبکر غائب تھے۔ نقش قدم پر چلنے والے کھوجیوں نے بتایا کہ دو آدمی جبل ثور کی طرف گئے ہیں، سب غار تک پہونچ گئے، حتیٰ کہ حضرت ابوبکر کو متلاشیوں کے پاؤں دکھائی دینے لگے۔ وہ گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ ہم صرف دو آدمی ہیں اور یہ اتنے قاتل ہیں۔ آنحضرت نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور زبان حال سے فرمایا کہ خوف و حزن کی کوئی گنجائش نہیں (لا تخف ولا تحزن ان اللہ معنا) ہم دو نہیں ایک تیسرا بھی ہمارے ساتھ ہے جو اللہ ہے"۔ کافروں نے دیکھا کہ غار پر مکڑیوں کے جالے ہیں۔ ایک کونے سے ایک فاختہ پھڑ پھڑا کے بھاگی ہے، انھوں نے خیال کیا کہ یہاں کوئی جاتا تو جالے ٹوٹ جاتے۔ فاختہ اڑ جاتی۔ لہذا واپس چل دئے۔ اور سرداران قریش اور سدنۂ کعبہ نے اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد یا ابوبکر کا سر لائے گا اُسے سو اونٹ اور جو دونوں کے سر لائے گا اُسے دو سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

صفر ۱۳ نبوی کی آخری تاریک راتوں میں دونوں مہاجر غار ہی میں چھپے رہے۔ اور چوتھی رات کو جب یکم ربیع الاول (۲۰ جون ۶۲۲ء) کا چاند غائب ہو چکا تھا آپ غار سے نکلے اور نہایت دردناک لہجے میں فرمایا:۔

"اے مکہ! تو مجھے کل دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن تیرے بیٹے (باشندے) مجھے نہیں رہنے دیتے!!"

ایک اونٹ پر راستہ بتانے والا عبداللہ بن اریقط تھا اور اس کے ساتھ ابوبکرؓ کا آزاد کردہ مولی عامرؓ بن فہیرہ۔ دوسرے اونٹ پر رسول اللہ اور ان کا یار غار تھا!

در بیابان گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور (حافظ)

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۝

سچ ہے کہ صرف اللہ کو آقا مان کر استقامت کرنے والوں کو کسی کا خوف نہیں ہوتا نہ رنج ان کے قریب آتا ہے۔

سیرت قرآنیہ مدینہ

چھٹی فصل

امیر العالمین = تعمیری آمریت

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ (جون ۶۲۲ء) تا رجب سنہ ۲ھ (اکتوبر ۶۲۳ء)

ہجرت مدینہ سے ابتدائے قتال تک کا قرآن

امیر العالمینؑ

استحکام ملت اور تعمیری آمریت کا طریق کار

الهنا والهکم الله واحد۔ جو ہمارا معبود ہے وہی تمہارا بھی معبود ہے

انزلنا التوراة فیها هدی ونور یحکم بها النبیون الذین اسلموا (۲)

(توراۃ میں ضح لکانازل کیا ہوا ہدایت و نور ہے اللہ کے مطیع نبی اُس کے مطابق فیصلے کرتے ہیں)

عام الہجرہ ۱ سنہ ہجری

عربی جنتری: عرب جاہلیہ میں شمسی سال رائج تھا لیکن دوسرے ملکوں کی طرح وہاں بھی چاند سے مہینوں کا حساب ہوتا تھا۔ وہ مصر، فلسطین، ہند، حبشہ کی طرح ہر تیسرے سال ایک قمری مہینہ بڑھا کر موسمی یا شمسی سال بنا لیتے تھے اسی طرح ہر ملک میں بہار کے موسم میں ایک بڑا میلہ ہوتا تھا جسے ایران میں نوروز، فلسطین میں عید فصح یا ایسٹر، ہند میں ہولی اور عرب میں حج اکبر کہتے تھے۔ یہ زمانہ ۲۱۔مارچ یا اعتدال ربیعی کے قریب ہوتا تھا۔ عرب میں اس کے بعد گرمی کا تجارتی سفر ہوتا تھا۔ جاڑے کے شروع یعنی ۲۱۔ستمبر کو پھر دن رات برابر ہو جاتے ہیں اس لئے اس موقع پر ایران میں جشن نیم سردہ، ہند میں دسہرہ، حبشہ میں نوروز اور عرب میں حج اصغر (رجب یا ذیحج کی انگلی کے مہینے میں) اور اس کے بعد جاڑے کا تجارتی سفر (رحلۃ الشتاء) ہوا کرتا تھا۔ آنحضرتؐ نے آخری حج میں نسی (یعنی مہینہ گھٹانے بڑھانے کا قاعدہ) منسوخ کر دیا۔ اور دوسرے ہی سال آپ کی وفات ہو گئی۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ جس طرح رومی سال یا ایرانی سال ایک موسمی سال ہے اور بارہ مہینے ہوتے ہیں اسی طرح عرب میں

بھی بارہ مہینے ۳۶۵ دن گویا جولین جنتری رائج ہو جائے اور لوگ جو تشلیوں کے پھندے سے نکل جائیں۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد شمسی سال یا شمسی جنتری رائج نہ ہوئی، اور مذہبی سال قمری رہ گیا۔ عام کاروبار۔ تجارت اور فصلوں کے بونے کے لئے شمسی سال کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اس لئے بعد میں رائج کرنا پڑا اگر مذہبی سال بھی شمسی ہی ہوتا۔ تو رمضان ہمیشہ دسمبر میں اور حج اکبر مارچ میں اور حج اصغر ہمیشہ ستمبر میں ہوا کرتا۔ اور مسلمانوں کو بہت آسانی ہو جاتی، اس لئے کہ "دین آسان ہے" الدین یسر (الحدیث)

ہم نے جو جنتری تسلیم کی ہے یعنی جن تاریخوں سے شمار کیا ہے وہ ۱۰ھ تک وہی قدیم نسی شدہ تاریخیں ہیں جن میں جاہلیہ کے زمانے میں شمسی موسم کے اعتبار سے حج ہوتا تھا اگرچہ مہینوں کا شمار قمری تھا۔ ۱۰ھ کے بعد سے اسلامی دینی جنتری قمری ہو گئی ہے۔ اس سے پہلے موسمی جنتری تھی جو قرآن کی سورۃ القریش سے ثابت ہے، اور شمسی جنتری بنانے کا قرآنی حکم اس سے ثابت ہے کہ بغیر نسی کئے ہوئے بارہ مہینے کے سال کا حکم ہے، جو کسی اور طرح ممکن نہیں۔ (دیکھئے دسویں فصل)

مکہ سے قبا تک اونٹنیاں تیز رو تھیں، جان کا بھی خطرہ تھا لہذا سفر آٹھ دنمیں پورا ہو گیا۔ رستے میں بریدہ اسلمی نے اسلام قبول کر لیا اور ساتھ ہو لیا۔ ۸۔ ربیع الاول کو دوپہر ڈھلے دو اونٹوں کا قافلہ حوالی مدینہ میں پہنچا یہاں کے مسلمانوں کو آپ کی روانگی کی اطلاع ہو چکی تھی وہ روزانہ انتظار کیا کرتے تھے۔ آخر آپؐ نظر آئے اور حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے سر پر چادر سے سایہ کر لیا تاکہ لوگ پہچان سکیں کہ اصل مہمان کون ہے، لڑکیوں نے استقبالیہ گیت گائے۔ اور آپ نے قبا کے گاؤں میں قیام فرمایا۔ یہ گاؤں مدینہ کا ایک

محلہ تھا جو مدینہ سے باہر تھا۔ یہاں چند روز قیام کرنیکے بعد آپؐ نے قصبہ یثرب کو (جو بعد میں مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہوا) وہاں کے باشندوں کی دعوت پر جانے کا قصد فرمایا۔

فتح مدینہ: رسول اللہ نے مدینہ کو مکہ ہی سے فتح کرلیا تھا۔ یہ فتح ایسی پرامن تھی کہ تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں نہ اس بات کا ذکر ہے کہ انصار کی وہ جماعت جس نے مکہ میں بیعت کی تھی وہ بھی درحقیقت مہاجر تھے۔ بہرحال اب آپ امیر العالمین اور پرامن فاتح کی حیثیت سے مدینہ میں داخل ہورہے تھے۔ اور ہر محلے کے لوگ ہتھیاروں سے سجے سجائے اپنے فاتح کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ فاتح القلوب کے کانوں میں ہر طرف سے یہ صدائیں آرہی تھیں کہ اے اللہ کے رسول آیئے تشریف لایئے عزت حفاظت اور آسائش آپ کے لئے حاضر ہے۔ آپ بخندہ پیشانی سب سے کہتے رہے کہ اونٹنی کو چلنے دو۔ بنو سالم کے محلہ میں اونٹنی رک گئی اور وہاں جمعہ کی نماز پڑھی گئی

پہلا خطبہ جمعہ: نماز سے پہلے آپ نے ایک لکچر دیا جو پوری مکی تعلیم کا خلاصہ ہے (دیکھئے تاریخ الامم) آپ نے فرمایا۔ کل حمد اللہ کے لئے ہے جو سب کا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کسی کی غلامی کرو نہ کسی سے مدد مانگو۔ بندہ ہونے کی حیثیت سے سب انسان برابر ہیں۔ البتہ جو لوگ اس کے راستے میں سعی کرتے ہیں انھیں وہ اپنا برگزیدہ بندہ بنا لیتا ہے۔ عقل کو رہبر بناؤ۔ تقلید جامد سے بہت سی پرانی قومیں تباہ ہو چکی ہیں۔ سچائی کے ساتھ سیدھی راہ پر چلو۔ یہی اسلام ہے کہ اللہ کو سب معبودوں سے بڑا جانو اور اسی کو اپنی قوت و عمل کا سرچشمہ سمجھو"

ننھیال میں قیام: نماز کے بعد سواری آگے بڑھی اور بنو نجار میں رک گئی۔ وہاں آپؐ نے حضرت ابو ایوب انصاری کے یہاں مع زیدؓ بن محمدؐ کے قیام فرمایا

یہ محلہ آپ کی ننھیال تھا۔

اوس و خزرج میں دوستی | قبا ہی میں آپ نے یہ کام شروع کر دیا تھا کہ اوس و خزرج کی سیکڑوں برس کی خانہ جنگی کو ختم کرا دیا تھا۔ اب یہ دونوں قبیلے اپنے پرانے خونوں کو معاف کر کے ایک دوسرے کے دوست بن گئے تھے۔

مواخات | یثرب پہنچکر پہلے تو اس قصبہ کا نام بدل کر مدینہ رکھا۔ پھر ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ اس پر انصار نے اپنے بھائیوں کو اپنی اپنی نصف ملکیت دے دی۔ حتی کہ بعض نے اپنی دو بیبیوں میں سے ایک کو مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دیا۔ اس طرح انصار کی مدد سے سب مہاجر کاروبار میں لگ گئے۔

اصحاب صفہ | بعض لوگ ایسے تھے سنیاسیوں کی طرح مجرد رہ کر اپنا پورا وقت تعلیمات قرآن اور خدمت اسلام میں صرف کرنا چاہتے تھے۔ یہ کسی کے بھائی نہ بنے۔ لیکن چونکہ بھیک مانگنا اسلام نے حرام کر دیا تھا۔ اس لئے مسجد نبوی کے باہر ایک چبوترے پر سو رہتے تھے اور مال دنیا سے کل کے لئے کچھ نہ رکھتے تھے۔ جو کچھ نقد مل جاتی یا مزدوری سے رقم ملتی وہ خدمت اسلام میں خرچ کر دیتے تھے۔ اور جب نکاح کر لیتے تو چبوترہ چھوڑ دیتے۔ لیکن عائلی زندگی کے ساتھ ساتھ خدمت اسلام رضاکارانہ کرتے رہتے۔ یہ صوفیان صافی اصحاب صفہ (چبوترے والے) کہلاتے تھے۔ آنحضرت ان کا بہت خیال رکھتے تھے (بقرہ ۲۷)

تعمیر مسجد اور جماعتی نماز | بنو سالم میں جس جگہ جمعہ کی نماز ہوئی تھی وہ زمین خرید لی گئی۔ پھر آنحضرت نے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک کچی مسجد بنائی اور جماعتی نماز شروع ہو گئی۔ نماز کا مقصد یہ تھا کہ سب مسلمان کم از کم جمعہ کے دن ایک جگہ جمع ہو کر یہ ظاہر کر سکیں کہ وہ ان دیکھے خدا کے بندے ہیں۔ کسی بت کے گرد طواف

نہیں کرتے نہ اُس کے نام پر قربانی چڑھاتے ہیں۔ ان کا امام بھی وہی ہوتا ہے جو اُن کا دینوی رہنما ہے۔ ابھی تک وہی قبلہ تھا جو آنحضرتؐ نے مکہ میں اختیار کیا تھا یعنی بیت المقدس۔ اس لئے یہود و نصاریٰ سمجھے تھے کہ یہ خدا پرستوں کی ایک ایسی جماعت ہے جو تقریباً یہودی یا نصرانی ہے۔ یہ جماعت توراۃ کے سب نبیوں کو مانتی ہے لیکن یہود اسے پسند نہ کرتے تھے کہ وہ عیسٰیؑ بن مریم کو بھی نبی اللہ مانیں۔ بہرحال اہل کتاب بھی مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

بنو اسرائیل سے گفتگو | ویسے تو شروع زمانے ہی سے آنحضرتؐ نے اہل کتاب سے دوستی کرنا شروع کر دی تھی لیکن شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد خصوصیت سے بنو اسرائیل (اور ایک حد تک مجوس ایران) کی طرف قرآنی پیغامات بھیجنا شروع کر دئے تھے۔ لیکن اب مدینہ آکر براہ راست اُن سے گفتگو ہوئی اور دوستانہ معاہدے کے لئے زمین ہموار ہوگئی۔ اس سے پہلے آپ صرف امیر المومنین یا امام المسلمین تھے، لیکن یہود سے معاہدہ ہو جانے کے بعد آپؐ امیر العالمین (مختلف قوموں کے امیر) بن گئے۔

یہود مدینہ سے معاہدہ | یروشلم سے نکالے جانے کے بعد یہودی تمام متمدن دنیا میں پھیل گئے تھے۔ ان کو صرف ایک چیز متحد رکھے ہوئے تھی جسے وہ توراۃ قانون (canon) یا الکتاب کہتے تھے۔ اس قانون کی تشریح اور اس میں اضافہ کرنے والوں کی جماعت بھی پیدا ہوگئی تھی یہ احبار تھے جو اپنے آپ کو ربانی یا اللہ والا کہتے تھے۔ عوام ان کو اللہ کا بیٹا (ابناء اللہ) کہکر پکارتے تھے۔ یہ لوگ دولتمندوں کا آلۂ کار بن گئے تھے اور ان کی خواہشات پورا کرنے کے لئے نئے نئے فتوے دیا کرتے تھے۔

اس زمانے کے قرآن میں یہود کو اُن کی گذشتہ عظمت یاد دلائی گئی ہے

(بقرہ ۴-۷) اور یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارا دین ابراہیم کے وقت سے اسلام ہے۔ یعنی خدا کی اطاعت کرنا اور نیک عمل کرنا تمہارا فرض ہے۔ ایسا نہ کرنے سے غلامی کی سزا ملتی ہے (بقرہ ۸)۔ اس زمانے تک یہودیوں کی قرآن نے مخالفت نہیں کی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہود مدینہ نے آپؐ سے ایسا معاہدہ کر لیا جس کے ماتحت اختلافی معاملات کے آخری فیصلے کا اختیار رسول اللہ کو دے دیا گیا۔ یہ جنگی معاہدہ تھا جس میں یہود اور مسلمان برابر کے شریک تھے اور ایک اُمّت (نیشن) بن گئے تھے۔ یہ اہل کتاب کا متحدہ محاذ تھا۔

غیر مذہبی کتابی حکومت۔ معاہدہ کرنے والے خدائی آئین کی پہلی دفعہ پر پہلے سے متفق تھے یعنی اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کریں گے۔ اس دفعہ کو بدلنے کا کسی کو حق نہ تھا۔ دوسری دفعہ بیان نہیں کی گئی لیکن وہ پہلی ہی دفعہ کا نتیجہ ہے یعنی جب سب اللہ کے غلام ہیں تو سب بھائی بھائی ہیں۔ کل انسانیت کے ساتھ بھائی چارہ رکھنا اس امت کا فرض ہوگا۔ اور یہ تو قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ توراۃ پر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہ بھی خدائی کتاب ہے۔

اس معاہدے میں یہ شرط تصریح کے ساتھ تھی کہ قریش کو کوئی امان نہ دے گا۔ یعنی وہ مشرک جو تیرہ سال تک سمجھانے سے نہ سمجھ سکے اور کئی مرتبہ محض خدا پرستی کو رد کرنے کے لئے آنحضرت پر قاتلانہ حملے کر چکے ان سے دوستی کی امید باقی نہ رہی تھی۔ اسی لئے آنحضرت نے خدا پرستوں کو جمہوری یا شورائی بنیادوں پر ایک متحد کر دیا۔

اس معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ نیک باتوں میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی اور جو مظلوم ہوگا اس کی مدد کی جائے گی۔ سب سے اہم دفعہ یہ تھی کہ آنحضرت کو دونوں فریق اپنا امیر و حکم مانیں گے۔ اس طرح مدینہ میں پہلی دفعہ کتابیوں یا اللہ والوں کا ایک متحدہ محاذ بنا جس میں

ہر فریق کو اپنی دینی تعلیمات پر عمل کرنے کا پورا اختیار تھا۔ البتہ دفاعی معاملات میں دونوں نے رسول اللہ کو اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ یہ ایک قسم کا فیڈریشن (وفاق) تھا جو اپنے اندرونی نظم ونسق میں آزاد تھا لیکن دفاع میں امیر العالمین کی آمریت کو قبول کرتا تھا یعنی یہ خدا پرستوں کی شورائی آمریت تھی۔

مشرک قبائل سے دوستانہ معاہدے

یہی معاہدہ بعض ان مشرک قبائل سے بھی کیا گیا جو اطراف مدینہ میں تھے اور خصوصاً ان سے جو تجارتی راستوں کے قریب تھے جو مکہ والوں کو شام ومصر لے جاتے تھے ان سے کہا گیا تھا کہ مسلمانوں سے جب مدد مانگو گے تمھیں ملے گی اور تمہارا بھی فرض ہوگا کہ امیر العالمین بلائیں تو فوراً مدد کے لئے آؤ۔

منافقین مدینہ۔ مدینہ میں کچھ ایسے مشرک اور یہودی بھی تھے جو بظاہر مسلمان بن گئے تھے لیکن نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ ایک متحدہ قوم بنائیں اور اس کے سردار بن جائیں۔ فتح حدیبیہ (۶ھ) تک ان لوگوں نے ہر طرح آنحضرت کو نقصان پہنچانے، بدنام کرنے، اور شکست دلوانے کی کوشش کی۔ یہ لوگ مشرکین مکہ سے ساز باز رکھتے تھے۔ اور خود مدینے میں یہودیوں اور مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اور دشمن کو ہر قسم کی خبریں پہنچاتے تھے۔ اسی لئے ۶ھ تک امیر العالمین اپنی ہر کارروائی کو راز میں رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ جنگ میں روانگی کے وقت تک لوگوں پر یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کدھر کا قصد ہے اور کیا منشا ہے۔ اس احتیاط کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب تک اس دور کے بعض قرآنی مضامین کے معنوں کے سمجھنے میں لوگوں کو دقت محسوس ہوتی ہے۔ پس منظر سامنے ہو اور ترتیب تنزل کے مطابق قرآن کا مطالعہ ہو تو یہ سب بحثیں ختم ہو جاتی ہیں۔ (دیکھئے واقعہ افک، فتح حدیبیہ۔ غزوہ بنو نضیر

واقعہ تحریم وغیرہ) (منافقوں کا ذکر پہلی مرتبہ سورہ بقرہ = ۲۔ میں ہے)

قریش کی منافقوں کو دھمکی۔ قریش نے اپنے منافق دوستوں کو لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے اسے نکال دو۔ ورنہ ہم آکر تمھیں قتل کر کے تمھاری عورتوں کو باندیاں بنالیں گے۔ منافقوں نے اس پر ایک جلسہ کیا لیکن آنحضرت کو خبر لگ گئی۔ آپ پہنچے اور فرمایا کہ اگر قریش کے دھوکے میں آکر تم نے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا تو وہ سب تمھارے رشتہ دار ہیں لیکن اگر مہاجرین و انصار سے مل کر رہے تو ہم سب تمھارا ساتھ دیں گے۔ اس پر جلسہ منتشر ہوگیا۔

قتال کا ذکر در حدیث دیگراں مسلمان بہت کمزور تھے۔ نہ اُن کے پاس جنگی سامان تھا۔ نہ وہ لڑنے کے عادی تھے اس پر آنحضرتؐ نے طالوت و جالوت کا قصہ سنایا۔ اور اس پیرائے میں قتال کا ذکر کیا کہ لوگوں کے دل بڑھ گئے۔ آپ نے بتایا کہ اگلے زمانے میں اسرائیلیوں نے موت کا مقابلہ کرنے کی ہمت باندھی۔ متحد ہوگئے، تو اگرچہ وہ تھوڑے تھے لیکن اللہ پر بھروسہ کرنے سے ان کی فتح ہوئی اور طالوت نے اپنے دشمنوں کو شکست دے کر تابوت سکینہ واپس چھین لیا (بقرہ ۳۲)

امیر العالمین کی ضرورت اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ قوم بغیر کسی امیر کے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ لہذا آپ امیر العالمین بن چکے تھے مہاجروں کے تو آپ پہلے سے امیر تھے۔ اب اوس خزرج کے علاوہ یہود اور دوسرے قبائل نے بھی آپ کو اپنا امیر مان لیا تھا اور چند روز بعد قبیلۂ اوس کے سردار کے مرنے پر آپ اس قبیلے کے امیر منتخب ہوگئے تھے۔

لہذا آپ نے پورے جوش کے ساتھ بحیثیت امیر کے کام کرنا شروع کردیا۔ اور آپ کے حکم سے جنگی مشق اور خانگی چندہ شروع ہوگیا۔

جنگی مشق یا گرد آوری | چونکہ انصار سے اور بعد میں یہودیوں سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوگا تو وہ مہاجروں کی مدد کریں گے۔ اس لئے آپ نے صرف مہاجروں کے چھوٹے چھوٹے دستے مدینہ سے باہر بھیجنا شروع کئے۔ ان دستوں کے سردار ہمیشہ ہاشمی یا مطلبی ہوتے تھے۔ ان مہموں کا مقصد یہ تھا کہ وہ راستوں سے واقف ہوجائیں اور گرد آوری یا فوجی ورزش کے بعد اس قابل ہوجائیں کہ جب دشمن کا حملہ ہو تو دفاع کرسکیں۔ اس میں تو ذرا شبہ نہیں تھا کہ قریش جلد حملہ کرنے والے تھے۔ انھوں نے حبشہ تک پہلے بھی پیچھا کیا تھا اور اب مکہ سے اطراف مدینہ پہنچ کر کرز بن جابر تن تنہا مسلمانوں کے بہت سے اونٹ ایک چراگاہ سے ہانک لے گیا تھا۔

انفاق یا جنگی چندہ | اس زمانے میں اس بات کی بھی ضرورت ہوئی کہ مجاہدین کی فوجی ضروریات سواریوں اور اور رسد کے لئے چندہ کیا جائے۔ اور قرآن نے بتایا کہ دنیا کو ظلم سے بچانے کے لئے انفاق ضروری ہے (بقرہ ۳۴)۔ وہ خدا جو قوموں کو زندگی بخشتا ہے تمھیں بھی زندہ کردے گا (بقرہ ۳۵) لیکن کسی لالچ یا ذاتی نفع کے خیال سے چندہ نہ دو۔ یا اس سے دکھاوا مقصد نہ ہو (بقرہ ۳۶) یہ چندہ اصحاب صفہ پر بھی خرچ کیا جائے گا اس لئے کہ وہ بھیک نہیں مانگتے لیکن رضا کارانہ ہر خدمت کرتے ہیں (بقرہ ۳۷)

قتال کا مقصد جانوں کو بچانا ہے نہ کہ مارنا | مسلمانو موسیٰ نے جب قتال

شروع کیا تھا تو اُن کا مقصد یہ نہیں تھا کہ لوگوں کو غلام بنائیں۔ قتال کوئی اچھی چیز نہیں۔ بنواسرائیل کو بھی لڑائی سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ دشمن کو موسیٰ اور خدا مل کر فتح کریں گے۔ حالانکہ قومی جدوجہد کے بغیر سلطنت اور آزادی نہیں مل سکتی۔ لیکن یاد رکھو کہ جس طرح ظلم کر کے قابیل نے اپنے بھائی کو مار ڈالا تھا اور ملعون قرار پایا تھا، اسی طرح کوئی شخص بلا وجہ کسی کو قتل نہ کرے۔ کسی انسان کا ناحق قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسے کل عالم کو قتل کر ڈالنا۔ ظلم کرنا قانون الٰہی کے خلاف ہے۔

ایک کو بچانا کل عالم کو بچانا ہے یاد رکھو ایک آدمی کی جان بچانا کل عالم کی جان بچانے کے برابر ہے (المائدہ = ۳۲) اور ایک کو قتل کرنا کل کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔

ساتویں فصل

سید المجاہدین

(رجب سنہ ۲ھ (اکتوبر سنہ ۶۲۳ء) تا شوال سنہ ۳ھ (جنوری سنہ ۶۲۵ء))

فتح بدر سے احد تک کے قرآن کا خلاصہ

(سریہ عبداللہ بن جحش رجب سنہ ۲ھ کے بعد)

بقرہ: ۲۷ ۔ انسان کو آزاد کرانے کے لئے قتل بھی کرنا پڑتا ہے ۔

بقرہ ۱۷ یہود کی آزمائش تحویل قبلہ

بقرہ ۲۲ نیکی کی بنیاد مساوات انسانی و عدل پر ہے ۔

بقرہ ۹ یہود سے ناامیدی: یہ روپے کے عوض تحریف کلام اللہ کرتے ہیں ۔

بقرہ ۱۰-۱۲ اور توراۃ پر عمل نہیں کرتے ۔ اگر سچے ہوں تو موت مانگیں (تو آخرۃ کے عذاب کا حال کھل جائیگا

بقرہ ۱۳-۱۴ - دلائل (آیات) میں نسیان و تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ان ہی قدیم احکام یا دلائل کی طرح جو دین ابراہیم میں رائج تھے اور لوگ بھول گئے تھے ۔ ان کی مانند یا ان سے بہتر احکام (دلائل) خدا دے دیتا ہے

یہودیوں کے اعتراضات کہ نسخ وغیرہ کیوں جائز کیا، ان کو نظر انداز کرو اور ان کی شرارتوں کو بخش دو (اس لئے کہ معاہدین)

بقرہ ۱۵-۱۶ اے بنو اسرائیل خدا نے ابراہیم سے عہد کیا تھا کہ اس کی جو اولاد نیک ہوگی وہ لیڈر بنے گی لیکن تم دین ابراہیم کو نہیں مانتے (لہذا غلامی میں پھنسے ہو)

الجمعہ: یہودی اس گدھے کی طرح ہیں جس پر کتابیں لدی ہوں۔ جو نہیں سمجھتا کہ ان میں کیا لکھا ہے ۔

بقرۃ ۲۳ - فرضیت صیام: کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم (یعنی جس موسم میں پچھلے لوگوں پر روزے فرض ہوئے تھے تم پر بھی فرض کئے جاتے ہیں)

یوم الفرقان

۱۷- رمضان ۲ھ کے بعد

الانفال - ۵- بدر میں اتفاقاً دو جماعتوں کا مقابلہ ہو گیا تھا۔

الانفال ۲- سکینہ وجنود اللہ: دشمنوں کی تعداد کم نظر آئی۔ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی

الانفال ۱- ہزار فرشتوں کا ذکر محض خوشخبری تھی۔

الانفال ۲- حزب اللہ وحزب الشیطان

آل عمران ۲: بدر کا ذکر۔

آل عمران ۵: آخری آیت مسلمانوں نے کافروں کی تعداد کو تھوڑا جانا۔

الانفال ۹- قتال کا مقصد ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہو۔ (شیطنت ختم ہو)

الانفال ۸: دشمن صلح چاہے تو فوراً کرو

الانفال - ۷- عہد شکنی دشمن سے بھی جائز نہیں۔

محمد ۱: غلام بنانا کسی حال میں جائز نہیں (امّا منّا واما فداءً)

نور ۱: مکاتبت غلامان

سورۃ نساء ۱، ۲ مساوات مرد وزن - میراث - زنا - محرمات جوا سود - چوری - غلاموں پر نرمی

سورۃ نساء

سورۃ نساء ۱۹ یتیم لڑکیوں کے نکاح کی ہدایت

سورۃ نساء ۲۲- یہودیوں کو تنبیہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ الواح موسیٰ کی طرح قرآن بھی لکھا ہوا لاؤ یہ مسیح کے قتل کے درپے تھے سان کے ظالم اور سود خور ہونے کی وجہ

سے سبت کے دن تجارت بند کرنے کا حکم ہوا تھا لیکن ان میں جو راسخون فی العلم ہیں وہ مومن ہیں قرآن اور توراۃ کو مانتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

غزوۂ بنو قینقاع کے بعد۔

آل عمران ۱۹ یہود کی درازدستیوں پر صبر کا حکم

نساء ۷ نشہ کی حالت میں نماز منع ہے

نساء ۸۔ یہودی کہانت پرست وسود خور کنجوس ہیں۔

نساء ۱۰۔ کمزوروں کی مدد کے لئے قتال ضروری ہے۔ منافق ایسی جنگ سے بھاگتے ہیں۔

عراق کے رستے پر آنحضرتؐ کی توجہ

نساء ۱۲۔ منافقین مکہ

نساء ۲۱۔ ہر نبی پر ایمان لانا ضروری ہے

نساء ۱۶، ۱۷ اللہ کے قانون کے مطابق سب سے عدل کرو۔

نساء ۱۸۔ صرف مومن ہونا کافی نہیں نیک عملی بھی ضروری ہے۔

نساء ۱۹: عدل کرو حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرو۔

محمدؐ: ۲ منافق حق قبول نہیں کرتے

محمد ۳۔ حکم قتال

محمد ۴۔ منافق جہاد کے لئے مال دینا آپ اپنی مدد ہے۔

الصف (۱) یہودی نبیوں کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ اب احمد (فارقلیط) کو نہیں مانتے۔

الصف (۲) اللہ کی راہ میں جان کھپانا نفع کی تجارت ہے۔

المائدہ ۶۔ نصف آخر: منافق دل سے ایمان نہیں لائے۔

المائدہ ۷۔ توراۃ میں یہود کے لئے ہدایت ہے اس میں تحریف نہ کرو اسی کے مطابق فیصلہ کرو یوم الدین کو یاد رکھو اور نیکی کرنے میں مسابقت کرو۔

المائدہ ۸۔ منافقوں کی یہود سے دوستی ہے۔ لہذا یہود کو دوست نہ بناؤ۔

المائدہ ۹۔ یہود میں سب برے نہیں لیکن تعجب ہے کہ مسلمان کو کتب

یہود و نصاریٰ کی تصدیق کریں اور نہ وہ ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھیں۔

المائدہ ۱۰: قرآن توحید اقوام اور مذاہب حقہ کو ماننے کی دعوت دیتا ہے جو اللہ اور یوم الآخر کو مانکر نیک عمل کریگا وہ خوف وحزن سے نجات پائیگا۔

سید المجاہدین

کمزوروں کی مدافعت

روم کی فتح ۶۲۳ء (۲ھ) میں ہرقل کی فوجیں خسرو پرویز کو شکست دے رہی تھیں اور ساسانیوں سے اصل صلیب واپس لینے کی کوشش ہو رہی تھی ۶۲۴ء تک نصرانیوں نے آذربائیجان کا آتش کدہ مسمار کر دیا تھا۔

سریہ نخلہ: قریش کی یمنی تجارت میں دراندازی قریش کی خبریں مختلف سریوں کے ذریعے معلوم کی جاتی تھیں اس غرض سے رجب ۲ھ کے اواخر میں سید المجاہدینؐ نے عبداللہ بن جحش کی سرداری میں بارہ آدمیوں کو نخلہ روانہ کیا یہ مقام مدینہ سے بہت دور مکہ سے چند میل آگے طائف کی طرف ہے۔

اسی جگہ آپؐ پر سورہ جن نازل ہوئی تھی۔ یہاں کے باشندے ہاشمیوں کے دوست تھے۔ یمن کے تاجر اسی راستے سے طائف ہوتے ہوئے گزرا کرتے تھے۔ چونکہ آنحضرتؐ خود تاجرہ چکے تھے لہٰذا وہ شامی اور یمنی تجارت کے راستوں سے پوری طرح واقف تھے۔ اس زمانے میں شامی تجارت کم اور یمنی وحبشی تجارت بڑھ گئی تھی اور آپؐ اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ قریش کے اب کیا ارادے ہیں۔ ابن جحش کو ہدایت تھی کہ نخلہ پہنچکر قریش کی گھات میں رہو اور ہم کو ان کی خبریں معلوم کر کے بتاؤ۔ یہ مقام مکہ سے بہت ہی قریب ہے۔

ابن جحش نے دیکھا کہ تین آدمیوں کا ایک قافلہ مال تجارت کے ساتھ موجود ہے انہوں نے سوچا کہ اگر ماہ رجب کی حرمت کا خیال کیا تو شکار ہاتھ سے نکل جائیگا لہٰذا ان کے ایک ساتھی واقد نے عبداللہ حضرمی کو ایسا تیر مارا کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ باقی دو آدمیوں کو گرفتار کر کے مع سامان کے مدینہ لے آئے۔ اس سامان میں تیل، شراب

اور جمرا تھا۔ اس کا پانچواں حصہ سیدالمجاہدین کو دیا گیا تاکہ وہ بحیثیت سردار کے اس کو اسلامی جماعت کے لئے خرچ کریں اور باقی مال تقسیم کرلیا۔ جو قیدی آئے تھے ان کا فدیہ لے کر آنحضرت نے چھوڑ دیا۔

آزادیٔ رائے کو چھیننا قتل سے بڑا ہے آنحضرت کو بہت ناگوار ہوا کہ حرمت کے مہینے میں قتال کی گئی لیکن وحی نازل ہونے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ گو ماہ حرام میں قتل کرنا بہت ہی بری چیز ہے۔ لیکن قریش نے یہ وطیرہ اختیار کرلیا ہے کہ لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں ان کو مجبور کرکے دین سے پھیرتے ہیں۔ ان کی آزادیٔ ضمیر کو جبریہ صلب کرتے ہیں۔ اللہ کے گھر میں جانے سے روکتے ہیں یہ باتیں بہت ہی بری ہیں۔ لیکن دونوں بری باتوں میں فتنے کے مقابلے میں قتل کرنا کم برا ہے۔

آزادی چھنتی ہو تو جنگ جائز ہے (بقرہ ۲۷) اگر انسان کی آزادیٔ رائے اور ضمیر خطرے میں ہو تو اس کے لئے انسان کو قتال کرنا چاہئے۔ چاہے پھر کچھ بھی ہو۔ لیکن قتال سے پہلے اس کا سروسامان ضروری ہے ورنہ بغیر تیاری کے لڑنا ہلاکت میں پڑنا ہے)

یہود کی شرارتیں جب یہود نے دیکھا کہ اسلامی برادری کی وجہ سے ان کی تجارت اور سودی کاروبار خطرے میں ہے۔ اور مدینہ کے غریب لوگ اپنے بچوں کو رہن رکھ کر مزدوری کرنے پر تیار نہیں۔ اس کے علاوہ قریش کی شامی اور یمنی تجارت بھی خطرے میں ہے تو انھوں نے فقرے کسنے شروع کئے اور بہت خوش ہوئے کہ واقد نے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔

تحویل قبلہ اور یہود کی آزمائش شعبان ۲ھ تک یہود کی منافقت آشکارا ہوگئی۔ قرآن نے ان کی خود غرضی اور سودخوری

کا بھانڈا پھوڑ دیا اور بتایا کہ مالداروں کے نفع کے جو قوانین توراۃ میں ہیں وہ سب محرف ہیں - وہ اصل دین کو چھپاتے ہیں اور خدا کے سب نبیوں کو جن میں مسیح بن مریم بھی داخل ہیں نہیں مانتے وہ یہ بھی نہیں مانتے کہ بنو اسماعیل میں بھی خدا ایک نبی بھیجنے والا ہے - بعض یوم الآخر کو مانتے ہیں بعض نہیں مانتے (صدوقی و فریسی) اس کے بعد آپ نے بجائے مسجد اقصیٰ کے مکہ کے بیت العتیق کیطرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا - اس پر جتنے یہودی نفاق سے مسلمان بنے تھے یا مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے وہ مسجد سے نکل گئے - باقی منافقوں کو بھی آپ نے نکلوا دیا - اب وہاں خالص مسلمان رہ گئے - اور بجائے قبلۂ موسوی کے قبلۂ ابراہیمی کی طرف نماز پڑھنے لگے یعنی پرانا حکم (آیت) بدل گیا۔

تبدیل آیات و احکام | یہودی کہنے لگے کہ قرآن کے احکام توراۃ کے احکام (آیات) کو بدل رہے ہیں - ہم نے دیکھا ہے کہ اونٹ توراۃ میں حرام ہے - حالانکہ وہ یہ نہیں غور کرتے کہ توراۃ میں جو حضرت موسیٰ کے زمانے کی کتاب ہے حضرت ابراہیم کے زمانے کے احکام کب بیان ہوئے ہیں - اس زمانے میں اونٹ حلال تھا - اور بنو اسمٰعیل جو ابراہیم کی اولاد ہیں اسے برابر حلال سمجھتے رہے - بعد میں جب بنو اسرائیل نے شرارتیں کیں تو حضرت موسیٰ نے ان پر بہت سی پاک چیزیں روک دیں - مثلاً سبت کے دن مچھلی نہ مارو - یا اونٹ نہ کھاؤ - یہ سب باتیں سزا کے طور پر کی گئی تھیں - اب وہ کہتے ہیں کہ قرآن اُن احکام (آیات) کو بدل رہا ہے جو توراۃ میں ہیں - حالانکہ قرآن اُسی اصلی دین ابراہیم کے احکام یا توراۃ سے بہتر احکام دے رہا ہے - اور توراۃ میں جو احکام دئے گئے تھے یا جو تم نے خود تصنیف کر لئے تھے ان میں سے بعض غیر ضروری احکام کو قرآن منسوخ کر رہا ہے - تاکہ زندگی آسان ہو جائے اور دین فطرت و عقل قائم ہو سکے - اسی بنا پر قرآن نے کہا کہ یہودی اس گدھے کی طرح ہیں جس پر اچھی اچھی کتابیں لدی ہوں لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ ان میں کیا لکھا ہے اور ان کا منشا کیا ہے

رجعہ ۱) اسی ضمن میں تحویل قبلہ کا بھی حکم ہے۔ اس لئے کہ کعبہ وہ قبلہ ہے جو ابراہیم کے وقت سے ہے اور مسجد اقصیٰ بہت بعد میں موسیٰ کے وقت سے قبلہ بنا ہے۔ یہ حکم کی تبدیلی نہیں ہے بلکہ اس سے بہتر حکم ہے اور دین ابراہیم کو زندہ کرتا ہے (بقرہ ۱۳-۱۴)

فرضیت صیام اسی زمانے میں روزے فرض کر دیئے گئے۔ یہ زمانہ ۱۵ر نومبر سے ۲۵ر دسمبر تک کا ہوتا تھا اور مسیحی بھی اس زمانہ میں ولادت مسیح کی آمد آمد میں روزے رکھتے تھے۔ گویا کہ آنحضرت نے یہودیوں کی بے دینی کو جانچنے کے لئے نہ صرف تحویل قبلہ کردیا بلکہ مسیحیوں کی خدا پرستی کا ایک طریقہ بھی فرض بنا دیا کہ سب مسلمان اس موسم میں اسی طرح روزے رکھیں جس طرح قبل کے اہل کتاب رکھتے تھے۔ کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبل۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ زردشت کے مذہب میں روزہ رکھ کر کمزور بننے کی سخت ممانعت ہے اس لئے اگرچہ یہ اہل کتاب تھے۔ مگر ان کے دین کا یہ جزنہ تھا۔

کتابیوں کو اتحاد کی دعوت اے یہودیو اور نصرانیو باوجود یکہ تم اہل کتاب ہو لیکن افسوس ہے کہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہو تم کو مل کر رہنا چاہیئے (بقرہ ۱۴) اور توراۃ پر عمل کرنا چاہیئے (بقرہ ۱۵) اور یہودی یا نصرانی نہ بنو بلکہ ابراہیمی بنو۔ یہی قدیم دین ہے۔ ہر نبی کی تعلیم ایک ہی تھی کہ اللہ اور بعث بعد الموت کی تعلیم دیتے تھے (بقرہ ۱۶) لہٰذا اے یہودیو تم بھی یوم آخر کو مانو۔ خدا کا اپنا مخصوص تعداد کہو اور روزے رکھو۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ (بقرہ ۲۳) مگر یہودی کب خیرات کا قائل تھا۔ وہ سود کے ذریعے غریبوں کا خواہ وہ یہودی ہی کیوں نہ ہو خون چوسنا چاہتا تھا۔

روزہ کا مقصد روزے کا مقصد بھی جہاد تھا یعنی جس طرح سرایا بھیج کر جنگی مشق کرائی جاتی تھی اسی طرح بھوکے رہ کر مشقت اور

انفاق کی عادت ڈالی جاتی تھی ۔ منشا یہ تھا کہ لوگ کم کھائیں اور جن سے ہو سکے وہ اپنے غریب ساتھی کو بھی کھلائیں۔ مسلمانوں پر بعد ہجرت بہت ہی سخت زمانہ تھا اور اس کے سوا چارہ نہ تھا۔

یوم الفرقان بدر میں حق و باطل الگ ہو گیا

قریش سے پہلی مڈبھیڑ قریش کے تجارتی قافلوں کی آمدورفت کے اوقات سے آنحضرت واقف تھے ۔ انہیں خبر مل گئی تھی کہ ابوسفیان ساٹھ آدمیوں کا قافلہ لے کر جمادی الثانی ۲ ھ (اکتوبر ۶۲۳ء) میں شام گیا ہے ۔ آپؐ نے اس کی واپسی کے وقت کا اندازہ کیا اور چوہتر مہاجر اور دو سو اکتیس انصار کے ساتھ اس قافلے کو لوٹنے کی غرض سے ۱۲ رمضان ۲ھ کو مدینہ سے روانہ ہو گئے ۔ مخبروں نے بتایا کہ بدر پر یہ قافلہ دو تین دن میں پہنچ جائیگا ۔ مگر ابوسفیان بھی بہت چالاک تھا ۔ اس نے مکہ آدمی بھیجا کہ مسلمان قافلہ لوٹنے والے ہیں (ابن سعد ۔ طبقات) اس لئے مدد روانہ کرو ۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس نے یہ چالاکی کی کہ بدر کو چھوڑ کر خود سمندر کی طرف ہوتا ہوا بچ نکلا ۔ اور ایک تیز رو سانڈنی سوار مکہ بھیجا کہ میں بچ نکلا ہوں اب تمہاری ضرورت نہیں ۔

مکہ میں ابوجہل کو اپنی جرنیلی دکھانے اور مسلمانوں کو کچلنے کا اچھا موقع ہاتھ لگا تھا وہاں کے کئی بھلے آدمی لڑنا نہیں چاہتے تھے ۔ بلکہ کہتے تھے ابن حضرمی (وہ شخص جو نخلہ میں قتل ہوا تھا) کا خونبہا ہم خود دے دیں گے لڑائی فضول ہے مگر وہ نہ مانا ۔ بلکہ طعنے دینے لگا ۔ آخر ایک ہزار کے قریب آدمی جمع کر کے نکلا اور بدر پہنچ گیا ۔ یہ مقام مدینہ سے اٹھانوے میل سمندر کے قریب واقع ہے ۔ اور یہاں قافلوں کے پڑاؤ کے لئے کنویں بھی ہیں ۔

آنحضرت کا انصار سے مشورہ وادی ذفران پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش

نہایت ساز و سامان کے ساتھ قافلے کے بچانے کو نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اب آپؐ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ کیا کریں۔ مہاجروں نے کہا بڑھنا چاہیے۔ لیکن آپ نے انصار سے پوچھا تو انہوں نے کہا اگرچہ ہمارا معاہدہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کرنے کا تھا۔ لیکن اب ہم آپؐ کو نہیں چھوڑ سکتے، جو حکم ہو کریں گے۔ آپ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آگے بڑھا جائے۔ اللہ نے چاہا تو ان دونوں گروہوں میں سے ایک ہمیں مل جائے گا اور ہماری فتح ہو گی۔ (انفال)

بدر پہنچ کر حباب بن منذر نے مشورہ دیا کہ فوجی نقطہ نظر سے فوج دوسری جگہ جمائی جائے اور چشمہ پر قبضہ کر کے ایک حوض بنا لیا جائے۔ آنحضرتؐ نے اس پر عمل کیا۔ خدا کی شان کہ وہاں پہنچ کر بارش ہو گئی جس میں مسلمانوں نے غسل کیا۔ اور راحت پائی اور خوب سوئے (انفال۲) اور ریتلی زمین چلنے کے قابل بن گئی۔ مسلمانوں کو خبر نہ تھی کہ پہاڑی کے اس طرف قریش کی فوج پڑی ہوئی ہے۔

بدر کی لڑائی اور فتح

صبح کو سیدالمجاہدین نے فوج (۳۱۳ آدمیوں) کی صف بندی کی۔ ان کے پاس نہ تو پورے ہتھیار تھے نہ زرہیں۔ یہ تو ساٹھ آدمیوں کے قافلے کو لوٹنے نکلے تھے۔ یہاں ہزار سے لڑنے کی ٹھان لی۔ اس صبر و عزم کا یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ کے فرشتوں نے مسلمانوں کے دلوں میں قوت (سکینہ) پیدا کر دی۔ ایک ہزار کافر ان کی نظروں میں ہیچ نظر آنے لگے اور کافروں کے دلوں میں خدا نے رعب ڈال دیا کہ تین سو مسلمان انھیں ہزاروں معلوم ہونے لگے۔ بات یہ ہے کہ کل مسلمان متحد تھے۔ لیکن مشرکوں میں دو دلا پن تھا۔ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ بہت سے ایسے تھے (جیسے بنو ہاشم) کہ وہ مجبوراً آئے تھے (آل عمران ۲۔۵)

مسلمانوں کے علمبردار بنو ہاشم تھے اور ان کا جنگی نعرہ یا رحمان تھا۔ قریش کے علمبردار بنو عبد الدار تھے وہ ہبل کی جے پکار رہے تھے۔ آخر تین قریشی نکلے۔ ان کے مقابلے کو تین انصار بڑھے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ تم ہمارے برابر کے نہیں۔ ہماری تمہاری لڑائی ہے۔ ہاشمیوں کو بھیجو۔ اس پر حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ نکلے اور ان تینوں کو قتل کر دیا۔ پھر عام ہلّہ ہو گیا۔ ستر قریشی مارے گئے۔ سردار قریش ابو جہل بھی قتل ہوا۔ ان کی فوج بے سری ہو کر فرار ہونے لگی اور ستر آدمی قیدی بن گئے۔ ان ہی قیدیوں میں امیہ بن خلف بھی تھا جو رحمانؓ کو اس قدر ناپسند کرتا تھا کہ عبد الرحمان کو مرتے مرتے عبد الرحمان نہ کہا بلکہ عبد عوف یا عبد اللہ کہتا رہا بہرحال عبد الرحمان نے اسے اور اس کے لڑکے کو گرفتار کر لیا اور لیکر چلے ہی تھے کہ بلالؓ کو اپنا پرانا ظالم آقا نظر آ گیا۔ اور انھوں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ ابو البختری کے لئے آنحضرت نے معافی دے رکھی تھی مگر اس نے اپنے ساتھی کو چھوڑنے کی جگہ قتل ہو جانا پسند کیا۔ وہ کہتا تھا کہ امان دو تو میرے ساتھی کو بھی دو۔ لیکن گرفتار کرنے والے نے کہا کہ مجھے صرف تمہاری جاں بخشی کا حکم ہے۔

غلاموں کی آزادی کا پہلا قانون

عقبہ اور نضر آنحضرت کی قتل کی سازش میں شریک تھے اسلئے وہ قتل کر دیئے گئے۔ باقی قیدیوں کے متعلق سید المجاہدین نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ بعض نے قتل اور بعض نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ آپ نے آخری رائے کو پسند کیا اور حکم دیا کہ جو لوگ لکھنا جانتے ہیں اور افلاس کی وجہ سے فدیہ نہیں دے سکتے وہ دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ زید بن ثابت انصاری نے جو بعد میں کاتب وحی قرار پائے تھے اسی زمانے میں

لکھنا سیکھ لیتا تھا۔

اس کے بعد مسلمانوں کے لئے قرآن نے یہ ابدی حکم بنا دیا کہ جنگی قیدیوں کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ دو ہی صورتیں ہیں: یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے۔ یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ (سورۂ محمد)

دشمن صلح کرے تو فوراً کر لو دوسرا قانون یہ بنا کہ مقصود قتال نہیں ہے بلکہ امن و صلح ہے۔ اگر دشمن صلح کرنے اور جو لوگ آزادیٔ خیال سے محروم اور فتنہ میں مبتلا ہیں انھیں چھوڑنے پر تیار ہو تو فوراً صلح کر لو۔ (انفال)

کسی حال میں عہد شکنی نہ کرو تیسرا جنگی قانون یہ بنا کہ اگر کوئی قوم خیانت کرنے والی ہو (مثلاً یہود) تو جب تک علانیہ معاہدہ نہ توڑا جائے اور دشمن کو خبر نہ کر دی جائے اس وقت تک کسی حال میں عہد کے خلاف نہ کرو۔ خواہ مسلمانوں پر ظلم ہی کیوں نہ ہو رہا ہو (انفال ۱)

فتح کے نتائج مسلمانوں کا وقار بڑھ گیا۔ مال غنیمت نے ان کی اقتصادی حالت بھی درست کر دی۔ لہٰذا عید کے موقع پر ہر شخص کو صدقہ کرنے کا حکم ہوا۔ انفاق یعنی جنگی چندہ کا حکم آیا اور یہ بھی بتایا گیا کہ جنگی تیاری کرنا مثلاً اسلحہ مہیا کرنا۔ ورزش کرنا۔ گھوڑے پالنا ثواب کے کام ہیں (انفال ۸) پھر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا وہ پہلو نمایاں ہوا جو عورتوں اور یتیموں سے متعلق ہے۔ اور حکم ہوا کہ عدل قائم رکھنا مشکل ہے اس لئے اگر عدل نہ رکھ سکو تو چار کی جگہ ایک ہی بیوی بہتر ہے۔ قتل، زنا، سود، جوا، چوری منع کر دی گئی۔ نشے کی حالت میں نماز کی ممانعت کر دی گئی۔

قریش کی حالت قریش کے گھر گھر ماتم تھا۔ لیکن رونے کی اجازت نہ تھی اس لئے کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے اپنے جذبات کو

دو کسی یا منشیہ پڑھ کر ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

حکم قتال اور منافقوں کی حالت

منافقوں کو اس فتح سے بہت رنج ہوا۔ اور جب قرآن میں یہ حکم آیا کہ اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے قتال اچھی چیز ہے اور فتح دشکست دونوں صورتوں میں مجاہدوں کو ثواب ملیگا (نساء ۱۰) تو منافق بہت کسمسائے اور کہنے لگے کہ اس حکم سے ہمیں معاف کردو (محمد ۳)

بعض یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا

مکہ والوں نے یہود کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ اور وہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اڑاتے اب چھیڑ چھاڑ پر اتر آئے۔ بنو نضیر کے ایک یہودی نے ایک مسلم عورت کو ننگا کر دیا۔ وہ چلائی تو ایک مسلمان دوڑ پڑا اور اس یہودی کو قتل کر دیا آنحضرت امن چاہتے تھے۔ یہودی کا خونبہا ادا کرنے خود گئے۔ مگر یہود نے معاہدہ توڑ دیا۔ اور لڑائی کی دھمکی دی اور قلعہ بند ہو گئے۔ آخر آنحضرت نے ان کا محاصرہ کیا۔ اور پندرہ دن کے بعد اس شرط پر محاصرہ اٹھایا کہ وہ جان بچا کر شام کی طرف چلے جائیں۔ اب بنو نضیر کے یہودیوں نے ابوسفیان سے سازش کی اور وہ مکہ آ کر ایک انصاری کو قتل کر کے بھاگ گیا کعب بن اشرف اسی قبیلہ کا ایک شاعر تھا اس نے خلاف معاہدہ مکہ جا کر لوگوں کو بھڑکایا کہ آنحضرت کو جا کر دھوکے سے قتل کر دو۔ یہ سن کر محمد بن مسلمہ نے کعب کے گھر جا کر اُسے دھوکے سے قتل کر دیا۔

اس کے باوجود آنحضرت ان کو ہدایت کرتے رہے کہ توراۃ پر عمل کریں اس میں تحریف نہ کریں اپنے دادا ابراہیم کے دین قدیم پر چلیں۔ صرف اللہ کا ماننا کافی نہیں اس کے ساتھ نیک عمل بھی ضروری ہے۔ اور عدل نیکی کی بنیاد ہے (نساء ۱۸)

اس کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ یہودیوں میں ایسے پکے علم والے مومن بھی ہیں جو قرآن اور پچھلی کتابوں کو مانتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں (نساء ۲۲)

قریش کی عراقی تجارت کا انقطاع

شام و یمن کی تجارت منقطع کرنے کے بعد آپ نے بنو غطفان کی طرف رخ کیا یہ عراق والوں کے دوست تھے۔ وہ لوگ فرار ہو گئے اور ان کا لیڈر مسلمان ہو گیا۔ پھر زید بن محمد نے رجب سنہ ۳ھ میں ایک قریشی قافلہ کو قردہ کے قریب لوٹا۔ یہ قافلہ چاندی کے برتن لیکر عراق جا رہا تھا۔ اس طرح قریش کی عراقی تجارت بھی بند ہو گئی۔

مختلف اقوام کو اتحاد کلمہ کی دعوت

باوجودیکہ یہود سے نا امیدی ہو رہی تھی (مائدہ ۸-۹) لیکن آپ نے سب کو پھر دعوت دی کہ آؤ سب مل کر توراۃ انجیل اور قرآن پر عمل کریں (مائدہ-۱۰)

اس سے پہلے آپ یہ بتا چکے تھے کہ میں ہی وہ فارقلیط (احمد) ہوں جس کا تمہیں انتظار تھا (الصف) لیکن یہود اپنے تفاخر نسب اور سود خوری اور بزدلی کی وجہ سے مسلمانوں سے دور ہی ہوتے چلے گئے۔

آٹھویں فصل۔ خاتم النبیین

عزم و عقل سے سیلاب بلا کا مقابلہ

شوال ۳ھ (جنوری ۶۲۵ء) تا ذی قعدہ ۶ھ (فروری ۶۲۸ء)

پھر تین سال تک شعب سے زیادہ مسلسل مصائب کا سامنا

ان الدین عند اللہ الاسلام

قرآن شکست احد کے بعد، شوال ۳ھ

آل عمران: ۱۳: صبر سے جمتے تو پانچہزار فرشتے مدد کرتے یہ بات محض بشارت و اطمینان کے لئے کہی گئی تھی

آل عمران ۱۴: کمزور ایمان والے منافقوں کی وجہ سے شکست ہوئی۔

آل عمران ۱۵-۱۶ طمع مال سے شکست ہوئی۔ لیڈر کے مرنے پر فرار نہ ہونا چاہئے۔ جنگ قومی ہوتی ہے۔ لہذا محمد صرف رسول ہیں پہلے بھی رسول آچکے ہیں ان کے مرنے یا قتل ہونے پر فرار ہونا نہیں چاہئے۔ اصول کے لئے آخر وقت تک لڑنا چاہئے۔

آل عمران ۱۷: جو شہید ہوتا ہے وہ مرتا نہیں قوم کے لئے مرنا دولت سے بہتر ہے۔ بہرحال مومنوں نے اب منافقوں کو پہچان لیا (شہادت مسیح)

آل عمران ۱۸: غزوہ حمراء الاسد سے جیلوں اور منافقوں کا بھید کھل گیا انہوں نے ساتھ نہ دیا۔

آل عمران ۱۹: یہود کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے۔

آل عمران ۲۰ لوگو تفکر فی الخلق کرو سائنس کے ذریعہ اللہ کی نشانیاں ہر جگہ دیکھو۔ کفار سے نہ ڈرو۔

سب اہل کتاب کو برا نہ سمجھو۔
نساء (۷)(۸) میراث۔ مہر
نساء ۲۴: میراث کلالہ۔ تحریم
نکاح مشرک
عام التہنیت علی النکاح ۴ھ
دعائے قنوت (قرآن نہیں ہے)
سورۃ بینہ: اہل کتاب بھی
مشرکوں کی طرح ایمان نہیں لاتے
آل عمران ۱۲: امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر مسلمان کا فرض ہے
سورۃ حشر: ۱۔ عہد شکنی
وجہ جلا وطنی بنو نضیر ہے۔
الحشر ۲۔ نفاق نے منافقوں
کو بزدل بنا دیا۔
الحشر ۳۔ اللہ کے ہر زبان
میں اچھے اچھے نام ہیں۔
عام الزلزلہ ۵ھ
سورۃ نساء ۹: حسب معاہدہ
اہل کتاب آپؐ سے فیصلہ نہیں کراتے
شیطانی احبار سے کراتے ہیں۔ لہذا
وہ کافر ہیں۔

المنافقون ۱: منافق جہاد
بالنفس و مال سے رکتے ہیں۔
سورۃ النور ۱: (افک کے بعد)
زنا، قذف یا تہمت زنا کی سزا
النور ۲ مومنوں کو چاہئے تھا کہ
تہمت سنتے ہی جھٹلا دیتے۔
النور ۳: غلط کار مومنوں کو معافی
اور ابو بکر کو معاف کرنے کا حکم۔
النور ۴-۵-۶ مرد و زن کو حیا کا
حکم۔ مکاتبت پر زور۔ لونڈی
غلاموں کا نکاح کر دیا کرو۔ اللہ نور ہے
اللہ ہی تاریکی سے نکالتا ہے۔
النور ۷-۹ زمین کی بادشاہت خدا
کی اطاعت اور تہذیب سے حاصل ہوتی ہے
المجادلہ: میاں بیوی کو نہ لڑنا چاہئے
شوہر کو اپنی حماقت کا کفارہ دینا چاہئے
سرگوشی نہ کرنا چاہئے۔ جو کچھ برملا کہے
حزب اللہ کی اللہ مدد کرے گا۔
(زید و زینب کی لڑائی)
حملۂ احزاب: ذی قعدہ ۵ھ کے بعد
بقرہ ۲۶ بنو اسرائیل ناشکری نہ کریں

کو ہمیشہ آزاد رہتے ۔ وہ کنجوس ہیں اور مشرکوں کے حامی ہے

عام السوال ۶ھ

الاحزاب ۱: متبنیٰ کرنے کی رسم منسوخ (زیدؓ بن محمدؐ اب ابن حارثہ ہو گئے)

احزاب ۲۔ اللہ کی فوجوں نے احزاب کو بھگا دیا ورنہ منافق فرار ہونے والے تھے۔

احزاب ۳۔ لیکن مومنوں نے کہا کہ رسول اللہ سچ کہتے تھے۔

احزاب ۵۔ طلاق دینا بہت بری چیز ہے ۔ یہ رسم جاہلیہ ہے کہ متبنیٰ کی بیوی کو حرام سمجھے اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے ایسی بہو محرمات میں داخل نہیں ہے

بقرہ ۲۸۔۲۹ عورتوں کے حقوق مردوں پر (طلاق خلع وغیرہ)

احزاب ۴: رسول اللہؐ کی بیویاں عام عورتوں کی طرح نہیں کہ بازاروں میں جھانک مناک کرتی پھریں ۔ اگر وہ فقر و فاقہ سے گذر نہیں کر سکتیں تو

انھیں آزادی مل سکتی ہے۔

استیصال بنی قریظہ کے بعد یہود کو تنبیہ

آل عمران ۸ یہودی رسول اللہؐ پر ایمان لاکر منکر ہو گئے اور مومنوں سے خار کھاتے ہیں اللہ کو ماننا ہی دین حق ہے اور تھا۔

آل عمران ۹: عہدنامہ عتیق (جو ابراہیم سے ہوا تھا) یہی ہے کہ صرف اللہ کی بندگی کرو۔ یہی سب نبی کہتے ہیں کہ کسی نبی کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں۔ ان الدین عنداللہ الاسلام

آل عمران ۱۰: توراۃ اترنے سے پہلے بنو اسرائیل نے بعض جانور حرام کر لئے تھے۔ یہ دین ابراہیم سے (غلامی کی حالت میں) پھر گئے تھے ۔ حتی کہ عزیر پرستی کرنے لگے تھے۔

آل عمران ۱۱: اے انصار اللہ کی رسی کو سب مل کے مضبوط پکڑو۔

بقرہ ۲۹: بغیر حلالے کے نکاح بشرطیکہ طرفین راضی ہو جائیں۔

بقرہ ۳۱: حکم حلالہ کی تشریح:

پہلے شوہروں سے نکاح کرنا بہتر ہے

بقرہ ۲۳۹: نفقہ: غیر معمولی حالات میں نماز کی صورت بدلی جاسکتی ہے۔

مائدہ ۶: اللہ اور رسول سے معاہدہ کرکے لڑنے والوں اور فساد پھیلانے والوں کو سخت سزا۔ توبہ کرنے والوں کو شکست کھانے سے پہلے معافی مانگیں تو معافی دی جائے۔

خاتم النبیین

امتحان و زلزلے کے تین سال

ولا تطع الکافرین والمنافقین ودع اذاهم وتوکل علی اللہ وکفی باللہ وکیلا

(کافروں اور منافقوں کی بات ہرگز نہ مانو۔ ان کی ایذا کی پروا نہ کرو۔ اللہ پر بھروسہ کرو وہی کافی ہے)

عام الامتحان سنہ ۳ھ

رومی و ساسانی کشمکش جاری تھی سنہ ۶۲۶ء میں ساسانی فوجیں خالسی ڈون (بالمقابل قسطنطنیہ) تک پہنچ گئی تھیں، اور خسرو پرویز سودج کے ایک مصلوب دیوتا (مسیح ناصری) کی پرستش کو ختم کرنے کا عہد کرتا ہے اور نور مطلق (ہرمز) کی پرستش کو عام کرنا چاہتا ہے۔ سنہ ۶۲۷ء میں ہرقل کی فوجیں بوڑھے خسرو کو مار بھگاتی ہیں اور اصلی صلیب حاصل کرنے کی کوشش میں سرگرم ہیں۔

بدر کی شکست نے قریش کے دلوں میں آگ لگا رکھی ہے اور وہ مختلف قبائل سے مدد لے کر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ مدینہ کے منافق خواہ وہ یہودی ہوں یا نام نہاد مومن سب مشرکین مکہ کے حامی ہیں۔ پھر وہ قبائل بھی ساتھ ہیں جن کی تجارت ختم ہو چکی ہے۔ شام، عراق حتی کہ یمن تک کے راستوں کو مسلمانوں نے غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ یہ زمانہ تھا جبکہ قریش نے مسلمانوں پر دوسرا حملہ کیا۔ ان کے ساتھ تین ہزار پیدل دو سو سوار۔ سات سو زرہ پوش۔ پندرہ عورتوں کا جوش دلانے اور مرہم پٹی کرنے والا دستہ تھا۔ سواری اور رسد کے لئے تین ہزار اونٹ ساتھ تھے۔

ادھر خاتم النبیین نے فوجی چندہ (انفاق) اللہ والوں کے لئے جمع کرنا شروع کیا۔ یہود مالدار تھے اور معاہدے کے مطابق انہیں فوجی چندہ میں شریک ہونا چاہیے تھا لیکن وہ انکار کر گئے اور کہنے لگے کہ کیا اللہ فقیر ہے (آل عمران ۱۸-۱۹)

قریش کا دوسرا حملہ معرکہ احد (شنبہ ۱ شوال ۳ھ = ۲۶ جنوری ۶۲۵ء): آنحضرت چاہتے تھے کہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعت کی جائے۔ مگر نوجوانوں کے دل بدر میں بڑھ چکے تھے۔ ان کے اصرار پر شہر سے باہر ایک ہزار کی فوج سے روانہ ہوئے۔ بہت سے منافق بھی لوٹ مار کے خیال سے ساتھ ہو لئے تھے۔ مگر جب ابن سلول کو معلوم ہوا کہ قریش کی تعداد تین چار ہزار ہے تو وہ یہ بہانہ کر کے واپس چلا کہ ہم نے تو مدینہ میں رہ کر ہی آپ کا ساتھ دینے کا عہد کیا ہے لہذا وہ جمعہ کی شام ہی کو تین سو ساتھیوں سمیت مدینہ واپس ہو گیا۔ صرف سات سو مسلمان احد پہنچے یہ مدینہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی میدان ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ سو زرہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ بدر کی طرح قریش کے علمبردار عبدری تھے جو ہبل کی جے پکارتے تھے اور مسلمانوں کے ہاشمی تھے جو یا رحمان اور یا منصور پکار رہے تھے۔ یعنی ایک طرف اللہ والے رحمان پرست تھے دوسری طرف شیطان والے ہبل پرست تھے۔

رات بھر تیاری رہی۔ آنحضرت ہدایتیں جاری کر چکے تھے۔ لوگوں کو سمجھایا تھا کہ جب تک لڑائی ختم نہ ہو لوٹ مار نہ کرنا۔ تیر اندازوں کو بھی ایک گھاٹی پر متعین کر دیا تھا کہ عقب سے حملہ نہ ہو۔

سنیچر کی صبح کو عبدریوں نے للکارا تو ہاشمیوں نے چھ عبدریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور جوش دلانے والی عورتیں بھاگنے لگیں اور قریش بھی فرار ہونے لگے شاید یہ ان کی جنگی چال تھی کہ مسلمان اپنی صفوں کو چھوڑ کر ان کے پیچھے دوڑیں۔ منافق جو پہلی دفعہ جنگ میں آئے تھے یہ سمجھے کہ معاملہ ختم ہو گیا وہ لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔ پچاس تیر اندازوں نے بھی لوٹ کی لالچ میں

اپنی جگہیں چھوڑ دیں اور یہ سمجھے کہ ہماری فتح ہو گئی۔

یکایک خالد بن ولید نے دو سو سواروں سے عقبی حملہ کر دیا۔ قریش نے بھی بھاگنا چھوڑ کر پھر زبردست حملہ کر دیا اور چشم بدن میں مسلمانوں کی جیت شکست میں بدل گئی۔ حضرت حمزہؓ اور مصعبؓ بن عمیر (علمبردار اسلام) شہید ہو گئے جھنڈا گرا تو ایک مسلمان عورت نے اُسے بلند کر دیا۔ رسول اللہؐ سخت زخمی ہو کر ایک گڑھے میں گر گئے، اور انھیں حضرت طلحہؓ نے بمشکل ایک محفوظ پہاڑی تک پہنچایا۔ اب مشہور ہو گیا کہ خاتم النبیینؐ شہید ہو گئے اور ہبل اور ابو سفیان کی جے کے نعرے بلند ہو گئے۔

عربوں کا قاعدہ تھا کہ سردار فوج قتل ہو جائے اور فوج ہتھیار ڈال دے تو وہ لڑائی کو ختم کر دیتے تھے۔ ستر صحابی قتل ہو چکے تھے گویا بدر کا بدلہ ہو چکا تھا۔ ان کو مثلہ کر کے (یعنی ناک کان کاٹ کے) ابو سفیان بن حرب نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے کُل چار مہاجر شہید ہوئے۔ بقیہ سب انصار تھے۔ مشرکوں کے صرف بتیس آدمی مارے گئے اور لڑائی ختم ہو گئی۔

جنگی چال یعنی آنحضرتؐ کا تعاقب کفار

حمراء الاسد پر پہنچ کر قریش نے مشورہ شروع کیا کہ سخت غلطی ہوئی کہ ہم نے مسلمانوں کا خاتمہ نہ کر دیا۔ چلو واپس چلکر منافقوں کی مدد سے ایک ایک کو قتل کر دیں۔ آنحضرتؐ کی طرف سے حضرت علیؓ مخبری کو گئے ہوئے تھے انہوں نے جب آ کر یہ خبر دی، تو احد کے دوسرے ہی دن اپنا رعب قائم کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ احد میں شریک ہوئے تھے خواہ زخمی ہی کیوں نہ ہوں، آج ساتھ چلنے کو تیار ہو جائیں اور ادھر معبد خزاعی کو (جو ابھی تک علانیہ مسلمان نہیں ہوا تھا) آپ نے ابو سفیان کے پاس بھیجا کہ

اُسے ڈرائے کہ مسلمان بڑی فوج لے کر آ رہے ہیں۔
اب رسول اللہ نے جھنڈا حضرت ابو بکر کو دیا اور مجاہدوں کے لشکر کے ساتھ شام تک حمراء الاسد پہنچ گئے اور پھر ہر مسلمان کو حکم دیا کہ کئی کئی چولھے جلائے۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ کئی ہزار مسلمانوں کے چولھے روشن ہیں۔ اب اسے معبد کی بات سچی معلوم ہوئی اور راتوں رات فرار ہو گیا۔ رسول اللہ وہاں تین دن ٹھہرے تاکہ کفار اور منافق پورے طور پر سمجھ لیں کہ شکست اتفاقیہ ہوئی تھی ورنہ مسلمانوں کو شکست دینا مشکل بات ہے۔

اُحد کا ذکر قرآن میں: مسلمانو! شش و پنج سے بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بنو سلمہ و بنو حارثہ بھی منافقوں کے ساتھ واپس جانا واپس جانا چاہتے تھے۔ ایک وجہ شکست یہ بھی تھی۔ اس کے علاوہ بدر میں اللہ کی دی ہوئی ہمت کو فرشتہ کہا گیا تھا۔ یہاں بھی تین ہزار کیا پانچ ہزار فرشتے مدد کرتے بشرطیکہ تم صبر و ثبات سے کام لیتے (آل عمران ۱۳) جنگ ایک امتحان ہے۔ ہمت سے کام لینے والے چند آدمی بڑی بڑی فوجوں کو ہرا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ یہودیوں نے فوجی چندہ نہیں دیا۔ ساز و سامان کی کمی بھی باعث شکست ہوتی ہے (آل عمران ۱۴) اب یہ طریقۂ جنگ مقرر کیا جاتا ہے کہ سردار فوج مر جائے یا قتل ہو جائے تب بھی پیچھے نہ ہٹو۔ یہ انفرادی لڑائی نہیں قومی لڑائی ہے۔ میں تمہیں بلا رہا تھا مگر تم دوڑ رہے تھے۔ یاد رکھو قوم کے لئے مرنا دولت جمع کرنے سے بہتر ہے۔ اللہ والے کسی سے نہیں ڈرتے۔ شیطان والے موت سے ڈرتے ہیں۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے نہیں آ سکتی (آل عمران ۱۵-۱۸)

سنہ ۴ھ کی مصیبتیں: جنگ اور دھوکہ ہم معنی الفاظ ہیں۔ اب مومن و کافر کی لڑائی نے یہ ڈھنگ اختیار کر لیا کہ جس طرح بھی ہو

مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس خیال سے نجد کے قبائل نے آکر رسول اللہ سے درخواست کی ہم مسلمان ہوتے ہیں۔ تعلیم اسلام کے لئے چند آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے آپ نے اصحاب صفہ کے ستر صوفی قاری قرآن ان کے ساتھ کر دیئے۔ ان بیچاروں کو راستے میں قبائل نے گھیر کر قتل کر دیا۔ اس واقعہ پر آنحضرت کو اتنا رنج ہوا کہ ایک مہینے تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت یعنی طلب مدد الٰہی کی دعا پڑھتے رہے ان میں صرف عمرو بن امیہ بچ نکلے تھے۔ جنہوں نے راستے میں دو شخصوں کو بلا وجہ قتل کر دیا تھا۔ ان کا خونبہا مسلمانوں پر واجب تھا۔

اسی طرح بنو لحیان نے دس قاریوں کو لے جا کر قتل کر دیا تھا۔ مدینہ میں یہ خبریں سن سن کر منافق خوش ہوتے تھے۔ اور حسب معاہدہ اتفاق یا امداد مشترکہ چندہ نہیں دیتے تھے۔

یہود بنو نضیر کی جلاوطنی آنحضرت بنو نضیر یہود کے محلہ میں عمرو بن امیہ کے مقتولوں کا خونبہا جمع کرنے خود تشریف لے گئے۔ لیکن حسب معاہدہ چندہ دینے کی جگہ انہوں نے آنحضرت پر پتھر گرا کر قتل کر ڈالنا چاہا۔ اور بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ چونکہ معاہدہ ٹوٹ گیا تھا اس لیے آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنا کل سامان سوائے سامان جنگ کے لے کر خیبر اور شام کی طرف نکال دیئے گئے۔

عام الزلزلہ ۵ھ یہ سال نہایت تکلیف وہ سال تھا۔ اسی لئے اس کا نام عام الزلزلہ رکھا گیا۔ ہر جگہ مختلف قبائل سازشیں کرنے لگے تھے اور مسلمانوں پر حملہ کرنا ان کا مقصد بن گیا تھا۔ بعض جگہ آپ کو اتنا چوکنا رہنا پڑتا تھا کہ آدھے آدمی نماز پڑھتے اور آدھے پہرہ دیتے تھے۔ اسے صلاۃ خوف کہتے ہیں اسی زمانہ میں غزوہ مریسیع ہوا اور

منافقوں نے آنحضرت کی خاندانی زندگی تلخ کرنا چاہی۔ ل

غزوہ مریسیع ۲ شعبان ۵ھ۔ ۲۷ر نومبر ۶۲۶ء کو بنو خزاعہ کی سازشوں کو کچلنے کے لئے آپ ایک مہم پر روانہ ہوئے۔ اس مہم میں پہلی مرتبہ منافق اور ان کا سردار ابن سلول شریک ہوئے۔ اس غزوہ میں قبائل کے مرد فرار ہو گئے اور مسلمانوں کو ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں ملے۔ اور دو سو عورتیں اور چند مرد قیدی بنائے گئے۔

کل قیدیوں کی رہائی عورتیں بھی مال غنیمت کے ساتھ بانٹ دی گئیں۔ آنحضرت کے حصے میں بی بی جویریہ آئیں انھیں آپ نے آزاد کر دیا اور خود نکاح کر لیا۔ اور آپ کے حصے میں جتنی عورتیں تھیں انہیں بھی آزاد کر دیا یہ دیکھ کر کہ خزاعہ سے آپ کی رشتہ داری ہو گئی ہے سب مسلمانوں نے اس قبیلے کے قیدیوں کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا۔ اس احسان سے یہ قبیلہ آنحضرت کا دوست بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۶ھ میں ان ہی لوگوں نے قریش کو مسلمانوں کی طاقت سے ڈرایا اور وہ مجبوراً صلح پر آمادہ ہو گئے

منافقوں کو کافی مال ملا تھا۔ لیکن چندہ جنگ یا امداد مسلمین سے وہ گریز کرتے تھے اسی لئے سورہ منافقون میں کہا گیا کہ یہ دل سے مومن نہیں۔ اس لئے کہ مومن فیاض ہوتا ہے اور یہ خشک لکڑی کی طرح کنجوس ہیں۔

منافقوں کی تہمت اور قرآنی فیصلہ اسی غزوہ میں منافقوں کی سازش میں پھنس کر بعض بے وقوف مسلمانوں نے ام المومنین حضرت عائشہ پر تہمت لگائی اور بدنام کیا۔ سورہ نور میں قرآنی فیصلہ نازل ہوا کہ تہمت لگانے والے بے وقوف ہیں اور جن مسلمانوں نے اسے منا تھا انھیں چاہئے تھا کہ سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ جھوٹ ہے۔

بہر حال ان بے وقوفوں کو آنحضرت اور حضرت ابوبکرؓ نے معاف کر دیا۔ اور عورتوں کو حیا و شرم کے ساتھ رہنے اور اپنی زینتوں کو چھپا کر بازاروں یا مسجدوں میں جانے کا حکم ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو کچھ آداب معاشرت و مجلس تعلیم کئے گئے۔

زیدؓ بن محمد کی زینبؓ سے لڑائی

زیدؓ غلام رہ چکے تھے۔ زینبؓ رسول اللہ کی رشتہ دار تھیں۔ اس لئے زیدؓ نے ان کے طعنوں سے تنگ آکر انہیں طلاق دینا چاہی۔ مگر آنحضرت نے دونوں میں صلح کرا دی (المجادلہ)

پورے عرب کا مدینہ پر حملہ: احزاب ۵ھ

اُحد کے حملے کے ایک سال بعد قریش نے پورے عرب کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اس میں مدینہ کے یہود (بنو قریظہ) اور منافق بھی شامل تھے۔ آخر دس یا "۱۲" ہزار کی فوج' ابوسفیان کی سرداری میں مدینہ کی طرف ذی قعدہ ۵ھ میں روانہ ہو گئی۔ عربوں نے اتنی بڑی فوج آج تک نہ دیکھی تھی۔

حضرت سلمانؓ فارسی نے اسلام کو بچا لیا

رسول اللہ نے جنگی کونسل بلائی۔ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنا ناممکن معلوم ہوتا تھا لیکن سلمان فارسیؓ نے کہا کہ ایرانی مدافعت کا طریقہ یہ ہے کہ شہر کے اس حصہ میں جہاں مکانات نہیں ہیں خندق کا حصار بنا لیا جائے۔ خاتم النبیین نے یہ رائے پسند کی اور خود خندق کھودنے میں شریک ہو گئے حتیٰ کہ دشمن کے پہنچتے پہنچتے خندق تیار تھی۔ دشمن حیران تھا۔ کھائی کے اس پار رک گیا اور تیروں پتھروں سے بیس دن لڑائی جاری رہی۔ ایک دن کچھ لوگ کھائی کو پار کر کے بھی آگئے تھے۔ مگر پٹ کر واپس ہو گئے۔

آنحضرت کا جنگی دماغ اس لڑائی کے جیتنے کا باعث ہوا۔ آپ نے سنا کہ

یہود بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے اور عقب سے مدینہ پر حملہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں یہ سنتے ہی آپؐ نے نعیم غطفانی کو (جن کے اسلام سے کوئی واقف نہ تھا) یہود کے پاس بھیجا۔ انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ بہتر ہوگا کہ قریش سے کچھ یرغمال مانگ لو۔ ورنہ احد کی طرح یہ بھاگ گئے تو محمدؐ تمہیں پناہ نہ دے گا۔ اُدھر ابوسفیان سے جا کر کہا کہ یہودی تم سے کچھ یرغمال مانگ کر محمدؐ کو دینے والے ہیں۔ خبردار رہنا۔

حملے سے پہلے۔ یہود نے قریش سے یرغمال مانگے۔ ابوسفیان نے انکار کیا اور سمجھا کہ نعیم سچ کہتا تھا۔ لہٰذا دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ رات کو تیز آندھی چلی۔ چولھوں کی آگ نے خیموں کو جلانا شروع کیا۔ یہود سے نا امیدی ہو ہی چکی تھی۔ بیس دن میں رسد بھی ختم ہو چلی تھی۔ اس لئے کہ اتنی لمبی لڑائی کبھی نہ ہوتی تھی۔ صرف چند روز کی رسد ساتھ لی جاتی تھی۔ حج کے چند روز باقی تھے۔ ابوسفیان لاچار ہو گیا اور خیمہ و خرگاہ لاد کر ۲۲ ذی قعدہ ۵ھ کو مکہ روانہ ہو گیا۔ اس کے دل کی دل ہی میں رہ گئی اس کا یہ بھی نتیجہ ہوا کہ قبائل نے آئندہ ابوسفیان کا ساتھ دینے سے توبہ کر لی۔ نہ انھیں لوٹ کا مال ملا نہ سفر خرچ ہی پورا ہو سکا۔

بنو قریظہ کا قتل۔ دوسرے دن (۲۳ ذی قعدہ ۵ھ کو بلالؓ کی زوردار آواز سنائی دی کہ عصر کی نماز غدار بنو قریظہ کے محلے میں پڑھی جائے گی۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے۔ سعدؓ نے توراتی فیصلہ کیا کہ مرد قتل اور عورتیں باندیاں بنائی جائیں۔ آنحضرتؐ نے بہر حال چند یہودیوں کی جاں بخشی کر دی اور ان کے سردار کی لڑکی ریحانہ کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا۔ باقی یہودی قتل کر دیئے گئے۔

یہ وہی یہودی تھے جنھوں نے دوستی کا معاہدہ توڑ کر دشمنوں کے ساتھ سازش کی تھی اور مسلمانوں کا استیصال کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اگر آنحضرت پرخاش کی ترکیب نہ کرتے تو مسلمانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ جاتا۔

عام السوال ۶ھ اس سال سے مسلمانوں کو قریش کے حملوں کا خطرہ نہیں رہا اور وہ اپنی خاندانی اور جماعتی (یعنی سیاسی) زندگی کے متعلق بہت سے سوالات آنحضرت سے پوچھنے لگے۔ آپؐ نے بہت سے مسائل حل کئے۔ اس لئے اس کا نام عام السوال ہے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ بی بی ریحانہ کتابیہ تھیں۔ اور فقہ اسلامی میں عورتوں کے متعلق بہت سی طہارت کی باتیں انہوں نے بھی بتائی تھیں۔ توراۃ میں ان قوانین کی کافی تفصیل ہے اور مسلمان ان میں سے اکثر کے پابند ہیں (دیکھئے قانون پاکیزگی توراۃ)

خاندانی زندگی کے بعض مسائل پہلے بیان کر دئے گئے۔ اب یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جاہلیہ میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کو اپنی ماں کہہ دے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی تھی۔ حضرت زینبؓ نے حضرت زید بن محمدؐ کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ آخر انھوں نے ماں کہہ کر انہیں الگ کر دیا۔ لیکن آنحضرتؐ نے فیصلہ کیا کہ یہ رسم جاہلیہ تھی۔ کوئی عورت کسی کے ماں کہنے سے ماں نہیں بن جاتی اور طلاق عائد نہیں ہوتی۔ لیکن زیدؓ ساتھ رہنے پر باوجود آنحضرتؐ کی کوشش کے تیار نہ ہوئے اور صاف لفظوں میں طلاق دے دی (احزاب)

اسی ضمن میں دوسرا مسئلہ یہ سامنے آیا کہ لوگ منہ بولے بیٹے کو اپنا حقیقی بیٹا سمجھتے تھے۔ اور اُسے میراث میں صلبی بیٹوں کی طرح حق ملتا تھا اور اس کی بیوی سے خسر نکاح نہ کر سکتا تھا۔ آنحضرتؐ نے بتایا کہ زید میرا بیٹا نہیں لہذا وہ زید بن محمدؐ سے پھر زید بن حارثہ ہو گئے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ بتاتے تھے کہ کس طرح

زید کی مطلقہ ۔ سے نکاح کروں ۔لیکن چونکہ آپ کو رسم جاہلیہ توڑنا تھی اُن سے نکاح کرکے یہ رسم بھی توڑ دی ۔ (احزاب ۵)

خاتم النبیین

یہاں یہ بتایا گیا کہ تم پرانے نبیوں کے خاتم یعنی تصدیق کرنے والے ہو ۔لہٰذا جو دین ابراہیمی تھا اس کی تصدیق کرنے میں تمہیں مراسم جاہلیہ کی پروانہ کرنا چاہیئے ۔ تم مصدق النبیین ہو۔

ازواج نبوی کی رسول اللہ پر یورش

اسی زمانے میں ازواج نبوی نے اپنا نفقہ بڑھانے کے لئے آپ کو تنگ کرنا شروع کیا ۔لیکن آپ نے صاف کہہ دیا کہ تم دنیوی سردار کی بیویاں نہیں ہو۔ اگر تمہیں میرے ساتھ تکلیفیں اٹھا کر رہنا ہے تو رہو ورنہ میں تمہیں خوش دلی سے رخصت کرنے کو تیار ہوں ۔ تمہیں چاہیئے کہ بازاروں میں ماری ماری نہ پھرو بلکہ وقار کے ساتھ گھر میں رہو ۔اور دین کی تعلیم میں وقت صرف کرو ۔ (احزاب ۴)

پھر یہود کو تنبیہ

اے بنو اسرائیل تم احکام توراۃ میں تحریف نہ کرو ۔ خدا کا سب سے پرانا عہد (عہدنامہ عتیق) یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو ۔ سب نبی برابر ہیں ۔یہی اسلام ہے ۔بہترین عمل انفاق ہے گوشت کو حرام حلال بنانے کے مقابلے میں اعمال کی حلت و حرمت پر توجہ کرو ۔ کنجوسی وسود خوری حرام ہے ۔ نیک عملی اور غریبوں کی مدد ہی مقصد زندگی ہے ۔ لیکن تم خدا سے یہ عہد کرکے پھر گئے ۔افسوس !! (آل عمران ۹ ۱۰)

لہٰذا یاد رکھو کہ اللہ اور اس کے رسول سے جو لڑے گا اس سے آخری وقت تک لڑائی لڑی جائے گی اور عبرتناک سزائیں دی جائیں گی (مائدہ ۶)

(نوٹ) قرآن کے نزدیک توراۃ ہی عہدنامہ عتیق نہیں بلکہ جب سے انسان پیدا ہوا خدا سے یہی عہد کرتا رہا کہ سوائے اُسکے کسی کی بندگی نہ کریگا ۔آدم ۔نوح ۔ابراہیم اور سب نبی یہی عہد کرتے تھے ۔اور شیطان سے بچنا چاہتے تھے

نویں فصل

محسنِ المفتوحین

ذی قعدہ سنہ ۶ھ (فروری سنہ ۶۲۸ء) تا ذی الحجہ سنہ ۸ھ (مارچ سنہ ۶۳۰ء)

بیعت رضوان سے فتح عرب تک کا الٰہی پروگرام

بیعت رضوان کے بعد کا قرآن

سورہ الفتح ۱۔ رسول سے موت پر بیعت
ہی اللہ کی بیعت ہے یہی فتح مبین ہے
الفتح ۲ - اب گنوار عرب بھی ہمارے
پیچھے دوڑیں گے وہ ڈرتے تھے کہ کہیں
مکہ والوں سے مسلمان شکست نہ کھاجائیں
الفتح ۳ - بیعت رضوان کی وجہ
سے فتح خیبر ہوئی
الفتح ۴ - رسول کا خواب سچا ہوا کہ
مکہ ان کے آگے جھک گیا پہلے تم نازک
پودے تھے اب تناور درخت بن گئے ہو
الاعراف ۲۰ - انی رسول اللہ الیکم
جمیعاً (میں سب قوموں کے لئے رسول
ہوں)۔
آل عمران ۷ : اے اہل کتاب

آؤ صرف اللہ کی ہم سب مل کر بندگی
کریں۔
بقرہ - ۲۴ چاند سورج کی پرستش
چھوڑو۔ نیکی تقویٰ کو کہتے ہیں۔ مراسم
جاہلیہ ترک کرو منافقت کے لیے جاؤ
قتال بھی نیکی ہے۔ حد سے تجاوز ناجائز ہے
آزادی پانے کو صلب کرنا قتل سے
بد تر ہے۔
یہی دین اسلام کا بنیادی چارٹر ہے
نساء - ۱۳ جو اسلام ظاہر کرے
اور امان مانگے اس سے نہ لڑو۔
الممتحنہ ۱۔ دشمن پر یا عزیزوں پر
جو دشمن کے ملک میں ہوں اپنی جنگی
تیاریوں کو ظاہر نہ کرو۔
جو نہ لڑے اس سے بھلائی اور
انصاف کرو۔
قرآن بعد فتح مکہ
الممتحنہ ۲ - عورتوں سے اثم شرک
زنا قتل، اولاد بہتان سے باز
رہنے پر بیعت۔
بقرہ : ۲ - کل کائنات اللہ کے

وجود کی نشانیاں رکھتی ہے۔
بقرہ ۱۵ - بیعت رضوان والوں
کی تعریف
بقرہ ۳ ! تحدی کا خاتمہ مکہ میں۔
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مقصد
النصر - شکر ہے کہ جوق جوق لوگ
اللہ کا دین اختیار کر رہے ہیں۔
حمد الٰہی کے دو بے مثل خطبے قرآن میں۔
سورہ الحدید اللہ کائنات کا بادشاہ
اور عالم الغیب ہے انفاق اللہ کو
گویا قرض دینا ہے۔ نبیوں کو عدل
و انصاف قائم کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔
نوح و ابراہیم کی اولاد میں خدا نے
حکومت و نبوت کو جمع کر دیا۔ عیسیٰ
بھی رحم و محبت سکھانے آئے
التغابن - زمین و آسمان میں خدا
ہی کا راج ہے جسے راج دیا خدا ہی
نے دیا۔ لہٰذا اسی کی حمد کرو۔ اور فوجی
چندہ دو۔ انسان کی ہدایت تو انسان
ہی آتا ہے۔ بعث یقینی ہے۔ اعمال
کی جزا یقینی ہے جو کرتا ہے اللہ کرتا

ہے اسی پر بھروسہ رکھو

بقرہ ۲۵: حج کی ہدایات

اللہ کو فساد پسند نہیں۔ بیعت رضوان کرنے والوں نے اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں فروخت کر دی ہیں

اُن سے بہتر کوئی نہیں۔ امن و ترقی فساد سے بہتر ہے۔ فرقِ اسلام کے ذریعے سے بھوک اور خوف سے نجات مل سکتی ہے۔

محسن المفتوحین

پیمبر کی فاتحانہ شان

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم (سورۂ فتح)
(اے رسول جو تجھ سے عہد کرتے ہیں وہ اللہ سے عہد کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

رسول اللہ کا رؤیا حملۂ احزاب کو ایک سال گذر چکا تھا۔ اور قریش ہی نہیں، پورے عرب کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں ایک سال کے اندر یہودیوں سے بھی مدینہ پاک ہو چکا تھا۔ اب صرف منافق باقی تھے مگر وہ بھی چغلخوری اور کم ظرفی کی باتوں کے علاوہ مسلمانوں کو زیادہ نقصان نہیں پہونچا سکتے تھے۔ ان جاسوسوں کی وجہ سے آنحضرت نے یہ عادت ڈال لی تھی کہ اہم باتیں نہایت راز میں رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض خاص دوستوں اور اپنی بیویوں کو بھی خبر نہ ہونے دیتے تھے۔

جس طرح مکہ کے آخری دور میں آپ نے یہ رویا دیکھا تھا کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اسلام جلد پھیلنے والا ہے۔ اسی طرح آپ نے یہ رویا دیکھا کہ وقت آگیا ہے کہ مسجد حرام میں علانیہ اللہ کا نام لینے کے لئے داخل ہوں۔ یاد رہے کہ آنحضرت کا ہمیشہ یہی قول رہا کہ

اللہ کی مسجدوں سے شیطان پرستوں کو روکنے کا کوئی حق نہیں۔

مکہ کو روانگی

آپؐ نے اعلان کردیا کہ ذی قعدہ کے حرمت کے مہینہ میں مکہ جا کر بیت اللہ کا طواف کیا جائے گا جو شخص ساتھ چلے وہ یہ نہ سمجھے کہ جنگ یا لوٹ مقصد ہے۔ صرف ایک حفاظتی تلوار ساتھ ہو اور وہ بھی نیام میں رہے۔ یہ سننا تھا کہ برسوں کے بچھڑے ہوئے مہاجر اور انصار اور قبائلی تاجر جوق جوق جمع ہوگئے۔ سولہ سو آدمیوں کا قافلہ آنحضرتؐ کے ساتھ چلا۔ ستر قربانی کے اونٹ ساتھ تھے۔ بس سوار آگے آگے تھے اور سب بلند آواز سے لبیک اللھم لبیک کہہ رہے تھے۔ یعنی سب خدا پرست تھے اور امن وسلامتی کے مشن پر جا رہے تھے۔ لیکن مشرکین مکہ ان کو ہر طرح روکنے کے لئے تیار تھے۔

حدیبیہ

مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر یہ پرامن جماعت ٹھہری اور مکہ والوں سے نامہ وپیام ہونے لگا۔ بدیل خزاعی نے قریش کو بہت ڈرایا۔ آخر جب حضرت عثمانؓ گفتگو کرنے مکہ گئے تو کسی دوست نے یہ مشہور کردیا کہ وہ قتل کر دیئے گئے اور اہل مکہ مسلمانوں سے جنگ پر تیار ہیں۔

اسلام کی فتح یعنی بیعت رضوان

یہ سننا تھا کہ آنحضرتؐ ایک جھاڑی کے سائے میں بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ مسلمانوں کی جانیں خریدنے کے لئے پھیلا دیئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو لوگ مرنے کے لئے تیار ہوں وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے عہد کریں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ وہ میرے ہاتھ پر اپنی جانیں فروخت نہیں کر رہے۔ بلکہ اللہ کے ہاتھ بیچ رہے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ سولہ سو مہاجر

انصار بیعت کے لئے لوٹ پڑے۔ اب آنحضرتؐ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور فرمایا کہ اللہ اس بیعت اور اس جان فروشی سے راضی ہوگیا ہے۔ یہ فتح مبین (کھلی ہوئی فتح) ہے۔ ایسے جان نثاروں کی جماعت آج سے پہلے کبھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ پہلے صرف مرکزی یا بانی مقصد اسلام سے واقف تھی اب پوری سوسائٹی اسلام کے انقلاب عظیم سے آشنا ہوگئی ہے۔ اور الحمدللہ کہ اب ہمارے درمیان کوئی منافق نہیں ہے اور نہ کوئی جاسوس۔ سب ایک مقصد کے لئے جانیں دینے کو تیار ہیں (سورہ الفتح) ان رضوانیوں کے ذوق جانثاری کا اندازہ وہی کرسکتے ہیں جنھوں نے سفر محبت کے درمیان کبھی یہ شعر پڑھا ہو۔

کہ سہ ہمہ آہوان صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

قریش کی عاجزی اور صلحنامہ

بیعت کرنے والوں کے جوش و خروش نے کفار کے دلوں میں زلزلہ ڈال دیا۔ اور انھوں نے سمجھ لیا کہ عاجزی کے سوا اب چارہ نہیں۔ احابیش نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس وقت انھوں نے سہیل بن عمرو کو جو بڑا چرب زبان خطیب تھا۔ آنحضرت کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا کہ کسی طرح ہماری عزت رکھ لو اور اس سال واپس چلے جاؤ آیندہ سال آجانا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں تو پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ اگر تم صلح کے لئے تیار ہو تو میں بھی تیار ہوں۔ تمھیں میں بے عزت نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو کل دنیا کو رحم و محبت کا پیام دیتا ہوں تم ہی کئی بار مدینہ پر چڑھ چڑھ کے آئے۔ میں اس کا انتقام نہیں

لینا چاہتا،

صلحنامہ لکھا جانے لگا تو سہیل نے کہا کہ ہم رحمان کو نہیں مانتے وہ نصرانیوں کا خدا ہے نہ آپ کو اللہ کا ایلچی مانتے ہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں مان لیں تو جھگڑا ہی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ میں بجبر تمہیں عقائد کا عبدہ اور مسلمان نہیں بنانا چاہتا۔ صلحنامہ سے "رحمان" مٹا دیا گیا صرف اللہ باقی رکھا گیا اور رسول اللہ کی جگہ ابن عبداللہ لکھ دیا گیا۔ یہ طے پایا کہ یہ صلح دس سال تک رہے گی۔ اگر کوئی قریش اب آنحضرت کے پاس جائے گا تو آپ اُسے واپس کر دیں گے۔ اور جو مسلمان مشرک ہو کر مکہ آئے گا اسے وہیں رہنے کی اجازت ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ میں خود اس کا حامی ہوں اور نہیں چاہتا کہ کسی کو مجبور کر کے اپنے پاس رکھوں۔ ہر شخص کو رائے کی اور ضمیر کی قطعی آزادی ہے۔ اب آنحضرت کی اتنی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ بنو خزاعہ علانیہ آپ کے حلیف بن گئے لیکن بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا اس کے بعد آپ نے تین دن حدیبیہ میں قیام کیا۔ ستر اونٹوں کو ذبح کر کے دعوت عام کی اور عید منائی۔ اصل میں بیعت رضوان ہی فتح مبین تھی۔

نظام المساوات سنہ ۶ھ فتح حدیبیہ کے بعد شورائی آمریت کا قیام

خدا کی مدد اور

آنحضرت کی بیس سال کی جد و جہد کے بعد اب ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد پڑ گئی تھی جو حقیقت اسلام کو سمجھ گئی تھی۔ اس جماعت کے امیر (ڈکٹیٹر) آنحضرت تھے۔ لیکن یہ آمریت شورائی آمریت تھی۔ مقصد فلاح انسانیت تھا جس کی بنیاد خدا پرستی اور جزائے اعمال کے یقین پر تھی۔ ایمان اسلام

کا یہ مقصد نا قابل تبدیل تھا۔ اس کے حصول و قیام کے لئے راسخون فی العلم سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ اور ان مشوروں میں سے بہترین مشورہ کا فیصلہ کرنا امیر العالمین کے اختیار میں تھا۔ گویا کہ یہ جمہوریت ایسی تھی جس میں حق کا فیصلہ کثرت رائے پر نہیں، بلکہ امیر کی خداداد سوجھ بوجھ پر منحصر تھا۔ ایک رائے بھی ہزار رایوں کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہو سکتی تھی بشرطیکہ وہ کتاب اللہ، دین فطرت یا قانون الٰہی کے مطابق ہو۔

غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ۔ اپریل ۶۲۸ء) مجلس شوریٰ نے یہ طے کیا کہ شام کے راستے پر بلا وجہ یہودی رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں مطیع بنا لیا جائے۔ وہاں یہودیوں کے کئی مضبوط قلعے تھے جو چند روز کے محاصرے کے بعد فتح کر لئے گئے۔

خراج یہود اہل کتاب تھے۔ ان سے یہ طے ہوا کہ سب زمینیں اور باغات دولت مدینہ کی ملکیت ہوں گی تم نصف پیداوار بطور خراج کے دو گے۔ جسے انھوں نے بخوشی منظور کیا۔ اور رسول اللہ نے ایک اسرائیلی عورت بی بی صفیہؓ سے نکاح کر کے یہودیوں سے رشتہ قائم کر لیا۔ اب یہود بالکل مطمئن ہو گئے۔ انھیں پوری مذہبی آزادی مل گئی۔ بلکہ انھیں حکم دیا گیا کہ توراۃ کے اصلی قوانین پر عمل کرنے ہی میں تمہاری فلاح ہے۔ اسی زمانے میں فدک اور وادی القریٰ کے یہودیوں نے ثانی پہ صلح کر لی۔ حبشہ جو یہودی تھی تو چودہ سال پرانے دیار حبشا ایک کشتی میں سوار ہو کر خیبر پہنچ گئے اور مسلمانوں نے آکر اپنے نصرانی دشمنوں کا حال بتانے لگے۔

دنیا کو اطاعت الٰہی (اسلام) کی دعوت

آنحضرتؐ متمدن دنیا کے حید حید سے واقف تھے۔ خصوصاً عرب اور اطراف عرب میں جو سلطنتیں قائم تھیں ان کا آپ نے اپنے تجارتی سفروں میں گہرا مطالعہ کیا تھا۔ سلحہ نبوی میں تین سال تک وحی بند رہی تھی اور آپ نے جو خفیہ سوسائٹی بنائی تھی اس کے اراکین نے تاریخ عالم اور عروج زوال امم کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اب فتح حدیبیہ کے بعد وقت آ گیا کہ قرب وجوار کے بادشاہوں اور سرداروں کو "دین حق" یعنی اللہ کی بندگی کا پیغام دیا جائے، تاکہ انسانی عقل کو پروہتوں اور بادشاہوں سے آزادی ملے اور سب محسوس کریں کہ وہ سوائے اللہ کے اور کسی کے غلام نہیں۔ پہلے کہا جا چکا تھا کہ "اے اہل کتاب آؤ اس ایک بات متفق ہو جائیں کہ خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں گے" (آل عمران ۷)۔ اب یہ کہا گیا کہ "اسی خدا نے اپنے ایلچی کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگ ہدایت پائیں اور اللہ کا سچا دین سب پر غالب آئے"۔ (الفتح ۲) اس کے بعد یہ فرمایا کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا یہ پیغام لایا ہوں (انی رسول اللہ الیکم جمیعا اعراف ۲۰)

نصرانی بادشاہ یا رئیس

(۱) شاہ نجاشی مسلمان ہو گیا۔ (۲) ہرقل چاہتا تھا کہ مسلمانوں سے دوستی قائم کرلے لیکن پوپوں نے حضرت عیسیٰ کو صرف انسان ماننے سے انکار کر دیا (۳) حارث غسانی نے خط کے جواب میں کہا کہ اس کا جواب زبان شمشیر سے دوں گا (۴) مقوقس نے شاہ اسکندریہ اس پیغام سے

بہت خوش ہوا اور آنحضرت کو دوستانہ جواب اور چند تحفے اور دو لڑکیاں بھیجیں۔ جن میں سے حضرت ماریہؓ کو آپؐ نے اپنے پاس رکھا

مجوس کو دعوتِ اسلام

(۱) خسرو پرویز کو بجائے دو خداؤں کے ایک خدا کو ماننے کی دعوت دی گئی اس نے خط پھاڑ ڈالا اور اپنے گورنر یمن یعنی باذان کو لکھا کہ حجاز کے نبی کو گرفتار کر کے بھیج دو لیکن اسی زمانے میں شیرویہ نے اپنے باپ خسرو کو قتل کر ڈالا (۲) بحرین کا رئیس منذر بھی مجوسی تھا۔ وہ اور اس کی اکثر رعایا مسلمان ہو گئی۔

جزیہ (گزید)

منذر نے لکھا کہ بہت سے لوگ یہودیت و مجوسیت پر قایم رہنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے دربار رسالت سے حکم ہوا کہ اگر وہ مسلمانوں کی حفاظت میں رہنا چاہتے ہیں تو انھیں ایک ٹکس دینا ہوگا جسے ایرانی گزید کہتے تھے۔ اسی سے لفظ جزیہ بنا ہے۔ یعنی ان کی جان و مال کی حفاظت مسلمان سلطنت اور فوج کرے گی۔ ان کی آبرو مثل مسلمان کی آبرو کے سمجھی جائے گی۔ انہیں پوری مذہبی آزادی ہوگی لیکن فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کی یہی شرط ہو سکتی ہے کہ تندرست اور مالدار آدمی ٹکس دے کر اس خدمت سے بچ جائیں۔

عمرۃ القصاص

حسب معاہدہ سال گزشتہ آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے ذی قعدہ ۷ھ میں مکہ کا رخ کیا مشرکوں نے تین دن کے لئے مکہ چھوڑ دیا۔ اور مسلمانوں نے بھی تین دن قیام کے بعد مکہ چھوڑ دیا۔ جب مدینہ پہنچے تو کعبہ کا بڑا پجاری عثمان بن طلحہ

آیا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر خالد بن ولیدؓ اور عمروؓ بن العاص (فاتح مصر) بھی آئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان لوگوں نے محسوس کر لیا کہ واقعی اللہ جل سے بڑا ہے۔ اور یکجہتی سے وہ طاقت پیدا ہوتی ہے کہ مٹھی بھر مسلمانوں نے کل عرب کو زیر کر لیا ہے۔

عام الفتح ۸ھ (۶۲۹ء)

اس سال فتح مکہ ہوئی۔ اس لیے یہ سال عام الفتح کہلاتا ہے

سریہ مؤتہ

اس سال چند معمولی مہمیں روانہ کی گئیں۔ بقیہ جمادی الاولیٰ (اگست) میں دمشق کے قریب ایک مہم زید بن حارثہؓ کی سرداری میں روانہ کی گئی، تاکہ سردار غسان کو آنحضرتؐ کے ایک قاصد کے قتل کرنے کا جواب دے۔ اور زید کو حکم دیا کہ جاؤ ان لوگوں کو اطاعت یعنی اسلام کی طرف بلاؤ۔ مسلمانوں کا لشکر صرف تین ہزار تھا۔ مقابلہ ایک لاکھ سے ہوا۔ زیدؓ اور جعفرؓ بن ابی طالب شہید ہوئے اور آخر حضرت خالدؓ بن ولید نے بمشکل فوج کو باقاعدہ پسپا کر کے بچا لیا۔ اس کے بعد قرآن میں یہ حکم آیا کہ جو شخص مومن ہونا ظاہر کرے اس کی بات کو مان لو۔ اس پر ہاتھ نہ اٹھاؤ (نساء ۱۳)

مکہ میں پرامن داخلہ (رمضان ۸ھ جنوری ۶۳۰ء)

بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ کے بائیس مہینے بعد دولت کنانہ کے حلیف بنو خزاعہ فریادی بن کر آئے کہ بنو بکر نے ہمیں حرم میں قتل کیا اور قریش نے ان کا ساتھ دیا۔ یہ سنتے ہی محسن المفتوحین نے مکہ یہ پیغام بھیجا کہ یا تو مقتولوں کا خون بہا دو یا بنو بکر کا ساتھ چھوڑ دو یہ دونوں قبیلے آپس میں سمجھ لیں گے۔ ورنہ یہ

تسلیم کرلو کہ دس سال کے لئے جو صلح کا معاہدہ ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔

قریش نے آخری شرط منظور کرلی۔ لیکن پھر لکھتا ہے۔ اور ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے مدینہ بھیجا لیکن یہاں کچھ طے نہ ہوسکا ابوسفیان واپس گیا۔ . . . اب مدینہ کے بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک رشتہ داروں کو خبر دی کہ آنحضرت اپنے حلیفوں کا بدلہ لینے مکہ آرہے ہیں۔ اس پر آنحضرت نے زبان وحی سے فرمایا کہ دشمن سے معاملات کو خفیہ رکھنا چاہیے اور جو لوگ لڑنے پر تیار نہ ہوں ان کے ساتھ نیکی اور انصاف سے پیش آنا چاہیئے (الممتحنہ)

آخر رمضان ۸ھ کو آپ مدینہ سے دس ہزار آدمیوں کے ساتھ چلے اور چند روز میں مکہ کے قریب پہنچکر پڑاؤ کردیا۔ اب پھر مہاجرین کا شعار یا بنی عبدالرحمان مقرر ہوا۔ ابوسفیان نے اتنا بڑا لشکر دیکھا تو آکر مطیع ہوگیا۔ آنحضرت نے اس کو خوش کرنے کے لئے اعلان کردیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا یا اپنا گھر بند کرکے بیٹھ رہے گا یا حرم مسجد میں چلا جائے گا اس سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی۔

یوم جمعہ ۲۰ رمضان ۸ھ کو آپ صبح صادق کے وقت اس شان سے روانہ ہوئے کہ شہید موتہ زید بن حارثہ کا لڑکا اسامہ آپ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھا۔ گویا زبان حال سے یہ اعلان ہو رہا تھا کہ اسلامی برادری میں آقا اور غلام کا فرق مٹ چکا ہے اور سب برابر ہیں پھر آپ نہایت عاجزی سے اونٹ ہی پر سجدہ کرتے ہوئے بیت اللہ کے صحن میں داخل ہوئے اور اعلان عام کردیا

کہ یوسفؑ نے تو اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا، میں اپنے قاتل دشمنوں کو معاف کرتا ہوں اور یوسف ہی کے لفظوں میں کہتا ہوں کہ تم سے آج کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف کرے (لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین) اب کعبہ کے مہنت عثمان بن ابی طلحہ نے اس کی کنجی پیش کی۔ کعبہ سے بتوں کو پاک کر دیا گیا۔ ھبل سرنگوں ہو گیا اور بلال نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اعلان کر دیا کہ ال الہ کل الہوں سے بڑا ہے۔ وہی سچا معبود ہے باقی سب مخلوق ہیں۔ اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

پھر محسن المفتوحین صفا کی پہاڑی پر بیٹھ گئے اور لوگوں نے مان لیا کہ رحمان ہی اللہ ہے۔ اور آپ اس کے رسول ہیں۔ سب نے خود غرضی انتقام اور نسب یا رنگ پر فخر کرنے اور نخوت جاہلیہ کو ترک کر دینے کا عہد کیا۔ اور یہ بھی عہد کیا کہ لڑکیوں کو قتل کرنا اور بہتان لگانا چھوڑ دیں گے۔ اور جو امر حق ہوگا اس میں بلا چون و چرا اطاعت رسول کریں گے۔ یعنی خدا پرستی اور مساوات انسانی کے معیار کو قائم رکھنے کے اصول پر جماعتی فلاح کے معاملات میں امیر کا ہر حکم مانیں گے۔ عورتوں نے خاص طور پر یہ عہد کیا کہ ماتم میں سینہ کوبی وغیرہ نہ کریں گے نہ قبروں پر جا کر ماتم کریں گے۔

پروہتی ختم

اس کے بعد آنحضرت نے اعلان کر دیا کہ پروہتی ختم کی جاتی ہے۔ جوتشیوں اور مہینہ کی مہورتیں بتانے والوں کی اب ضرورت نہیں۔ کہانت بے معنی بات ہے۔ شاعروں کے لئے قصاص کے گیت گانا منع ہیں۔ اب سب کی عقل آزاد ہے اور وہ

براہ راست دین فطرت پر کتاب اللہ کی روشنی میں چل سکتے ہیں۔
خدا پرستی کے لئے بیچ کے سفارشی یا شفیع باقی نہیں رہیں گے۔

پرانی بحثوں کا جواب معجزہ(۱) لوگو تم پہلے معجزے مانگتے تھے اب بتاؤ کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔ کیا خدا کو اپنے خالق ہونے کے ثبوت کے لئے کسی معجزے کی ضرورت ہے۔ ذرہ ذرہ پتہ پتہ اس کے وجود و قدرت کا نشان (یا معجزہ) ہے (بقرہ ۲۰)

(۲) یہ قرآن سحر نہیں ہے اس میں ذرا شبہ نہیں کہ یہ قرآن بھی الکتاب (قانون الٰہی) ہے (سحر یا کہانت نہیں ہے) یہ اللہ کو ماننے اور انفاق کرنے کا حکم دیتا ہے اور پرانی تعلیمات کو جو خدا کی طرف سے آئی ہیں ان کو ماننے کا حکم دیتا ہے۔ اور آخرۃ پر ایمان لانا بتاتا ہے (تاکہ بدعملی سے بچو اور نیک عملی اختیار کرو۔) جو لوگ اس طرح اپنے فرائض (صلاۃ) انجام دیتے ہیں وہی ہدایت پر ہیں (بقرہ ۱)

(۳) اعجاز کتاب کی بحث کا خاتمہ اب بھی تمہیں شک ہو کہ یہ تعلیم خدا کی دی ہوئی نہیں تو تم ایک ہی سورہ اس کے مانند بنا لاؤ تو میں تمہیں سچا مان لوں (مگر شیطانی تعلیم دینے والے ساحر و کاہن کیوں ایسی تعلیمات دینے لگے!) اب بھی نہ مانو کہ یہ خدا کی تعلیم ہے تو اس ہٹ دھرمی کا نتیجہ جہنم ہوگا۔ دیکھو خدا سے جو نیک عملی و خدا پرستی کا عہد کیا تھا وہ نہ توڑو! فساد نہ پھیلاؤ یہ شیطانی کام ہیں (بقرہ ۳)

خدا کی حمد: اس زمانے میں سورۃ الحدید کے پہلے رکوع میں جب

انداز میں خدا کی حمد کی گئی ہے وہ موقع اور زمانے اور ماحول کے شایان شان ہی نہیں بلکہ مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی ہے!

"کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی پاکی بیان کرتا ہے۔ اسی کا ہر جگہ راج ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے وہی خالق ہے وہی علیم ہے وہ دلوں کا حال جانتا ہے وہی خلوت و جلوت میں تمہارے ساتھ ہے۔"

"مسلمانو انفاق کرو۔ یہ گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ انھیں دگنا واپس ملے گا اور اس پر اجر عظیم بھی پاؤگے۔ دنیوی زندگی سراب کی سی ہے۔ لہذا جو نہ ملے اس پر غم نہ کرو اور ہر مصیبت پر صبر کرو۔ بخل سے دولت نہیں بڑھتی۔ جو مل جائے اس پر نہ اتراؤ۔ خدا کا شکر ہے کہ نبوت کے ساتھ اب حکومت بھی قایم ہوگئی۔ عیسیٰ نے رحم کی تعلیم دی تھی وہ قائم کردی گئی۔ لوگو مجھے مانو میں رحمت وروشنی کا پیامبر ہوں" (الحدید)

اسی طرح اگلی سورہ التغابن بھی پڑھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے پرامن انقلاب کے بعد ان ہی دو سورتوں کو ہر وقت ورد زبان رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

ہوازن وثقیف کی مدافعت

قبیلہ ہوازن طائف کے اطراف میں پھیلا ہوا تھا۔ اور ثقیف طائف کے زرخیز قصبہ کے مالک تھے۔ انھوں نے فتح مکہ کے بعد یہ سمجھا کہ اب ان کی تجارت ختم ہو جائے گی۔ لہذا مکہ پر حملہ کرنے کے لئے حنین کے مقام پر جمع ہوگئے تھے۔

غزوہ حنین

۶ شوال ۸ھ آنحضرت نے مشرکین مکہ سے بھی

فوجی چندہ اور قرض لیا۔ اور دو ہزار کے قریب نو مسلموں اور مشرکوں کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دی۔ بارہ ہزار کی فوج سے حنین کے قریب پہنچے لوگوں کو اپنی تعداد پر بہت غرور تھا۔ ہوازن گوریلا لڑائی لڑتے تھے انہوں نے مختلف دروں سے یکایک حملہ کر دیا اور لشکر اسلام کے پیرا یسے اکھڑے کہ بھگدڑ مچ گئی کئی آدمی کچل گئے۔ اور آنحضرت تنہا رہ گئے۔ آخر آپؐ نے بیعت رضوان والوں کو پکارا۔ لوگوں نے اپنے جان نثاری کے عہد کا نام سنتے ہی پروانہ وار رسول اللہ کے گرد جمع ہونا شروع کر دیا اور چند منٹ میں شکست کو فتح سے بدل دیا۔

اسی لڑائی میں آپ نے حکم دیا تھا کہ ہرگز کوئی عورت یا بچے پر ہاتھ نہ اٹھائے اور اگر کوئی امان مانگے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ یہاں آپ کو چھ ہزار عورتیں بچے بطور قیدی کے ملے۔ آپ اسی قبیلے میں رضاعت کے زمانے میں رہ چکے تھے۔ آپ نے اعلان کر دیا کہ میرے اور میرے خاندان کے قیدی آزاد ہیں۔ اس پر سب مسلمانوں نے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ بعض مشرک ساتھیوں نے نہ مانا تو انھیں فدیہ دیا گیا اور سب آزاد ہو گئے۔

غزوہ طائف اس کے بعد آپ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ مگر یہ مضبوط قلعہ تھا اور مدینہ چھوڑ کر دیر تک باہر رہنا مصلحت کے خلاف تھا۔ لہذا آپ نے محاصرہ اٹھا لیا۔ البتہ آپ نے یہ اعلان کر دیا کہ جو غلام وہاں سے نکل آئے گا وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ اس پر بہت سے غلام آ کر آزاد ہو گئے۔ غالباً آپ کو وہ زمانہ یاد آ گیا تھا کہ آپ زخم خوردہ طائف میں بیٹھے تھے اور ایک نصرانی غلام عداس نے آپ سے ہمدردی کی تھی اور آپ کو انگور کھلائے تھے۔

واپسی مکہ اور احکام حج

۱۸ ذی قعدہ ۸ھ کو آپ مکہ واپس تشریف لائے۔ حج کے متعلق احکام بتائے اور فساد کو منع فرمایا۔ باپ دادا کی تعریف کرنے کی جگہ خدا کی رحمتوں کا ذکر کرنے کا حکم دیا پھر عتاب بن اسید کو مکہ کا گورنر بنا دیا اور ان کی تنخواہ ایک درہم (یومیہ) مقرر کی اور نو مسلموں میں حنین کا مال غنیمت نہایت فیاضی سے تقسیم کر دیا۔ انصار سمجھے کہ اب آپؐ مکہ ہو گئے ہیں رہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اس فیاضی سے مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مال چاہتے تھے۔ مال لے لیں اور لالچ ہی میں پکے مسلمان ہو جائیں لیکن تم لوگوں نے میری غربت میں مدد کی اب کیسے ممکن ہے کہ تمہیں چھوڑ کر میں یہاں رہ جاؤں۔ انصار یہ سن کر رونے لگے اور نادم ہوئے اور آپ ان کے ساتھ مدینہ واپس چلے گئے۔

حج مخلوط ۸ھ

اس سال کا حج مخلوط یعنی مومن و کافر سب نے مل کر اپنے اپنے طریقے پر حج کیا تھا۔ بہر حال حج کے میلہ کا جو مقصد تھا کہ تجارتی میلہ لگے' وہ لگا۔ اور لوگوں نے امن و اطمینان کی فضا میں سانس لیا۔

حج کا مقصد

جس طرح نماز کا مقصد شرک کو ترک کرا کے خود اعتمادی پیدا کرنا تھا' اور جس طرح روزہ سے جہاد کے لئے جسمانی مشقت کی عادت اور ساتھیوں کی پرورش مقصود تھی' اسی طرح حج سے عام اہل کتاب کی تجارتی بہبودی پیش نظر تھی۔ اس سال تو حج مخلوط تھا لیکن آئندہ سال (۹ھ) میں یہ طے کر دیا گیا کہ جو لوگ شیطان پرستی پر مصر ہیں وہ صرف اللہ کی عبادت

گاہوں میں آسکیں گے اور نہ حج کے میلے میں شریک ہوسکیں گے۔
مومنوں کو خیال ہوا کہ اگر مشرک نہ آئے تو ہماری تجارت ترقی نہ کرسکے گی۔
آنحضرتؐ خود تاجر رہ چکے تھے اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ یہ خیال غلط ہے
اللہ تمہیں بغیر ان کے تجارتی فائدے عطا کرے گا اور ہوا بھی یہی کہ ہزار ہا
مشرک تجارتی فوائد کے پیش نظر مسلمان ہو گئے۔ ان ہی خودغرض مسلمانوں
نے آنحضرت کی وفات کے بعد اسلام سے بغاوت کی تھی۔

بہر حال حج کا مقصد بھی یہی تھا کہ اللہ والے سال میں ایک مرتبہ
جمع ہوں اور اللہ کا نام بلند کرنے اور اپنی تجارت کو ترقی دینے کی صورتوں
پر غور کریں۔ اور آئندہ کی ترقی کا پروگرام بنائیں تاکہ دنیا سے جہل و ظلم دور رہے۔

دسویں فصل

رحمۃ للعالمین

محرم ۹ھ (مارچ ۶۳۰ء) تا ربیع الاول ۱۱ھ (جون ۶۳۲ء)

دولت کتابیہ کا عالمی پروگرام

عام البرات (۹ھ) کے قرآن کا خلاصہ

آل عمران ۱ - ۷ :- اللہ حی قیوم ہے (مسیح نہیں ہے) یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو بہکاتے ہیں لیکن وہ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے۔ یہود و نصاریٰ محکم آیتوں کو چھوڑ کر متشابہات میں پھنسانا چاہتے ہیں، مومن دونوں کو مانتے ہیں کہ اللہ لاشریک ہے

اور مسیح بن مریم اللہ کے بیٹے نہیں ہیں اہل کتاب سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ لہذا ہمیں اپنے اعمال کی جواب دہی نہ کرنا ہوگی۔ یہ خیال خام ہے۔

مسیح کو بھی موت آئے گی۔ اُن کا بن باپ کے پیدا ہونا ایک متشابہ آیت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ "ابن اللہ" ہیں۔ اللہ تو آدم

کی طرح بے ماں، باپ کے پیدا کر سکتا ہے۔ لہذا اہل کتاب آؤ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بنائیں۔ (یہ آیت محکم ہے)

ولادت ابراہیم بن محمد کے بعد کا قرآن

بقرۃ ۲۶-۲۷:- جتنا بھی ہو سکے (یعنی عفو) انفاق کرو اور جو خوش دلی سے نہ دے اُسے بے دلی سے نکال دو۔

توبہ ۸:- مصارف زکوٰۃ مساکین غلام، مقروض، ایلاف قلوب، عاملین مسافر اور مجاہدوں کے لئے۔

سورۃ الحجرات:- آداب مجلس کی تعلیم اسلام اور ایمان میں فرق ہے، مومن نسل و رنگ پر فخر نہیں کرتا اور انسانی مساوات یعنی اسلام قائم کرنے کے لئے جان مال کھپا دیتا ہے۔

سورۃ التحریم:- عورتوں مردوں کو اپنے اپنے حدود میں رہنا چاہیئے عورتوں کو سیاسی معاملات میں زیادہ دخل دینا مناسب نہیں۔ یہ بھید کو نہیں چھپا سکتیں۔ لہذا ان عورتوں کو خوش کرنے کے لئے (یعنی اپنی ولی عہدی یا خلافت کے معاملے کی وجہ سے) کسی حلال چیز کو حرام کر لینا درست نہیں۔

توبہ ۶:- رومی سامراج سے مقابلے کے لئے انفاق کرو۔

توبہ ۷:- بزدلوں اور نافرمانوں کا چندہ بھی قبول نہ کرو۔

سورہ طلاق:- عورت کو یکبارگی طلاق دے کر نہ نکالو۔

توبہ ۹:- خود منافق چندہ کا وعدہ کر کے منکر ہو گئے اور جو مومن چندہ دیتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں اُن پر سختی کرنا چاہیئے۔ انہیں خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔

توبہ ۱۱:- (یرموک کی) لڑائی میں گرمی کا بہانہ کر کے جو لوگ نہیں آئے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جہنم اس سے زیادہ گرم ہے۔ اب واپسی پر انہیں ہرگز ساتھ نہ لینا، مر جائیں تو قبر پر نہ جانا۔

توبہ ۱۲ :- کمزور اور بوڑھے جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔

توبہ ۱۳ :- مسجد ضرار سازش کا گھر ہے اس میں ہرگز نہ جانا۔

توبہ ۱۴ :- اللہ نے مومنوں (اہل کتاب) سے جنت کے بدلے میں ان کی جان مال خرید لی ہے۔

توبہ ۱۵ - ۱۶ :- سب کا جہاد پر چلے جانا ضروری نہیں۔ لیکن سب کو تجربہ حاصل کرنا چاہئے۔ اور لڑائی میں سختی سے لڑنا چاہیئے

توبہ ۱ :- مشرکوں سے معاہدہ کی مدت پوری کی جائے گی لیکن جنہوں نے درمیان میں معاہدہ شکنی کی ہے ان سے معاہدہ ٹوٹ چکا۔

توبہ ۲ :- بدعہد مشرکوں کے لئے دو ہی راستے ہیں مسلمان ہوں یا لڑیں۔

توبہ ۳ :- اللہ کے گھروں میں مشرک اپنے بتوں کی عبادت کرنے کے مستحق نہ ہوں گے۔

توبہ ۴ حنین کے بعد :- کثرت پہ غرور نہ کرنا چاہیئے اگر اللہ کی طاقتیں تمہارے دلوں کو نہ تھامتیں (یعنی سکینہ وجنود اللہ) تو تم بھاگ نکلتے۔ لہذا اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ مشرک اب اللہ کے گھر میں نہ آنے پائیں گے اور اہل کتاب اگر حق پرستی نہ اختیار کریں تو ان کے ساتھ یہ عمل ہوگا کہ ملکی ضروریات کے لئے ان سے حفاظتی ٹیکس (جزیہ) لیا جائے گا اور انہیں خوش دلی سے ٹیکس (زکات) دینے والوں کے برابر نہ سمجھا جائے گا تاکہ وہ ذلت محسوس کریں (کہ وہ کیوں آئین اسلام کی پہلی دفعہ ایمان باللہ ویوم الآخر کو نہیں مانتے)

توبہ ۵ - یہود ونصاریٰ مسیح کو ابن اللہ مانتے ہیں۔ حبیروں اور راہبوں کو بھی ابن اللہ کہتے ہیں یہ حبر اور پوپ عام لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ بہرحال ان کی مخالفت کے باوجود

اللہ کا نور پھیل کر رہے گا۔

عام البلاغ یا عام الوداع ۱۰ھ

بقرہ ۳۸ :۔ انفاق سے خوف وحزن دور ہوتا ہے۔
بقرہ ۳۹ :۔ قرض تحریری ہونا چاہیے۔
المائدہ ۱ :۔ جن مشرکوں سے معاہدہ ہے وہ پورا کیا جائے (توبہ ۱) اب حرمت کے مہینوں میں قتال پھر حرام کی جاتی ہے۔ آج تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا گیا اس دین کا نام اسلام (یا اطاعت الٰہی) ہے۔
مائدہ ۲ :۔ انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ خواہ وہ یہودی ہی ہوں جنھوں نے احزاب میں عہد شکنی کی تھی۔ ان سب سے بھی انصاف کرو۔
مائدہ ۳ :۔ دولت کتابیہ قائم ہوگئی ہے، اب یہود کو معاف کردو

نصاریٰ میں متعدد فرقے ہوگئے ہیں اگر یہ لوگ اللہ کے بیٹے ہوتے تو بار بار غلامی میں نہ پڑتے،
مائدہ ۶ :۔ چند سزائیں۔
مائدہ ۱۱ :۔ یہود کے مقابلے میں نصاریٰ زیادہ بہتر ہیں۔
شراب۔ جوا۔ شگون لینا۔ کہانت سے بچو۔ دوسرے کی عیب جوئی سے بہتر ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔ مرنے سے پہلے گواہ کر کے وصیت کر جاؤ۔ مسیح خود گواہی دیں گے کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں، بندے ہیں۔

حجۃ الوداع کے بعد کا قرآن

توبہ ۵ :۔ نسی کے بغیر سال کے بارہ مہینے ہونا چاہییں۔
بقرہ ۴۰ قرآن کی آخری دعا اللہ بادشاہ ہے۔ عالم الغیب ہے اور قادر مطلق ہے۔ کل نبیوں کا پیغام ایک ہی ہے اور ہم اس

کو مانتے ہیں۔ انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار محض ہے۔ خدا ہی قادر و مختار ہے پھر بھی انسان کو	چاہیئے کہ مقدور بھر نیک عمل کرتا رہے اس لئے جو بات اختیار سے باہر ہے اس پر خدا مواخذہ نہیں کرے گا

رحمۃ للعالمین

اقوامِ عالم کو رحمت کا پیغام

یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط، ولا یجرمنکم شنآن قوم الا تعدلوا

مومنو! اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے اور عادلانہ شہادت کے لئے کمربستہ رہو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کی دشمنی میں انصاف کو چھوڑ دو

اعدلوا۔ ہو اقرب للتقوی۔ واتقوا اللہ، ان اللہ خبیر بما تعملون (المائدہ ۲۰)

انصاف کرتے رہو۔ عدل ہی تقویٰ سے قریب ترین چیز ہے۔ اللہ سے ڈرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جانتا ہے

عام الوفود یا عام البرأت یکم محرم سنہ ۹ھ = ۲۰ راپریل سنہ ۶۳۰ء

فتح مکہ کے بعد دولت کتابیہ کی دھاک سارے عرب پر بیٹھ گئی۔ اور چونکہ عرب کا بلکہ یمن و ہند کا بھی مرکز تجارت تھا جہاں سے عراق۔ حبشہ اور مشرقی رومی سامراج کو شاہراہیں جاتی تھیں اس لئے عرب کے مختلف مقامات سے وفود آنا شروع ہوئے اور انھوں نے دولت کتابیہ کی اطاعت (اسلام) قبول کرلی۔ چند وفود کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ وفد نجران اور محکمات و متشابہات

یمن سے ڈیڑھ سو میل شمال میں ایک بڑی نصرانی آبادی نجران میں تھی۔ انھوں نے اپنی سفارت مدینہ بھیجی اور حضرت مسیحؑ کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر معلوم کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ نے

فرمایا کہ ہم ایسے شخص کو خدا ماننے کے لئے تیار نہیں جسے موت آسکتی ہو۔ نصرانیوں نے کہا کہ قرآن تو کہتا ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے اور مریمؑ کنواری تھیں۔ اور وہ صلیب پر نہیں مرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ خدا قادر مطلق ہے وہ بے ماں باپ کے پیدا کرسکتا ہے، جیسا کہ آدمؑ کو کیا۔ یا عاقرہ کو ایک بے کار بوڑھے سے اولاد دے سکتا ہے جیسا زکریا کو دی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدم یا عاقرہ کے بچے خدا کے بیٹے تھے۔ قرآن نے مسیحؑ کے متعلق بھی یہ کہا ہے کہ مرنے کے بعد جب وہ قیامت میں اٹھیں گے تو خود گواہی دیں گے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ لہذا تم لوگ محکم آیات (احکامات) کو مانو اور ان کی روشنی میں متشابہات یا تمثیلی آیتوں یا تشریحات کو دیکھو۔ محکم ترین آیت یہ ہے کہ سب سے بہتر راستہ اطاعت الہی ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام۔ آل عمران ۲) اور کل نبیوں کی تعلیم یہ تھی کہ مرنے کے بعد زندگی یقینی ہے اس کا متشابہ یا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خدا یوم الدین کا مالک ہے اور سب کو دوبارہ پیدا ہونے کے بعد اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی جو لوگ پختہ علم رکھتے ہیں وہ محکم اور متشابہ کو خوب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں اور ہم انھیں حق مانتے ہیں۔ (آل عمران)

اہل کتاب کو اتحاد کلمہ کی دعوت

لہذا وہ لوگ جو اہل علم ہیں اور توحید الہی اور بعث بعد الموت کو مانتے ہیں انھیں چاہیئے کہ اپنے اختلافات مٹاکر متحد ہو جائیں (آل عمران ۴) یہی بات سورہ مائدہ (۱۰) میں پہلے کہی گئی ہے۔)

اہل کتاب سے خاص رعایت

اہل نجران نے اس دعوت اتحاد کو مان لیا۔ اور آنحضرتؐ کی امارت وحمایت میں آگئے۔ شرک کو چھوڑ دیا۔ انجیل پر چلنے اور اپنی رعایا پر عدل کرنے کا عہد کیا۔ اس حمایت کے بدلے میں انھوں نے ایک ٹیکس دینے کا وعدہ کیا۔ جس کی وجہ سے وہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر دیئے گئے

مسلمانوں پر ٹیکس (زکوٰۃ)

ملکی ترقی اور دفاع کے لئے ہر ملک والے دل کھول کے ٹیکس دیتے ہیں اور اسی میں زندگی ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے خوشدلی سے ایک ٹیکس دینا منظور کیا جسے زکوٰۃ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس رقم کے دینے سے ان کا مال پاک ہو جاتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں پاکیزگی اور محبت انسانی پیدا ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ زکوٰۃ میں کتنی رقم دینا چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو رقم بھی تمہارے جائز کاموں سے فاضل ہو وہ سب دیدو۔ (بقرہ ۲۶ - ۲۷)

مصارف زکوٰۃ

زکات کی رقم عام انسانوں کا دکھ دور کرنے اور انھیں ترقی دینے کے کاموں میں صرف کی جاتی ہے۔ اس کے لئے یہ مخصوص حکم ہے کہ جو لوگ ذہنی یا اقتصادی غلامی میں اسیر ہوں ان پر ضرور خرچ کی جائے۔ اور جہل وقرض کی غلامی سے آزاد کیا جائے (توبہ - ۸) یاد رہے کہ یہ مصرف عام ہونا چاہیئے صرف مسلمانوں کے لئے نہ ہونا چاہیئے،

امیر پر صدقہ حرام ہے

رحمۃ للعالمینؐ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ زکوٰۃ وصدقات کے

مال کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ خلفائے راشدین بھی اس مال کو اپنے اوپر خرچ نہ کرتے تھے۔ بلکہ خراج کی رقم سے نہایت ادنیٰ رقم اپنے مصارف کے لئے لیتے تھے۔

زوجات نبوی کا دوبارہ احتجاج

منافقوں نے زوجات نبوی کو بھڑکایا کہ آنحضرتؐ سب مال مکہ والوں کو تقسیم کر آئے، اور تم لوگ اسی طرح تکلیف میں ہو۔ بیبیوں نے کہا کہ ہم ہر حال میں خوش ہیں۔ ہم فقر و فاقہ میں رہنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ تب انھوں نے کہا کہ بی بی صفیہ تو یہودن ہیں وہ کیسے تمہاری برابری کر سکتی ہیں۔ اس پر کچھ کشیدگی بڑھی لیکن آنحضرتؐ نے بی بی صفیہ کو سمجھا دیا کہ تم سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد بھی نبی تھے۔ اور شوہر بھی نبی ہے۔

اب منافق تیسری چال چلے (توبہ ۸)۔ انھوں نے بی بی عائشہؓ اور بی بی حفصہؓ سے کہا کہ اب تو لونڈی ماریہؓ کی تم سے زیادہ عزت ہوتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ ماشاءاللہ ان کے بطن سے ولی عہد پیدا ہو چکا ہے۔ یہ تیر اپنے مقام پر بیٹھا۔ ایک روز رسول اللہؐ اپنے بچے ابراہیم کو پیار کر رہے تھے۔ حضرت عائشہ سے کہا دیکھو یہ بچہ مجھ سے کتنا مشابہ ہے! انھوں کہا مجھے تو نہیں معلوم ہوتا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کتنا موٹا تازہ تندرست ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہو کیوں نا۔ جو بچہ دس بکریوں کا دودھ پئے گا وہ موٹا نہ ہوگا تو کیا ہوگا! یہی نہیں بلکہ خود حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ مجھے بہت تعجب ہے کہ رسول اللہ ذرا سے بچے کے مرنے پر اتنا پھوٹ پھوٹ کر کیوں روتے تھے!

بہرحال دونوں بیبیوں نے آنحضرت کو ولی عہدی کے معاملہ پر بہت تنگ کیا تو آپ نے فرمایا کہ میری عمر باسٹھ سال کی ہو چکی ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اب دوسرا نکاح نہ کروں گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ کوئی بچہ غلام پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ماریہؓ آزاد ہیں اور ہمارا بچہ ابراہیم بھی آزاد ماں کا بچہ ہے۔ وہ دونوں غلام نہیں بنائے جا سکتے۔ اس کے علاوہ آپ نے فرمایا کہ میں کسی کو اپنا خلیفہ نہ بناؤں گا۔ ابراہیم تو ننھا بچہ ہے۔ وہ کہاں امورِ سیاست کو سنبھال سکے گا۔ البتہ میرے بعد جو کوئی حکومت و خلافت کا اہل ہو گا وہ خلیفہ ہو جائے گا۔ یہ سن کر انہوں نے فوراً یہ بات بی بی حفصہؓ تک پہونچا دی۔ بات ادھوری تھی۔ انھوں نے پھر پریشان کرنا شروع کیا کہ صاف اعلان ہونا چاہیئے، کہ کون خلیفہ ہوگا، اور ابراہیم ہرگز نہ ہوگا۔ اس پر سورہ تحریم نازل ہوئی اور آپ نے جس حلال چیز کو حرام کرنے کا عہد کیا تھا۔ یعنی اپنی خلافت کے بارے میں رائے نہ دینے کا جو عہد کیا تھا اسے خدا کے حکم سے توڑ دیا اور کفار و منافقین پر غصہ کا اظہار کیا اور عورتوں کو بعض معاملات میں اپنی حد سے بڑھنے کی ممانعت کر دی۔ (سورہ تحریم)

غزوہ تبوک (رجب ۹ھ ۱۴ اکتوبر ۶۳۰ء) رومی فتوحات کی وجہ سے شمالی عرب کے نصرانی قبائل کی ہمتیں بڑھ رہی تھیں۔ وہ مؤتہ میں مسلمانوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر چکے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان کو ایک سبق دے دیا جائے۔ مدینہ میں آنے کے بعد گرد آوری اور گشت کے لئے مہاجروں کی چھوٹی چھوٹی مہمیں روانہ کی گئی تھیں۔ اب مقابلہ ایک زبردست سامراج سے تھا۔ اس لئے مؤتہ میں ایک خاصی بڑی مہم بھیجی گئی تھی۔ جو ناکام رہی۔ وہاں مقابلے میں لاکھ

آدمی آگئے رکھتے ۔ اس لئے اس مرتبہ خود آنحضرتؐ نے بدر کی طرح قیادت کی ۔ اور فوجی چندہ شروع کیا ۔ دور کا سفر اور بڑی فوج کا خرچ ، عرب کی معمولی لڑائیوں سے بہت زیادہ تھا ۔ لیکن منافقوں نے چندہ دینے سے انکار کر دیا ۔ اور چونکہ کھجور کی فصل کے فروخت کا زمانہ تھا اس لئے موسم کی شدت کا بہانہ کر کے بہت سے منافقوں نے جانے سے انکار کر دیا ۔ قرآن نے بتایا کہ طمع مال ہی نے پچھلی قوموں کو تباہ کیا ہے ۔ لہٰذا ان منافقوں کو خدا بھی معاف نہ کرے گا ۔ یہ خود چندہ نہیں دیتے اور اس پر طرہ یہ کہ جو مومن چندہ دیتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں ۔ (توبہ ۸ ـ ۹)

غرضکہ آپؐ تیس ہزار پیدل اور دس ہزار سواروں کے ساتھ دمشق کے قریب تبوک تک گئے ۔ ہرقل حمص میں تھا ۔ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ مقابلہ کرے ۔ آپؐ وہاں ایک ماہ تک مقیم رہے ۔ وہاں سے کئی چھوٹی چھوٹی مہمیں روانہ کیں ۔ اور کئی نصرانی رئیس مطیع ہو کر جزیہ دینے لگے ۔ اس غزوہ سے یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں کو باقاعدہ فوجی تربیت اور اطاعت امیر کا سبق مل گیا ۔

واپسی پر منافقوں کو سنا دیا گیا کہ وہ جہنمی ہیں ۔ اور آئندہ یہ ساتھ جانا چاہیں تو بھی انہیں ساتھ نہ لیا جائے ۔ البتہ بیمار رد کمزور مستثنیٰ ہیں (توبہ ۱۱ ـ ۱۲) منافقوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ رسول کو صرف اللہ کی مدد کا بھروسہ ہے (توبہ ۱۶)

ونود ثقیف اور ان کا جہاد و انفاق سے استثنا ر

اب طائف کے بنو ثقیف نے بھی مخالفت ترک کر دی اور اطاعت پر اس شرط پر تیار ہوئے کہ لات دیوی کو ہم خود نہ توڑیں گے

اور نماز معاف کردی جائے اور جہاد و انفاق سے معذور سمجھا جائے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ لات دیوی کو تو ہمارا کوئی آدمی توڑ دے گا۔ لیکن وہ دین ہی کیا جس میں نماز نہ ہو اور خدا سے مدد نہ مانگی جائے۔ البتہ جہاد و انفاق سے اس وقت تک مستثنیٰ کیا جاتا ہے جب تک ان کی خوبیاں اہل طائف پر واضح نہ ہو جائیں۔ پھر تو وہ خود سابقت کریں گے۔

وفات ابراہیمؓ بن محمدؐ ۲۹ شوال ۹ھ (۲۸ جنوری ۶۳۲ء) کو سورج گہن تھا۔ اسی روز ننھے ابراہیمؓ کی وفات ہوئی۔ ان کی عمر سترہ اٹھارہ مہینے کی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ نبی کے بیٹے کی وفات سے سورج میں گہن لگا ہے۔ آپ نے اس توہم پرستی کی فوراً تردید کی اور فرمایا کہ یہ چاند سورج خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے جینے سے ان میں گہن نہیں لگتا۔ آپؐ کو اور (سوائے حضرت عائشہؓ کے) سب مسلمانوں کو اس بچے کی موت پر سخت رنج ہوا۔ وفات ابراہیمؓ کے بعد ولی عہدی کا معاملہ بھی ختم ہو گیا۔ اور منافق پھر خلافت کے معاملے پہ دوسرے نقطۂ نظر سے غور کرنے لگے۔

حجۃ الاسلام ۹ھ گذشتہ سال مومنوں اور مشرکوں نے مخلوط حج کیا تھا۔ اس سال یہ حج خالص اسلامی طریقے سے کیا گیا اور مشرکوں کو مشرکانہ رسمیں ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ امیر حج حضرت ابوبکرؓ تھے۔ اور سورۃ برأت کا پیغام سنانے والے حضرت علیؓ تھے اس ضمن میں یہ اعلان کیا گیا کہ:۔

قرآن کی عالمی سیاست (۱) چار مہینے کے بعد ان مشرکوں سے جنہوں نے بارہا معاہدے کئے اور توڑے اب کوئی حلف

باقی نہ رہے گا، نہ نیا معاہدہ کیا جائے گا۔ ہاں جو لوگ (بنو ضمرہ، بنو مدلج اور بنو کنانہ کی طرح) سچائی سے اپنے معاہدوں پر قائم رہے اُن کے ساتھ معاہدہ باقی رہے گا۔ اور جب مدت معاہدہ ختم ہو گی تب معاہدہ پر نظر ثانی ہو سکے گی۔ اس لئے کہ اللہ کے نزدیک عہد شکنی بہت بڑا گناہ ہے۔

(۲) جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں وہی اللہ کی عبادت گاہوں میں عبادت کر سکیں گے۔ بت پرستوں کو ان عبادت گاہوں سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہ لوگ حج کے میلے میں بھی نہ آسکیں گے۔ مسلمانوں کو مطمئن رہنا چاہئے کہ ان کے بغیر بھی تجارت خوب چمکے گی۔

(۳) جو اہل کتاب ہیں اُن سے ٹیکس لیا جائے گا اور ان کی جان مال آبرو کی حفاظت کی جائے گی۔ اس لئے کہ وہ اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کے قوانین کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اپنے مذہبی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گے۔ اگرچہ وہ سخت غلطی کر رہے ہیں کہ اپنے بزرگوں یا پروہتوں کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور ان کی پرستش کر کے انسانی وقار اور آزادئ ضمیر کو خاک میں ملاتے ہیں، اس کے علاوہ جو بھی سود کھا کر لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ وہ جہنم میں جائیں گے۔ (یعنی دولت اسلامیہ میں نہ سودی کاروبار کی اجازت ہوگی۔ اور نہ لوگ طمع مال کی وجہ سے کنجوس بن سکیں گے)۔ (سورہ توبہ) مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سورہ مسلمانوں کی قومی سیاست کا سنگ میل ہے۔

(۴) سال کے ۱۲ مہینے ہونگے۔ لوند کا مہینہ بڑھایا جائے گا لیکن حج مستقل ہمیشہ میں ہوگا (یعنی سوہی جنتری کی پڑتال کہ

عام الوداع سنہ ۱۰ ھ

اس سال دو اہم کام ہوئے (۱) تدوین قرآن اور (۲) حج کے موقع پر دنیا کو امن و ترقی کا پیغام۔

تدوین سور قرآنیہ یوں تو ہر سال فرشتہ، وحی کے ذریعہ سے آپؐ خاص طور پر رمضان کے مہینے میں قرآنی تعلیمات کو دہرالیا کرتے تھے۔ لیکن ۱۰ھ کے رمضان میں آپ کو عام مجاہدانہ سرگرمیوں سے بڑی حد تک فرصت مل گئی تھی۔ اس لئے آپؐ نے دو مرتبہ پورے قرآن کو دہرایا۔ اور مختلف سورتوں (ابواب) میں قرآن کے مختلف زمانوں کی تعلیمات کو مرتب کیا۔ اور جہاں ایک سورہ کو دوسری سے الگ کیا وہاں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اضافہ کیا۔ لیکن خود مختلف سورتوں کی کوئی ترتیب مقرر نہیں کی۔ جو لوگ ساتھ تھے یعنی اس پوری تبلیغی زندگی میں ساتھ رہ چکے تھے وہ جانتے تھے کہ کون کون سی تعلیمات کس کس زمانے کی ہیں اور کیوں نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد بائیس سال تک مختلف لوگوں کے پاس مختلف ترتیب سور کے ساتھ پورا قرآن رہا۔ لیکن شام میں اسلام پہونچا تو یہ ضرورت پیش آئی کہ اس کی سورتیں بھی ایک خاص ترتیب سے مرتب کردی جائیں۔ اس وقت حضرت عثمان نے ۳۳ھ میں بعض صحابہ کے مشورہ سے موجودہ ترتیب سور کردی۔ اگرچہ بعض اہل صحابہ نے اپنی اپنی ترتیبوں کو باقی رکھنے پر اصرار کیا۔ حضرت علیؓ اور چند اور مشہور صحابیوں کے پاس جو قرآن تھے اُن میں سورتوں کو تاریخی ترتیب یا ترتیب تنزیل کے ساتھ بھی جمع کیا گیا تھا۔

حجۃ الوداع ۱۰ھ کے حج کے دوسرے سال آنحضرتؐ کی وفات ہوگئی۔ اس لئے اسے وداعی حج کہتے ہیں۔ یہ حج اکبر تھا یعنی وہ بڑا حج جو اعتدال ربیع رحلۃ الصیف یا گرمی کے سفر کے موقع پر ہوا کرتا تھا۔ یعنی موسم بہار کے بعد جب ۲۱ مارچ کو دن رات برابر ہوتے

ہیں اور موسم معتدل ہوتا ہے اس وقت یہ حج کا مہینہ ۲۰ رفروری سے ۲۰ر مارچ ۶۳۲ء تک رہا تھا۔ اور آپ نے فراست نبوی سے یہ بتا دیا تھا کہ آجکل دن رات برابر ہیں۔ اور یہ وہی زمانہ ہے جب پہلا حج ابراہیمیؑ تھا۔ اسی سال آپؐ نے قرآنی حکم کے مطابق مہینوں کی بنی یعنی گھٹانے بڑھانے کی رسم منسوخ کی۔ غالباً آپ یہ چاہتے تھے کہ شمسی سال (مثل رومیوں دمجوسیوں کے) رائج ہو جائے۔ اور قریشیوں کو اپنی کارستانی کا موقع نہ ملے بلکہ مہینے بارہ ہی رہیں اور اعتدال ربیعی کے وقت حج ہوا کرے تاکہ گرمی یا بہار کا تجارتی سفر ہو سکے اور لوگ ایران و شام کے نوروزی میلوں سے فائدہ اٹھا سکیں (دیکھیے سورہ قریش) مگر آئندہ سال آپؐ کی وفات کی وجہ سے اس حکم کی عملی تشریح نہ ہو سکی۔ جو نسئی (نا سئی الشہور) تو ختم ہو گئے۔ لیکن سال بجائے شمسی ہونے کے قمری ہو گیا۔ آخرکار مجبوراً لوگوں نے دینی سال کو فصلی سال سے جو سیاسی و تجارتی سال ہوتا ہے الگ کر لیا۔ اب مسلمانوں کا دین و سیاست الگ الگ دھاروں میں بہنے پر مجبور ہوا۔ اور حج کی ایک اہم غایت یعنی تجارت اور عالمی میل جول ختم ہو گیا۔

اسلام کی دولی یا عالمی سیاست

اگر سورہ توبہ کو مسلمانوں کی قومی سیاست کا سنگ میل کہا جا سکتا ہے تو سورۃ المائدہ ان کی عالمی (بین المللی) سیاست کا سنگ میل ہے۔ آنحضرتؐ کے روانگی حج کے زمانے میں یہ سورت نازل ہو رہی تھی۔ خلاصہ یہ ہے:-

(۱) مشرکوں تک سے وفائے عہد کرو — وہ سب مشرک واجب القتال ہیں کہ جنھوں نے بدعہدی کی

ہے اُن سے ضرور لڑو۔ لیکن جنھوں نے نہیں کی ان سے عہد پورا کرو۔ بدعہدی نہایت ہی ذلیل بات ہے

الاسلام | سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو۔ اُسی کے بندے ہونے کا اعلان کرو۔ یہی الاسلام ہے۔

(۲) اہل کتاب سے دوستی پیدا کرو | اہل کتاب (یہود۔ نصاری مجوس۔ صابی وغیرہ) میں بہت سے اچھے دیندار خداپرست لوگ ہیں اور اپنے مذہب کی سچی تعلیم (توحید والبعث بعد الموت) کو مانتے ہیں۔ ان سے دوستانہ تعلقات پیدا کرو۔ ان کے ساتھ کھاؤ پیو۔ ان کی عورتوں سے نکاح کرو (یعنی چھوت چھات نہ برتو۔ نہ انھیں ذلیل سمجھو) دشمن کے ساتھ بھی (خواہ وہ یہود و مشرک کیوں نہ ہوں) انصاف کو ہاتھ سے نہ دو۔ بلکہ ان کی پچھلی حرکتوں کو معاف کرو اللہ کو معاف کرنا اور احسان کرنا بہت پسند ہے۔

نصاری یہود سے بہتر ہیں | یہود خدا کے احکام میں تحریف کرتے ہیں اور ایک احبار کی جماعت بن گئی ہے جو فرقہ پرستی پر زندہ ہے۔ نصاری اتنے بے وقوف ہیں کہ عیسٰی کو ابن اللہ سمجھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ خود حضرت عیسیٰؑ کے حواری بھی سادہ لوح تھے وہ ان سے کہتے تھے خدا سے دعا کرو کہ آسمان سے ہمارے کھانے کا خوان آجایا کرے (بھلا ایسے لوگ عیسٰی کو جو نہ سمجھیں وہ تھوڑا ہے) بہرحال یہود سود خوار اور خودغرض ہونے کی وجہ سے کنجوس ہو گئے ہیں اس لئے اُن کے مقابلے میں نصاری زیادہ محبتی ہیں۔

خطبۂ حج اور دنیا کو بھوک اور خوف سے بچانے کا پیغام

چونکہ سنہ ۱۰ھ کے حج میں

آپ خود تشریف لائے تھے۔ اور عرب کی کشمکش ختم ہونے کے بعد ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔ اس لئے میدان عرفات میں ایک لاکھ ۲۴ ہزار انسان کا مجمع تھا۔ حج مکہ میں نہیں ہوتا۔ نہ کعبہ کی زیارت و طواف کا نام حج ہے۔ بلکہ حج میدان عرفات میں ہوتا ہے۔ جو مکہ سے تیرہ چودہ میل کے فاصلہ پر ہے یہ پتھریلا ریگستان ہے اور اس کے ایک طرف ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔ ۹۔ ذی الحجہ کو یہاں حج کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اور امیر المومنین یا اس کا کوئی نائب یہاں عالمی سیاست اسلام پر تبصرہ کرنے کے بعد آیندہ کا پروگرام بتاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ کا پہلا اور آخری خطبہ دنیا کے لئے ایک دائمی مشعل راہ ہے۔

آپؐ اونٹنی پر سوار تھے۔ اور ہزارہا آدمی ہمہ تن گوش تھے۔ اتنے میں آپ کی نظر مکہ کے سب سے بڑے کافر امیہ بن خلف کے بیٹے ربیعہؓ پر پڑی۔ وہ بہت بلند آواز تھے محسن المفتوحین تا رسول اللہ الی العالمین نے انھیں قریب بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ میں کہتا جاؤں تم بلند آواز سے دہراتے جاؤ۔ اب آپؐ نے نہایت شان بلاغت سے فرمایا۔

"لوگو یہ کونسا مہینہ ہے؟" جواب ملا شہر الحرام

"لوگو یہ کونسی جگہ ہے؟" جواب ملا بلد الحرام

"پھر آپ نے پوچھا کونسا دن ہے؟" لوگوں نے کہا حج اکبر کا دن'

اس پر آپؐ نے فرمایا:۔ لوگو آج سے

۱۔ قصاص۔ سرقہ۔ تہمت وغیرہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح

اس مہینہ ، اس دن اور اس سرزمین میں قتل وغارت گری قدیم زمانے سے حرام ہے ۔ آج سب پرانے جھگڑے ختم کیے جاتے ہیں اور تم سب بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے کے دوست قرار پاتے ہو ۔

۲۔ بے محنت کے مال کھانا حرام ہے سود ۔ جوا ۔ لوٹ مار اور اسی قسم کے باطل طریقے (اکل مال بالباطل) حرام ہیں۔ اب کوئی مالدار کسی غریب کو سودی قرض دے کر اپنا غلام نہ بنا سکے گا ۔

۳۔ نخوت جاھلیہ و افتخار نسل و رنگ ختم کیا جاتا ہے یاد رکھو تم سب آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے برابر ہو ۔ وہ محض مٹی کے بنے ہوئے تھے ۔ پھر یہ غرور کیسا کہ میں فلاں قوم یا فلاں نسل سے ہوں ! (یعنی جو مالدار اپنی دولت کو ، یا ساحر و کاہن اپنے شیطانی علم کو ۔ یا پروہت اپنے دھوکا دینے کے علم کو ۔ اپنے اپنے تفوق کا آلہ بنائے ہوئے ہیں ۔ وہ آج سے ختم کیے جاتے ہیں) اب جو تیشی بھینوں کو بنی نہ کر سکیں گے ۔ نہ اللہ سے دعا مانگتے وقت پروہتوں کی ضرورت ہوگی ۔ آج تم آزاد ہو ۔ یاد رکھو کہ کسی پروہت کی شفاعت کو قبول کرنا اپنی عقل سے ہاتھ دھونا ہے ۔ تمہاری عقل آزاد ہے تم صرف کتاب اللہ کے پابند ہو ۔

۴۔ خطاکار ہی سزا پانے کا مستحق ہے ، اب قصاص کا یہ طریقہ بند کیا جاتا ہے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے جس شخص کو چاہے قصاص میں قتل کر ڈالے ۔ یا ایک قوم کسی دوسری قوم کے چند افراد کی وجہ سے پوری قوم کو تباہ کر ڈالے ۔ یا کسی

کے گناہ کے عوض میں دوسرے شخص کو بطور کفارہ کے پیش کیا جاسکے۔ یہ باتیں عقل کے خلاف ہیں۔ (حضرت مسیحؑ کسی دوسرے کا گناہ اپنے اوپر اٹھا کر اسے جرم سے پاک نہیں کر سکتے بلکہ اگر کسی نے خطا کی ہو تو وہی سزا کا مستحق ہے۔)

۵۔ غلاموں کی آزادی یا مساوات ضروری ہے

مسلمانو! ارقاء کم ارقاء کم اپنے غلاموں کو وقت دو کہ وہ دوسری جگہ کام کر کے اپنی قیمت تمہیں ادا کردیں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو اپنی خطاؤں اور گناہوں کو خدا سے معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ غلاموں کو آزاد کردو۔ اس کے علاوہ جو تم کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ جو تم پہنو انھیں پہناؤ۔ اور ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو۔ باندیوں کے بچے ہوتے ہی وہ آزاد سمجھی جائیں گی اس لئے کہ کوئی بچہ غلام پیدا ہی نہیں ہوتا (اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دنیا کا بدترین ظلم بند ہوگیا۔ یعنی اب غلام فروش یہ نہیں کر سکتے تھے کہ بچے کو کسی کے ہاتھ فروخت کریں۔ اور ماں کو کسی دوسرے ملک والے کے ہاتھ بیچ ڈالیں اور بیچاری ملتا کی ماری ماں اُف بھی نہ کرسکے۔ آج سے ہر بچے والی باندی بچے سمیت آزاد ہے)

۶۔ غلام بھی امیر المومنین بن سکتا ہے

مسلمانو! جب کوئی غلام تم پر امیر بنا دیا جائے تو یاد رکھو کہ خدا کے سامنے آزاد و غلام سب برابر ہیں تمہارا فرض ہے کہ جب تک وہ کتاب اللہ پر چلے تم اس کی اطاعت کرو۔

۷۔ عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں

ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ دونوں

کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں لیکن عورت کا مزید حق یہ ہے کہ وہ شوہر سے اور دستور کے مطابق کھانا کپڑا اور ضروری اخراجات بھی شوہر سے لے۔

۸۔ جہاد برائے ترقی حزب اللہ | اللہ والوں کے گروہ کو ترقی دینے کی کوشش کا نام

جہاد فی سبیل اللہ ہے، یہ تمام دولتوں سے بہتر ہے"۔ (حزب شیطان کو نیچا دکھانا ہر اللہ والے کا فرض ہے)

آخر میں آپؐ نے فرمایا کہ ہر حاضر کا فرض ہے کہ وہ غائب کو میرا یہ پیغام پہونچا دے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ ان کے مطالب کو بہتر طریقہ پر سمجھ کر عملی جامہ پہنا سکے۔

عام الحزن یا عام الوفات ۱۱ھ | مدینہ سے واپس ہوتے ہوئے آپؐ

نے خم کے تالاب پر ایک خطبہ دیا۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ مسلمانوں میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک تو کتاب اللہ اور دوسرے اہل بیت جو ان دونوں کو مضبوط پکڑے گا وہ نجات پائے گا جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کے مولا ہیں۔ اس کا دوست میرا دوست، اس کا دشمن میرا دشمن ہوگا"۔

قرآن کی آخری تنزیل: البقرہ ۲۸۰ | سورہ بقرہ کی آخری تین

آیتیں نہایت جامع دعا کی شان رکھتی ہیں۔

(۱) اللہ بادشاہ ہے۔ عالم الغیب ہے۔ قادر مطلق ہے۔

(۲) کل نبیوں کا ایک ہی پیغام ہے کہ انسان مجبور اور اللہ مختار ہے پھر بھی اس نے ہمیں نیک و بد میں تمیز کرنے کی عقل اور اختیار دیا ہے۔ لہٰذا جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ نیک عملی ہی میں نجات ہے۔

(۳) بھول چوک میں خدا سے معافی مانگتے رہو اور کہتے رہو کہ ہم پر عمل کا اتنا بوجھ نہ ڈال جو ہماری طاقت سے باہر ہو۔ خدایا تو ہمارا آقا ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔"

سریہ اُسامہؓ بن زیدؓ: مساوات کا شاندار مظاہرہ ۲۷ صفر ۱۱ھ

(۲۴ مئی ۶۳۲ء) کا دن آزادی و مساوات کی تاریخ کا شاندار دن ہے۔ اس روز محسنؐ المفتوحین و رحمۃؐ للعالمین نے اپنے اہل بیت کے ایک آزاد کردہ غلام بن غلام کو بلایا۔ یہ حضرت اُسامہ تھے۔ ان کی ماں حضرت اُم ایمن تھیں جنھوں نے باندی کی حیثیت سے آپؐ کی بچپن میں خدمت کی تھی۔ ان کے باپ حضرت زیدؓ بن حارثہ تھے جن سے آنحضرتؐ کی پھوپھی زاد بہن کسی طرح بحیثیت بیوی کے نباہ نہ کر سکی تھیں۔ آج یہ اٹھارہ سال کا نوجوان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور آنحضرتؐ حکم دیتے ہیں کہ تم ایک فوج لے کر شام کی طرف جاؤ۔ اور جن لوگوں نے تمہارے والد کو شہید کیا ہے انھیں بتا دو کہ جب تک وہ دولت کتاب کی اطاعت قبول نہ کریں گے۔ انھیں پناہ نہیں ملے گی۔ آنحضرتؐ کی مساوات کی تعلیم اور حجۃ الوداع کے خطبہ کے الفاظ مسلمانوں کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ جتنے معزز ترین افراد تھے۔ خواہ وہ مہاجر تھے یا انصار سب نے اُسامہؓ کی امارت کے آگے

بے چون وچرا گردن جھکا دی۔ البتہ بعض منافقوں نے اسے پسند نہیں کیا اور کہا کہ اس لڑکے کے باپ کو بھی بیسیوں مرتبہ آپؐ سردار بنا چکے ہیں۔

خود آنحضرتؐ کو وہ بیماری شروع ہو چکی تھی جس میں آپؐ کی وفات ہوئی۔ پھر بھی آپؐ فوجی فرودگاہ میں مدینہ سے باہر تشریف لائے۔ اپنے ہاتھ سے جھنڈا باندھ کر اسامہؓ کو دیا۔ اور رخصت کرتے وقت فرمایا کہ "اغز علی برکۃ اللہ" (اللہ کی برکت پر بھروسہ کر کے جنگ کرو)۔ لیکن دوسرے ہی دن آنحضرتؐ کے مرض کی شدت بڑھ گئی۔ اس لئے اسامہ کو رک جانا پڑا۔ آخر بعد وفات، اگرچہ پورے عرب میں ارتداد کا ہنگامہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسامہؓ کی فوج کو یکم ربیع الآخر ۱۱ھ کو روانہ کر ہی دیا۔ اور بفضلہ یہ فوج سالم وغانم واپس آئی اور مرتدوں پر بھی رعب جم گیا کہ اگر دولت مدینہ کمزور ہوتی تو اتنی بڑی فوج باہر کیوں بھیجی جاتی۔

وفات سید المجاہدینؐ ورحمۃ للعالمینؐ

سہ شنبہ ۲۹ صفر ۱۱ھ (۲۶ مئی ۶۳۲ء) کو

آنحضرتؐ کو بخار و دردسر شروع ہوا۔ غالباً یہ میعادی بخار یا ٹائی فائڈ تھا۔ دو ہفتہ آپ بیمار رہے۔ وفات سے پہلے آپ نے جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ نماز اور غلاموں کا خیال رکھنا (اَلصَّلوٰۃ وملکت ایمانکم) ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۸ جون ۶۳۲ء) کو آپؐ نے وفات پائی۔ رنج وغم سے بعض صحابی سکتے میں اور بعض بدحواسی میں مبتلا ہو گئے۔

اسی درمیان میں منافقوں نے انصار سے خلافت رسول اللہ کا جھگڑا شروع کرا دیا، جو مہاجرین نے رفع دفع کیا اور وفات کے تیس گھنٹے بعد ۱۳ ربیع الاول

یوم سہ شنبہ کو حضرت عائشہ رضؓ کے مکان ہی میں آپؐ کا جسم اطہر سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ ہ

حرف آخر

سیرت نبویؐ کا دنیا کو پیغام

آن قوم کہ در عشق وولا پیوستند = بر جود در تنزد یر وریا در بستند
در زاویہ صدق وصفا بنشستند = وز کشمکش حرص وہوا وارستند

(جامی ؒ)

اگر کوئی پوچھے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو کیا ئی بات سکھائی تو اس کا جواب سیرۃ نبوی کو قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھنے سے مل جائے گا۔ چونکہ اس ہزار ڈیڑھ ہزار سال میں بہت سی اصطلاحات قرآنی اپنے اصلی مفہوم کو بدل چکی ہیں اس لئے اکثر اس زمانے کے سیدھے اور صاف بیانات پر موجودہ تصورات کے پردے پڑ جاتے ہیں۔ اور جو باتیں منکرین تک کے لئے صاف اور واضح تھیں وہ مومنین کے لئے پیچیدہ اور مبہم بن گئی ہیں۔ مثال کے طور پر خدا اور بعث بعد الموت کے تصورات اور اس سے متعلقہ مسائل اتنے الجھ گئے ہیں کہ قرآن کو بار بار ترتیب نزول کے مطابق پڑھے بغیر چارہ نہیں۔

وحی آنے سے پہلے خود آنحضرت شک کی حالت میں تھے۔ اور انھیں اس یقین کا درجہ حاصل نہ ہوا تھا جس کی طرف وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (تو عالم مذبذب میں تھا پھر خدا نے تجھے یقین کے راستے پر ڈال دیا۔ والضحیٰ) میں اشارہ ہے۔ آنحضرت ۴۰ سال کی عمر تک مختلف قوموں میں بحیثیت تاجر کے پھر چکے تھے۔ اس کے علاوہ خود مکہ وہ مرکزی تجارت گاہ تھا جہاں دُور دُور کے تاجر ال میں دو میلوں (حجوں) کے موقع پر یعنی ذی الحجہ اور رجب میں اعتدال شمسی کے موقع پر آیا کرتے تھے۔ دنیا بھر میں نوروز اور نیم بہروز (ہولی دسہرہ) میلے ہوتے تھے۔ اور ایک جگہ کے تصورات دوسرے ملک تک مکہ کی دماغی وذہنی منڈی سے پہونچتے رہتے تھے۔

یہاں آپ نے خدا پرستوں کو بھی پایا۔ مادہ پرستوں کو بھی دیکھا کئی خداؤں کو ماننے والوں، اور دو خداؤں والوں کو بھی دیکھا۔ اور ایسے لوگوں کو بھی پرکھا جو دیوتاؤں اور شیطانوں کو اپنے ہاتھ سے بناتے اور ان کے آگے جھکتے تھے۔ اور ان سے مرادیں مانگتے تھے۔ بہرحال آپ کو یقین کامل ہوگیا کہ یہ دنیا اور اس کی بہترین مخلوق یعنی انسان بلاوجہ بغیر کسی مقصد کے پیدا نہیں کی گئی۔ اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ اور اس مقصد و غایت کے پیچھے کوئی زبردست ارادہ کارفرما ہے۔ وہ اس دنیا کو اور اس کے صاحب شعور باشندے یعنی انسان کو بتدریج ترقی کے زینے پر لے جارہا ہے (وللآخرۃ خیرٌ لك من الاولیٰ۔ والضحیٰ)

آپ نے یہ بھی محسوس کیا کہ دنیا میں ہمیشہ ایسے مصلح پیدا ہوتے رہے ہیں جو بھولے بھٹکے ہوؤں کو مقصد تخلیق عالم کے مطابق عمل کرنے کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ ان

ہادیوں کی ہمیشہ ایک قابو یافتہ اور اولی النعمہ جماعت تکذیب کرتی رہی ہے۔ اور ظلم کو مٹا کر اعتدال کے راستے پر لانے کی ہر کوشش کی مخالفت کرتی رہی ہے، یہ جماعت لوگوں کے ذہنوں کو ماؤف کر کے ان کو اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ اور جو کچھ بھی علوم اسے معلوم ہوتے ہیں اُن کو راز میں رکھتی ہے پھر ان کے ذریعے سے اپنے پرچنے والوں کی محنت، دولت اور دل ودماغ پر قبضہ کر لیتی ہے۔ کوئی پروہت بن جاتا ہے اور پروہتی سے لوگوں کو فریب دیتا ہے۔ کوئی ساحر یا کاہن بن کر بیماریوں کو دور کرتا ہے اور شیطانوں کو خوش کرنے کے لئے قربانی اور نذرانے وصول کرتا ہے۔ کوئی شاعر بن کر ان دیوتاؤں اور شیطانوں کی طاقت اور عزت کی تعریفیں کرتا ہے۔ اور جوتشی بن کر قسمت کا حال بتاتا ہے۔ لیکن پروہت ہو یا کاہن، ساحر ہو یا شاعر، سب اپنے ذریعۂ علم اور علم دونوں کو راز میں رکھتے ہیں۔ اور فریب سے لوگوں کی دولت اور عقل پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے یہ طے کر لیا کہ عقل وعمل کے ان دشمنوں کو راہ راست پر لایا جائے اور اگر وہ خودغرضی اور جاہ طلبی کو نہ چھوڑ سکیں۔ تو سوسائٹی کی ایسی قلب ماہیت کر دی جائے جس میں ہر شخص ان لوگوں سے بے نیاز ہو کر خود اپنا رہبر بن جائے اور یہ طاغوتی جماعت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور دنیا میں ایسا اقتصادی نظام قائم کر دیا جائے جہاں خودغرضی اور فریب کاری کی جگہ ہی نہ رہے۔ یہ بات صرف اس صورت میں ممکن تھی کہ دنیا میں ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا بھائی سمجھنے لگے۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ خدا کا ایک عالمگیر تصور پیدا ہو۔ لہٰذا آپؐ نے وحی ربانی سے کام شروع کر دیا اور لوگوں کو دو باتیں بتائیں (۱) خدا سب کا خدا ہے، وہ اکرم ہے، اور وہی علم دیتا ہے۔ لہٰذا غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دو۔ علوم کو راز میں نہ رکھو بلکہ اسے

ہر شخص کے لئے خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔ ایک فریضہ بنا دو تاکہ تنقید کی روشنی میں علمی معلومات نکھر کر ترقی کر سکے۔ اور (۲) یہ یقین رکھو کہ عمل کی جزا ملے گی۔ اچھا کام کرو گے تو اچھا پھل پاؤ گے۔ برا کام کرو گے تو اس کا برا نتیجہ بھگتو گے۔ اگر اس زندگی میں جزا نہ ملی تو مرنے کے بعد پھر پیدا کئے جاؤ گے اور اچھی یا بری جزا ضرور پاؤ گے۔ یہ تصور بہت سی قوموں میں (سوائے توراۃ اور منکرین خدا کے) کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ اور کردار و عمل انسانی کا اسی پر دارومدار تھا۔ اگر اسے نہ مانا جائے تو انسانی سوسائٹی میں نہ تو نظم باقی رہ سکتا ہے۔ نہ ہمارا منطق تحقیق و تجربہ کا بنیادی پتھر "سلسلۂ علت و معلول" ہی باقی رہ سکتا ہے۔ بہرحال ان دو تصورات کو عام کرنے کے بعد آپ نے انسانی معاشرہ کا ایسا اخلاقی و اقتصادی ڈھانچہ بنا دیا کہ ہر شخص مجبوراً ایثار پیشہ اور خدا پرست یعنی نیک عمل بن گیا۔

منکروں سے خطاب

آپ نے منکرین خدا اور منکرین بعث بعد الموت کو بتایا کہ جب تم خود مصیبت میں (سمندر وغیرہ میں) ہوتے ہو تو امداد کے لئے سہارا ڈھونڈتے ہو۔ اور اللہ کو پکارتے ہو۔ بہرحال شک اور تذبذب سے خوف اور حزن پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ کسی کام کی جزا و سزا نہیں ہے تو کیوں ظلم و دکھ کو دور رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔ خوف اور دکھ کو دور رکھنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ کائنات پر نظر ڈالو۔ دیکھو خدا کا قانون ذرہ ذرہ سے نمایاں ہے۔ کوئی معلول بغیر علت کے نہیں ہوتا۔ کوئی پرندہ ہوا میں اور کوئی کشتی سمندر میں۔ کوئی ستارہ آسمان پر اور کوئی ذرہ زمین پر اللہ کے قانون سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ طوعاً و کرہاً ہر چیز قانون الٰہی کی پابند ہے۔ لہذا شک و خوف اور دکھ سے نکل کر خدا کو مان لو اور یقین۔ امن و راحت کی دنیا میں زندگی بسر کرو۔ یہاں کوئی پروہت یا ساحر تمہاری عقل کی روشنی کو نہ بجھائے گا۔

اور کوئی کاہن یا شاعر تمھیں مجبور نہ بنا سکے گا۔ تمہاری عقل اس آقا (رب) کی عطا کی ہوئی روشنی ہے جس نے تمھیں ایسے مقصد کے لیے بنایا ہے، جس میں تم جانوروں سے ممتاز ہو کر ترقی کے راستے پر چل سکو۔ لہٰذا یہ دعا کرتے رہو کہ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا (اے میرے آقا میرا علم بڑھاتا رہ۔) ابھی تم ناچیز ہو۔ ایک زمانہ آئے گا کہ تم پر حقائق کی روشنی بقدر استعداد طلوع کرے گی۔

مشرک بت پرستوں سے

تم انسانی شرف و وقار کو کھوتے ہو اور برہمنوں کے فریب میں آکر ایسی مورتوں کے آگے سجدہ کرتے جو اس سجدہ کو نہیں دیکھتا۔ اس کو پکارتے ہو۔ اور مرادیں مانگتے ہو۔ لیکن وہ نہیں سنتا۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ اُس رب (آقا) سے مانگو۔ جو سمیع بھی ہے اور بصیر بھی جو پکارنے والے کی پکار سنتا ہے اور اس کو ہدایت کے راستے پر ڈالتا ہے۔ وہ رب نہایت ہی کریم ہے، وہ کوئی قربانی یا نذر نہیں مانگتا، وہ بے طلب دیتا ہے۔ اس کا کوئی شریک و سہیم بنانا، اُس کی توہین ہے

نصاریٰ سے

دیکھو خدا تو حی و قیوم (زندہ و قائم ہے) کیا یہ بے عقلی نہیں کہ تم مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مریم کو خدا کی ماں کہتے ہو۔ کہیں خدا کو موت آتی ہے! وہ تو ایسا ہے کہ اُسے موت تو کیا نیند اور غنودگی تک نہیں آتی لہٰذا اُس میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اور یہ نہ سمجھو کہ وہ ظالم ہے اور اپنے بے گناہ بیٹے کو قتل کر کے وہ آدم کے گناہ کی آلائش سے تمھیں پاک کر سکتا ہے وہ غفور ہے۔ وہ رحیم ہے۔ وہ کسی کے گناہ کا بوجھ دوسرے پر نہیں ڈالتا۔ نہ کسی کو قتل کر کے دوسرے کا کفارہ بناتا ہے (لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) (ایک آدمی کا بوجھ دوسرا کیسے اٹھا سکتا ہے) خبردار شرک اور کفارہ کا تصور خدا سے وابستہ نہ کرو اس میں اُس کے علوئے مرتبت کی توہین ہے۔ وہ اللہ پاک ہے وہ سب مخلوقات سے

سے بڑا ہے۔ سبحان اللہ۔ اللہ اکبر

یہود سے | تم لوگ توراۃ کو محرف کر چکے۔ اُس میں سے بعث بعد الموت کے تصور ہی کو نکال دیا۔ تعجب ہے کہ مصر میں سینکڑوں سال غلام رہنے کے بعد عزیرد (OSIRIS) پرستی تو سیکھ گئے مگر مصریوں سے یہ نہ سیکھے کہ مرنے کے بعد زندگی یقینی ہے۔

پھر ایک عجیب بات کہنے لگے کہ ہم خدا کے مخصوص اور برگزیدہ ہی نہیں بلکہ اس کے بیٹے ہیں۔ اس لئے تم نے اپنا خدا (یہوا یا الوہہ) کو بھی کل کائنات کے خدا سے الگ کر لیا۔ اُسے اپنی قوم یا بارہ قبیلوں کا الگ خدا بنا لیا تم دنیا کے دوسرے خداؤں سے زیادہ طاقتور سمجھتے ہو۔ جو تمہارے لئے دوسری قوموں کو قتل کرتا ہے اور تم کو عزت دینا چاہتا ہے۔ بے وقوفو! خدا سب کا خدا ہے۔ جو یہوا ہے وہی اللہ ہے (الہناو الہکم الہ واحد) لیکن تم جس طرح نسلی طور پر دنیا کے دوسرے لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو۔ اسی طرح اس میں ذلت محسوس کرتے ہو کہ ایک عالمگیر خدا کے تصور کو مانو۔ تم دوسری قوموں کے خدا سے اپنے خدا کو الگ اور بلند تر سمجھتے ہو۔ یہ سخت غلطی بلکہ حماقت ہے۔ اللہ سب کا اللہ ہے۔ جو موسیٰ کا خدا ہے وہی ایک معمولی سامری اور اجنبی قوم کے غلام کا بھی خدا ہے اس لحاظ سے کسی شخص کو خدا کا برگزیدہ بننے کا شرف حاصل نہیں۔ بندہ اور مخلوق ہونے کی حیثیت سے سب آدم کی طرح مٹی کیچڑ سے بنے ہیں۔ شرف و عزت تو اعمال سے ہے۔ نسل سے نہیں ہے۔ خدا کی نظر میں کوئی اس کا بیٹا اور برگزیدہ نہیں (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) تم میں جو زیادہ متقی ہوگا۔ وہی زیادہ معزز ہوگا نسل و رنگ کو بھول جاؤ۔ بعث بعد الموت کو مانو۔ اور صرف ایک کل قوموں کے خدا (رب العالمین) کی پرستش کرو۔

مومنوں سے | غرضکہ جب قوم کی طرف روئے سخن ہوا اُس کے عقائد کی بنیادی

اصلاح کرکے رسول عربیؐ نے اخوت انسانی کا سبق پڑھا دیا اور مومنوں کو وہ سبق دیا کہ آج تک کوئی مصلح یا رہبر، بادشاہ یا جرنیل نہ دے سکا کہ دوسروں کے لئے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالیں۔ اور بے غرضی و ایثار کا نمونہ بن کر بھٹکے ہوؤں کی ہدایت مفلسوں کی تونگری اور بیچاروں کی حمایت کے لئے خوشی خوشی جان دے دینے کا نام جہاد فی سبیل رکھیں۔ یاد رکھیئے کہ جہاد فی سبیل اللہ درحقیقت مظلوموں۔ غلاموں، بے کسوں اور جاہلوں کی حمایت کا نام ہے۔ طمع بلاد، یا صرف کسی ایک جماعت کے اقتدار کے حصول کے لئے جو لوگ جان کھپاتے ہیں وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں بلکہ قتال فی سبیل الطاغوت کرتے ہیں۔ یہ جہاد تو جہاد محبت ہے۔ اپنے بھائی کو دکھ اور جہل سے نکالنے کا نام جہاد ہے، خواہ اس کی کوشش میں اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، یہ جہاد اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے ہوتا ہے اور کلمۃ الشیطان نہیں بلکہ کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ مومن کو مرنے کا خوف نہیں ہوتا۔ نہ اپنے پسماندگان کی اقتصادی و ذہنی بدحالی کا ڈر ہوتا ہے، اس لئے آج تک کوئی ایسی جماعت پیدا نہیں ہوئی جو دوسروں کے لئے اس بے جگری سے جان دینا آسان سمجھے اور خدا کی رضا اور خلق کی خدمت و محبت کو ایک ہی ملنے۔ بقول ابوسعید ابوالخیرؒ سے

تا رونے ترا ندیدم اے شمع طراز + نے کار کنم انہ روزہ دارم نہ نماز
چون باتو بوم مجاز من جملہ نماز + چوں بے تو بوم نماز من جملہ مجاز

مقصدِ اسلام
یعنی جہادِ محبت فی سبیل اللہ۔

اہلِ دل کا متحدہ محاذ

دنیا میں خیر و شر، نور و ظلمت، ایمان و کفر کی کش مکش ہمیشہ سے جاری ہے۔ ہر زمانے میں خود غرض لوگوں کا گروہ ساحر و کاہن بن کر انسانی علم و عقل کا اجارہ دار بنتا رہا ہے اور قومی ترقی سے روک کر تباہی کا باعث ہوتا رہا ہے۔ لیکن ہر زمانے میں خدا پرستوں نے تاریکی و شر پھیلانے والوں کے خلاف آواز بلند کی۔ ان منظم پروہتوں کی جماعت سے شکست بھی کھائی۔ آخر کار وہ زمانہ آیا کہ رسولِ عربی صلعم نے علم و عقل کی روشنی سے شفیعوں کے حجابات دور کر دئے اور پروہت پرستی کو نہ صرف کفر قرار دیا۔ بلکہ ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو کل کتابیوں کا ایک متحدہ محاذ بنا سکے۔ اور دنیا سے شیطان پرستی اور طاغوتی گروہ کا استیصال کر سکے۔ تاکہ علم کسی ایک جماعت کی جاگیر نہ رہے اور عقل کی روشنی سے جو اللہ کا انسان پر سب سے بڑا کرم ہے کوئی انسان محروم نہ رہے۔ اور سب خدا پرستی کے لئے مجبور ہوں اور لحشر کے تصور کو امنی روشنی اور ایمان کو عام کرنے۔ اللہ کا نام بلند کرنے، اور کفر و شیطنت کو ختم کرنے کی کوشش کا نام جہاد ہے۔ اس جہاد میں سب خدا پرستوں کو شریک ہونے کے لئے اسلام کا صلائے عام ہے۔ یہ خدمت محبت بغیر کسی معاوضے یا لالچ کے کرنا ہر اللہ والے کا فرض ہے، یورپ والوں نے جہاد کے جو معنی اپنے پروہتوں سے سنے ہیں وہ سراسر غلط ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ پروٹسٹنٹ اور سوشلسٹ فرقے اسی اسلامی جہاد علم و محبت کا نتیجہ ہیں۔ اور جہاں کہیں بھی پروہتوں اور جہل کے خلاف

آزادانہ الطبعی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے۔ یاد رکھیئے کہ مسلمانوں ہی نے دنیا کو کاغذ دیا ہے اور علم کو عام کیا ہے۔ اس جہاد محبت یا اسلام کے چار بنیادی رکن ہیں:۔

ا۔ نماز (ربنا اللہ یا اعلان مقصد) خدا پر بھروسہ کرنے سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے انسان کے دل سے پرمیتوں کا پیدا کرایا ہوا بتوں اور شیطانوں کا خوف دور ہوجاتا ہے۔ غم محبت کے سوا اور کوئی حزن اُسے نہیں ستاتا۔ اس کا دل مخلوق خدا کی محبت سے معمور رہتا ہے۔ شرف انسانی اُس سے اعلان کرا دیتا ہے کہ سوائے اللہ کے کسی اور کے آگے سر نہ جھکاؤں گا۔ اور اپنی عقل و دانش کو برہمنوں کی شیطنت کے آگے ذلیل نہ کروں گا۔ وہ فطرت اللہ کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کمزوروں، مجبوروں اور مسکینوں کو خود غرض شیطانوں کے پھندے سے نکال کر انسان بنانا چاہتا ہے۔ غرضکہ خدا پرستی اور خدمت خلق کا اعلان ہی مسلمان کی نماز ہے۔ یہ نماز صرف اس وقت ادا ہوتی ہے۔ جب صرف خدا پر بھروسہ ہو اور غیر اللہ کا ذرہ بھر خوف بھی دل نہ ہو۔

یاد رہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی پوری زندگی میں جبکہ وہ ایک انقلابی جماعت تیار کر رہے تھے۔ ہمیشہ نماز کی یہی تعلیم دی کہ اللہ والوں کو چاہیئے کہ صبر و استقامت کے ساتھ اللہ کے گروہ میں رہنے کا اعلان کرتے رہیں۔ اور شیطانی گروہ کے مظالم کے باوجود اس راستے کو نہ چھوڑیں۔ مسکینوں، یتیموں، جاہلوں اور گمراہوں کی مدد کریں۔ اور یقین رکھیں کہ موجودہ حالت (اولیٰ) آنے والی حالت (آخرۃ) سے ہمیشہ بہتر ہوتی جائے گی۔ غرضکہ مقصد صلاۃ یہ اعلان ہے کہ ہم انسانیت کو ظلم و جہل سے نجات دلوائیں گے۔ اور چونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس لئے خوف و حزن ہمارے پاس نہیں آسکتا۔ ہم شرف انسانیت کو غیر اللہ کی بندگی سے کبھی آلودہ نہیں کرسکتے۔

اِنّ الذین قالوا ربنا اللہ ۔ ثم استقاموا ۔ فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ٥	جو صرف اللہ کو اپنا آقا مانتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے ڈٹے رہتے ہیں انہیں کسی طرح کا خوف و حزن ہوتا ہی نہیں ۔

۲ ۔ روزہ (ایثار) انسانیت کو پر دہتوں کے پھندے سے نکالنے اور انہیں تاریکی سے روشنی میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر اللہ والا خواہ وہ کسی رسول کا نام لیتا ہو ۔ اس مقصد میں متحد ہو کر ایثار کرے ، اگر خود کھاتا ہو ۔ تو چاہیے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر کھائے ۔ ورنہ کم از کم اپنا کھانا ہی کم کر دے اور جو بچے وہ مسکینوں میں تقسیم کر دے ۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ روزے کا حکم بدر سے پہلے کا ہے اور یہ حکم دو وجہوں سے دیا گیا ہے اول یہ کہ مسلمانوں کو ایثار و قربانی کی عادت پڑے اور وہ اپنے بھائیوں کی بھوک کو خود بھوکے رہ کر ایک حد تک کم کر سکیں ۔ دوسرے یہ کہ اہل کتاب خصوصاً نصاریٰ اسی زمانے میں روزے رکھتے تھے ۔ اور ۲۵ دسمبر کو ولادت مسیح کی عید مناتے تھے ۔ ان سے دوستی اور اتحاد بڑھے ۔ اس طرح بتانا تھا کہ مسلمان کوئی نیا فرقہ نہیں ، بلکہ جو اہل کتاب کا روزہ ہے وہی ہمارا بھی روزہ ہے ۔ اور جو ان کی عید ہے ، وہی ہماری بھی عید ہے ، نجاشی سے دوستی ہو چکی تھی اب یہ زمانہ آرہا تھا کہ ہرقل اور مقوقس بھی مسلمانوں کو اہل کتاب مان لیتے تو دنیا کی کش مکش دور ہو جاتی ، بہرحال روزہ کا مقصد جہاد کی تیاری مفلسوں کی مدد اور اہل کتاب کی پیروی ہے ۔ اور اس غرض کے لئے عید کے دن ہر مسلمان مرد عورت بچے کو صدقہ دینا لازمی ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے میلہ کی خوشی میں ، اس طرح کا چندہ کسی ملک یا قوم میں رائج نہیں تھا ۔ اور نہ ہے ۔

۳ ۔ حج (سالانہ کانفرنس) اعتدال ربیعی کے زمانے میں کل دنیا میں خوشی کے میلے لگتے ہیں ۔ اور ہر ملک میں شعر و شاعری ۔ کھیل کود ، اور پوجا پاٹ ہوتی

ہے۔ ان میلوں میں عرب کے اندر امن عام کا اعلان ہوتا تھا۔ اور تجارتی مال کے لٹنے کا کوئی خطرہ نہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اعتدال خریفی پر ایک چھوٹا میلہ جاڑے کے شروع میں جاڑے کی تجارت (رحلتہ الشتاء) کے لئے رجب میں ہوتا تھا۔ آنحضرت نے ان میلوں کی صرف یہ اصلاح کی کہ اپنے باپ دادا کے کارنامے بیان کرنے اور پردہتوں کی تباہی ہوئی شیطان پرستی کی جگہ اب اللہ والوں کے کارنامے بیان ہوں گے اور خدا پرستی کا چرچا ہوگا۔ لیکن مشرکوں کو ان میلوں میں فائدہ اٹھانے اور تجارت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ یہاں اب صرف اللہ والوں کی تجارت ہوگی۔ بڑے میلے میں سال بھر کی جماعتی کوششوں پر تبصرہ اور آئندہ کا پروگرام بنے گا۔ اس کے بعد کل اہل اللہ اور اہل دل یعنی اہل کتاب کا ایک مشترکہ محاذ بنایا جائے گا۔ تاکہ دنیا کو شیطانی گروہ کی چیرہ دستیوں سے پناہ ملے۔ غرضکہ حج کا مقصد بھی اعلائے کلمتہ الحق کے لئے کتابیوں کو متحد کرنے کی کوشش ہے اور یہ کوشش ہے کہ کل دنیا کے کتابی اپنا اپنا نوروز۔ عید فصح۔ ایسٹر یا ہولی ایک مشترک مقصد سے منائیں۔ اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں محبت اخوت اور خدا پرستی عام ہو۔ خود غرض تاجروں اور پروہتوں کو یہ حق نہ ہو کہ کسی کو دولت اور عقل سے محروم کرکے شیطان کے نام پر اپنا پیٹ بھریں۔ یا لوگوں کو ترقی اور علم سے روکیں۔ گویا حج بھی دنیوی فوائد کا ایک سرچشمہ تھا جو ہر شخص کے فائدے کے لئے تھا۔

۴۔ زکاۃ (اقتصادی مساوات) مسلمانوں پر قرآن نے ان کی سالانہ آمدنی پر ایک ٹیکس مقرر کیا ہے۔ ضروریات ملکی و قومی کے لحاظ سے یہ گھٹایا بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ اور اس کے صرف کرنے کے لئے انسانی نفع رسانی سے متعلق کئی دفعات قرآن میں واضح طور پر بیان کردی گئی ہیں۔ مسکینوں اور مقروضوں، یتیموں اور معذوروں اور مجاہدوں کی امداد کے علاوہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس رقم سے عام تعلیم اور اسپتالوں کا انتظام کیا جائے۔ مسافروں کی راحت کے لئے سڑکیں اور مسافر خانے

پانی اور کھانے کا انتظام اور راستوں کو بعافیت طے کرنے کے لئے مضبوط پولیس اور عدالت کے محکمے ہوں۔ مصارف زکوٰۃ میں مومن اور غیر مومن کی شرط نہیں۔ بلکہ خصوصیت سے قرآن میں یہ حکم ہے کہ اگر ماں باپ یا رشتہ دار یا اہل وطن مشرک ہوں تو بھی ان کے ساتھ احسان و مدارات سے پیش آنا چاہیئے۔ اور دلوں کو موہ لینے کے لئے ان پر زکوٰۃ اور غنیمت کا مال بے دریغ خرچ کرنا چاہیئے اسے "تالیف قلوب" کا نام قرآن ہی نے دیا ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر ست　　　از ہزاران کعبہ یک دل بہتر ست

یعنی

عبادت بہ از خدمت خلق نیست　　　بہ تسبیح و سجادہ دلق نیست

غرضکہ زکات مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل سے مفلسی کا خوف نکل جائے۔ تاکہ ہر مسلمان کتابی دنیا کو تاریکی سے نکالنے اور خدا پرستی رائج کرنے کے لئے جہاد محبت میں سر فروشانہ کود پڑے۔ ظاہر ہے کہ نماز کے پیدا کئے ہوئے عزت نفس کے تصور نے۔ روزوں کے پیدا کئے ہوئے ایثار نے، حج کے روز افزوں بڑھنے والے تجارتی اجتماع نے اور زکات کی افلاس کش ہمت افزائی نے مسلمان کو اتنا نڈر اور جری بنا دیا تھا کہ انسانی ترقی اور قیام امن کے لئے جان دینے پر فخر کرتا تھا۔ اور خوف و حزن کا دیو ہی نہیں بلکہ اس کے شوق شہادت کے آگے خود موت کھسیائی ہو کر منہ چھپاتی پھرتی تھی۔ اس لئے کہ مسلمان سمجھتا تھا، اور اب بھی ایک حد تک سمجھتا ہے کہ اللہ کی راہ میں جانا ہمیشہ کی زندگی ہے یہی جہاد محبت کے جو شہید عشق ہے اس کا رتبہ ہر غازی سے اونچا ہے۔

غازی برہ شہادت اندر تگ و پوست　　　غافل کہ شہید عشق فاضل تر از وست

در روز قیامت این بدان کے ماند　　　کین کشتۂ دشمن است و آن کشتۂ دوست

(شیخ ابو سعید ابوالخیر نوی المتوفی ۴۴۰ھ)

رحمت للعالمین نے دنیا کو کیا دیا؟

سچائی عالمگیر ہے یعنی دین حق ہر جگہ ایک ہی ہے :۔ آپ نے دنیا کو بتایا کہ قومی خداؤں کو ختم کر دو۔ خدا سب کا خدا ہے ۔ لہذا کل دنیا کا ایک ہی خدا مانو۔ نسلی امتیازات ختم کر دو۔ سب آدمی ہو یعنی آدم خاکی کی اولاد ہو۔ اپنے بھائیوں کو غلام بنانا اور ذلیل سمجھنا چھوڑ دو ۔ کتابی یا مہذب بن کر علم و عقل کو عام کر دو ۔ اور یہ نہ سمجھو کہ سچائی اور دین حق کسی ایک قوم تک محدود ہے۔ سچائی اور خدا پرستی کی تعلیم ہر قوم اور ہر قریہ میں خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعے بھیجی ہے ۔

دراصل شیطانی گرگے تباہی پھیلاتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بھی شیطانی علوم انھیں آتے ہیں ۔ اگر وہ عام ہو گئے ۔ یا جن لوگوں کو انھوں نے غلام بنا رکھا ہے وہ آزاد ہو گئے تو ان کا کاروبار بند ہو جائے گا ۔

یہ شفعا اور قالو یافتہ لوگ ظالم و طاغی ہیں ۔ ان کے ظلم سے نجات دلانے کا صرف ایک طریقہ ہے کہ دنیا میں علم عام کر دیا جائے ۔ اور ایسا اقتصادی نظام بنایا جائے کہ دنیا سے بھوک کا خوف ختم ہو جائے اور جہل کی تاریکی ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے ۔ یعنی اس معاشرہ میں بدعملی ناممکن ہو جائے ۔

انھوں نے اپنے فائدہ کے لئے دین کو دنیا سے الگ کر رکھا ہے : پروہتوں اور ساحروں وغیرہ کی سب سے بڑی شرارت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دینی فوائد اور دیوتاؤں یا شیطانوں کو خوش کرنا ایسا فن ہے جو وہی جانتے ہیں ۔ اور ان کے سوا یہ راز کسی کو نہیں بتائے جا سکتے ۔ اس لئے انھوں نے لوگوں کو دھوکا دے رکھا ہے کہ دین اور

دنیا الگ الگ ہیں۔

آنحضرتؐ نے پروہتوں وغیرہ کی جماعت کو غیر قانونی قرار دیا۔ اور دنیا کو مزرعۃ الآخرۃ بتاکر دین اور دنیا کو ایک کر دیا۔ اب ہر شخص بغیر کسی پروہت کی مدد کے نیک عملی کے طریق پر عمل کر سکتا ہے۔ اور اپنے ضمیر سے حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:-

آنحضرتؐ نے پروہتی کو ختم کرکے دین و دنیا کو ایک کر دیا۔ آنحضرتؐ نے مختلف مذاہب کی وحدت کو بتانے کے بعد سب سے بڑا کام یہ کیا کہ انسان کے دماغ و عقل کے اجارہ داروں کا خاتمہ کر دیا آپ نے بتایا کہ یہ لوگ جو شفیع ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہر علم کے اجارہ دار بن گئے ہیں یہ سب جھوٹے ہیں۔ علم آزاد ہے۔ کسی کی میراث نہیں۔ اللہ براہ راست انسان کو علم دیتا ہے (العلق)

شروع زمانے سے آخر تک آنحضرتؐ کا یہی مسلک رہا کہ انسانی ذہن آزاد ہو۔ جسمانی غلامی کے بندھن ٹوٹ جائیں اور دنیا ہی کے کاموں کی ترقی کو دینی کام سمجھا جائے یعنی صرف خدا کی بندگی کے اعلان (صلاۃ) کے بعد ہر دنیوی عمل کو صالح سمجھا جائے۔ اسے قرآن کی زبان میں معروف کہتے ہیں اور ہر وہ چیز بری مانی جائے جو قدرتاً گھناؤنی ہو اسے قرآنی اصطلاح میں منکر کہتے ہیں۔

اس طرح پروہتوں کو مٹاکر، دنیا میں امن و ترقی (یعنی اسلام) کو قائم کرنے کا نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک مذہب وسیاست یا مذہب وسوسائٹی یا مذہب اور عام انسانی فلاح میں کوئی تضاد باقی نہ رہا۔ مسلمان یہ سمجھتا ہے اور صحیح سمجھتا ہے کہ پروہتوں اور مالداروں کی غرضانہ گروہ بندی ختم کرکے اجتماعی مفاد اور فلاح انسانیت کے جتنے بھی دنیوی کام ہیں سب دینی کام ہیں۔ اور ان کے بتانے کے لئے ہمیں کسی پروہت یا کاہن یا ساحر کی ضرورت نہیں۔ انتم اعلم بامور دنیاکم (مسلم)

اب بد اخلاقی ناممکن ہو گئی : اس ذہنی انقلاب کے بعد جب عرب میں، دولت کتابیہ شوراتیہ قایم ہو گئی تو انسان کے لئے ناممکن ہو گیا کہ وہ بد اخلاقی کا مرتکب ہو۔ کُل تو موں کے ایک آقا (رب العالمین) کو مان لینے لو زبیچ کے شفیعوں اور ان کے دیوتاؤں کا خوف دور ہو جانے کے بعد انسان صرف اللہ پر اور اس کی عطا کی ہوئی عقل پر بھروسہ کرنے لگا۔ وہ ایسا آقا ہے جو دوسرے دیوتاؤں یا شفیعوں کی طرح نذر نیاز نہیں مانگتا نہ لالچی ہے کہ اپنی غرض سے اپنے غلام کو موٹا کرے۔ وہ اکرم ہے (العلق)

خود اعتمادی اور آخرۃ :۔ اس خدا اعتمادی نے لوگوں میں خود اعتمادی پیدا کر دی۔ اور جزائے اعمال کے یقین (یعنی آخرت کے انعامات کے ناگزیر ہونے کے تصوّر) نے ان کو اس پر آمادہ کر دیا کہ عمل صالح کے لئے اپنی جان اور مال کا معاملہ اللہ سے کریں اور اس کے بدلے میں دنیوی مفاد اور آیندہ کی فلاح کا یقین رکھیں۔ اب انفرادی آزادی عقل اور ایجاد و اختراع کی کوششوں کو روکنے والی یعنی مفاد انسانیت کی راہ میں جان لڑا دینے کی صلاحیتوں کو مردہ کرنے والی کوئی جماعت باقی نہ رہی۔ اب ہر انسان دوسرے کو اپنا بھائی سمجھنے لگا اور ہر انفرادی کام اجتماعی فائدہ کے لئے ہونے لگا، سب کی خوش حالی، اور سب کی فارغ البالی نے فرد واحد کی ترقی کو تیز گامی اور اس کی مردہ صلاحیتوں کو زندگی و حرکت اور اس کے یاس کو امید میں بدل دیا۔

خود غرضی کی جگہ رضاکارانہ خدمت خلق :۔ اب سود خور کی دولت سود سے محروم ہو گئی اس لئے کہ دولت کتابیہ ہر شخص کی ضروریات زندگی اس کے خاندان کی تعلیم و آسائش کی کفیل بن گئی۔ بیت المال نے قرض کے غلاموں کو آزاد اور مفلسوں میں دولت تقسیم کرنے کا ذمہ لے لیا۔ دولت کتابیہ کے ہر مسلمان شہری پر ٹیکس (زکوٰۃ) اور رضاکارانہ دفاع واجب ہو گیا پھر یہ کہا گیا کہ سب کتابی ایک ہیں۔ سب کتابی اللہ کو ملنتے ہیں۔ اور سب یوم آخر یا مکافات عمل کے تصور سے متفق ہیں۔ لہٰذا وہ سب مسلم ہیں۔ اب

سب کو مل کر ایک متحدہ محاذ بنانا چاہیئے۔ اور شیطان اور شیطنت یعنی اخوان الشیا
کو شکست دے دینا چاہیئے، لیکن بہت کم کتابی اس سے متفق ہو سکے پھر دیں حیا
بیچ میں آ گئی جو تفرقہ اور فساد فی الارض کا باعث ہے۔ کلیسا اور احبار کے مالدار
نے ساتھ نہ دیا اور آخر کار اسلام کو بھی ایک نیا مذہب قرار دے دیا۔ پھر بھی اگر
عزت و شرف انسانیت کا پورا حصہ دار بنا دیا۔ اور رضاکارانہ خدمت خلق کے بد
معمولی ٹیکس عائد کر دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کی برابری نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ
خدمت دفاع سے بچنے کے لئے ٹیکس دیتے تھے۔ حالانکہ دفاعی خدمت اور اعلا
کلمتہ الحق کے لئے جہاد کرنا، اور کافروں کی بھلائی کے لئے اپنی جان و مال خطرہ
ڈال کر انھیں تاریکی سے نکالنا ہی مسلمانوں کا فرض قرار دیا گیا تھا۔

اب اس کتابی دنیا میں چور تھے نہ رہزن، اس لئے کہ کوئی شخص
ہی نہیں رہ سکتا تھا اور نہ دولتمندوں کے پاس مال سمٹنے کا موقع دیا جاتا
(کی لا تکون دولۃ بین اغنیاء منکم) اب زنا بھی باقی نہ رہی۔ اس
کہ نکاح کا پھندہ دائمی نہ تھا۔ عورت کو خلع اور مرد کو طلاق کا حق تھا۔ اور یہ بد
بزدلی سمجھی جاتی تھی کہ بچہ پیدا کرنے کی ذمہ داری سے باپ منہ چرائے اور اس کو
محروم رکھ کے ایک بھولی عورت پر ظلم کرے۔ قصہ مختصر جتنے اعمال کو ایک بے
اور غیر منصفانہ نظام اور مالداروں نے غریبوں کے لئے برا قرار دیا تھا، لیکن
اس سے مستثنیٰ تھے، اب ناممکن ہو گئے۔ اب وہ نظام ہی ختم کر دیا گیا، جس
وجہ سے دنیا میں بے ایمانی رائج تھی۔ دنیا امن و ترقی کے راستے پر چل کر اپنے
جنت بنانے لگی۔ نسل و رنگ، سحر و کہانت، خواجگی و شاہی کی تاریکیاں اس
محبت کی جہانتاب روشنی کی تاب نہ لا سکیں اور سب نے عبدالرحمان جامی
ہمزبانی اختیار کر کے کہنا شروع کیا ؎

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی ٭ کاندریں راہ فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

(الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون)

(اللہ سے محبت کرنے والوں سے خوف اور حزن دور بھاگتا ہے)

اب علم پروہتوں کی غلامی سے نکل کر عام ہو گیا ۔ اب حکومت شورائیہ کتابیہ نے کمزوروں کو قوی کر دیا ۔ اور قیاس نے استقراء کی روشنی سے دنیا کو دین کر دیا غلاموں کے بازار بند ہو گئے ، عورتوں کو مکمل آزادی مل گئی ۔ اعلان عام ہو گیا کہ کوئی باندی کسی بچہ کو غلام نہیں پیدا کر سکتی ۔ آخر کار بیچارے مرد کو ماننا پڑا کہ عورت کی خدمت اس کا فرض ہے ۔ اس لئے کہ وہ ماں ہے ۔ انسان کو غلام بنانا کفر ہے اس لئے وہ اس کا بھائی ہے ، علم کو کسی سے چھپانا بخل ہے ، خود غرضی ہے اور کمینہ پن ہے ، جو شرف انسانی کے منافی ہے اور انسان کو غیر اللہ کے دروازوں پر جھکاتا ہے اب علم و عقل مساوات و محبت ، امن و ترقی کے دروازوں پر کوئی حاجب طاغوت کی شکل میں اور تشیع کاہن کی صورت میں باقی نہ رہا ۔ اور دنیا ہی آخرت کا مزرعہ بن گئی ۔

ظلمتِ نفرت مردہ باد ٭ نورِ محبت تاباں باد

مختصر سیرت قرآنیہ

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

محمد اجمل خاں